

پنجاب میں فارسی ادب



غنیمت کنجاہی

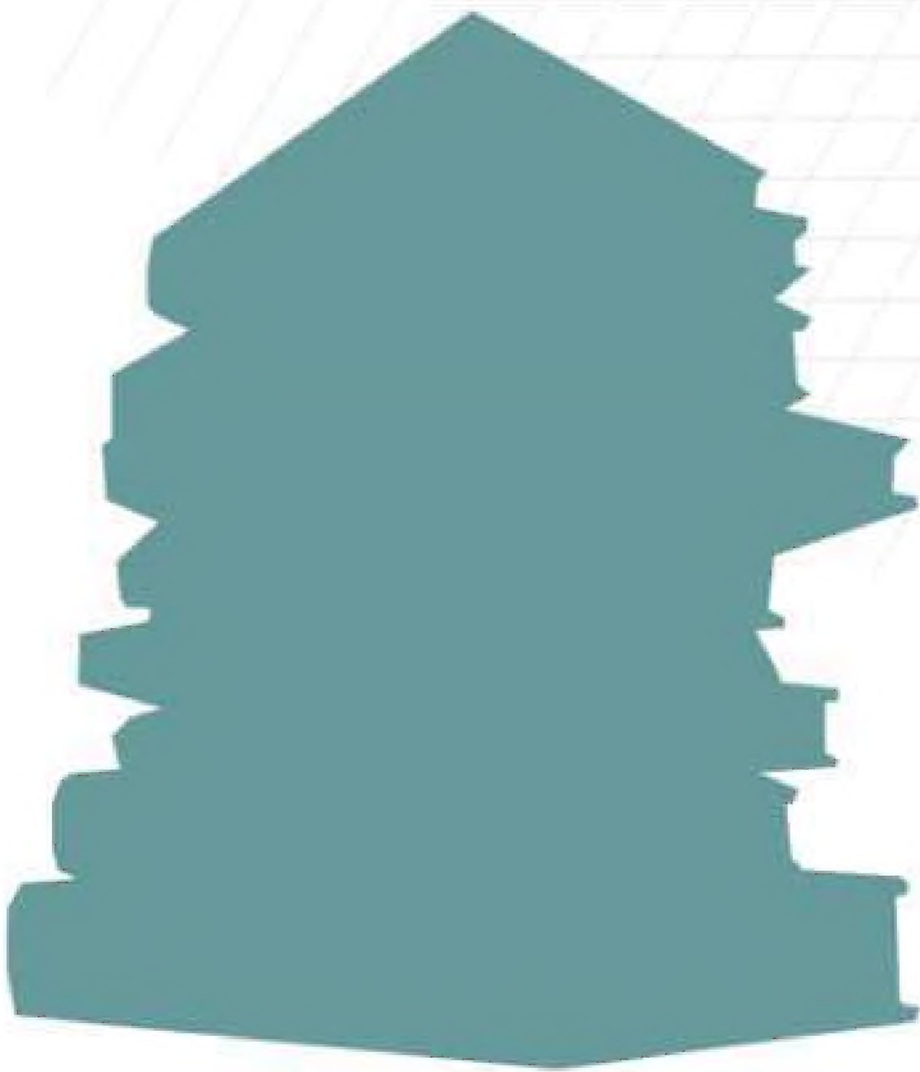
ترتیب وتدوین

ڈاکٹر نجم الرشید

ڈاکٹر محمد صابر

مرکز تحقیق وتالیف

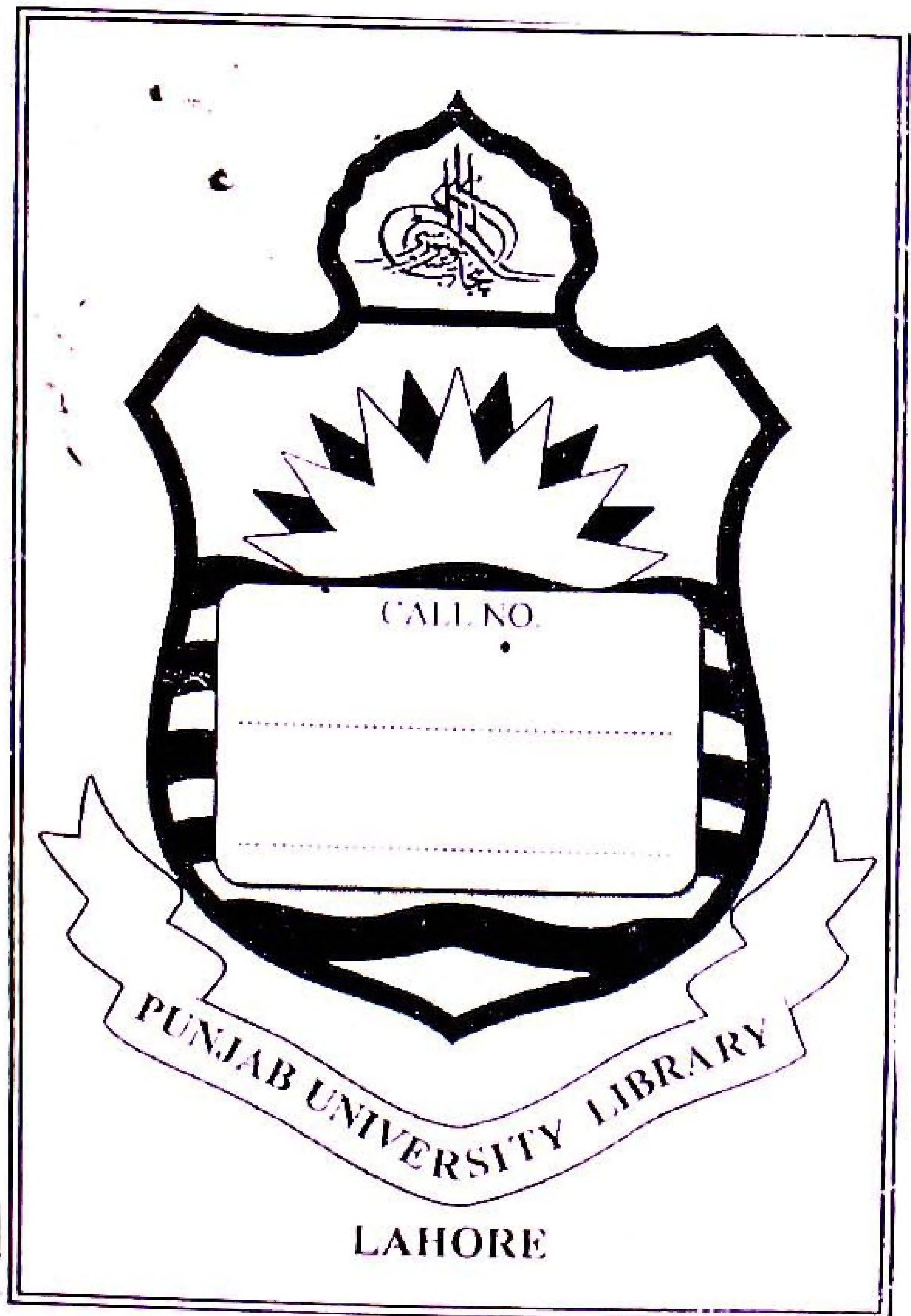
المیر ٹرسٹ لائبریری، گجرات



ذخیرۂ پروفیسر محمد اقبال مجددی

جو 2014ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو

ہدیہ کیا گیا۔



استاد ارجمند جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال مجددی
کی خدمت میں نہایت محبت اور احترام کے ساتھ

نجم الرشید
۲۱ دسمبر ۲۰۱۰ء

غنیمت کنجاہی

1951

محمد اکرم غنیمت کنجاہی کے احوال، اشعار اور تصانیف پر منتخب تحقیقی مقالات

ترتیب و تدوین

ڈاکٹر نجم الرشید

ڈاکٹر محمد صابر

مرکز تحقیق و تالیف، المیر ٹرسٹ لائبریری، گجرات

نجم الرشید۔محمد صابر
غنیمت کنجاہی: محمد اکرم غنیمت کنجاہی کے احوال، اشعار اور تصانیف پر منتخب تحقیقی مقالات
مرکز تحقیق و تالیف، المیر ٹرسٹ لائبریری، گجرات، ۲۰۰۹ء، ۴۰۷ص
129967 GHANIMAT KUNJAHI
(A Collection of Research Articles on Ghanimat)
(۱) فارسی ادب (۲) پاکستان، فارسی ادب (۳) پنجاب، فارسی ادب
(۴) غنیمت کنجاہی، محمد اکرم

غنیمت کنجاہی

محمد اکرم غنیمت کنجاہی کے احوال، اشعار اور تصانیف پر منتخب تحقیقی مقالات

ترتیب و تدوین: ڈاکٹر نجم الرشید، ڈاکٹر محمد صابر
کمپوزنگ: محمد یٰسین
اہتمام اشاعت: عارف علی میر ایڈووکیٹ، فیاض احمد
ناشر: مرکز تحقیق و تالیف، المیر ٹرسٹ لائبریری
میر سٹریٹ بھمبر روڈ، گجرات (پاکستان)
طبع اول: جنوری ۲۰۰۹ء
مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس، نسبت روڈ، لاہور

یہ کتاب پنجاب کے نامور شاعر غنیمت کنجاہی کے فن کے اعتراف میں اہلِ علم کے لیے بلاقیمت پیش کی جارہی ہے۔ استفادہ کرنے والے حضرات، غنیمت شناسوں، مرتبین اور معاونین اشاعت کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔

سلسلۂ مطبوعات

پنجاب میں فارسی ادب

زیر نگرانی:

ڈاکٹر عارف نوشاہی

۱۔ مثنوی گلزار محبت، تصنیف محمد اکرم غنیمت کنجاہی، مرتبہ عارف نوشاہی، جنوری ۲۰۰۸ء

۲۔ رسائل غنیمت کنجاہی (غنیمت کنجاہی کے رقعات اور مناظرۂ گل و نرگس)، مرتبہ عارف نوشاہی، جنوری ۲۰۰۹ء

۳۔ غنیمت کنجاہی: محمد اکرم غنیمت کنجاہی کے احوال، اشعار اور تصانیف پر منتخب تحقیقی مقالات کا مجموعہ، مرتبہ نجم الرشید و محمد صابر، جنوری ۲۰۰۹ء

۴۔ تذکرۂ شاہ دولہ، تصنیف محمد چراغ بن شاہ مراد گیلانی قادری، مرتبہ گوہر نوشاہی



"اظہار عقیدت"

جناب **شریف کنجاہی**ؒ کا جسد خاکی اہلیان کنجاہ کی زبردست خواہش کے مطابق جناب **غنیمت کنجاہی**ؒ کے پہلو میں دفنایا گیا جناب غنیمت کنجاہیؒ اور جناب شریف کنجاہیؒ سے قلبی عقیدت کے باعث اور خصوصاً جناب شریف کنجاہیؒ کے جنم دن (۱۳۔ اکتوبر) کی مناسبت سے حضرت غنیمت کنجاہیؒ کے فارسی لٹریچر پر سلسلہ وار تیسری کتاب تحفتاً پیش خدمت ہے۔ دعا فرمایئے گا کہ ہمارا یہ نذرانہ قبول ہو جائے

طالبین دعا

عارف علی میر

فیاض احمد

فہرست

III۔ انتخابِ کلام

IV۔ کتابیات

پیش گفتار

فارسی ادب کی تخلیق، تعیم اور ترویج میں خطۂ پنجاب کے مصنفوں اور شاعروں کا حصّہ اور کردار، ادب کے مورّخوں اور طالب علموں سے پوشیدہ نہیں ہے۔شیخ علی بن عثمان ہجویری ثم لاہوری صاحب کشف المحجوب اور مسعود سعد سلمان لاہوری سے لے کر علامہ محمد اقبال تک پنجاب میں فارسی ادب وشعر کے درخشندہ ستاروں کی ایک طویل کہکشاں ہے۔کہکشاں کی خوبصورتی اور جھلملاہٹ اس کے چھوٹے چھوٹے ستاروں سے ہوتی ہے۔پنجاب میں ایسے غیر معروف اور گمنام فارسی مصنفوں اور شاعروں کی بھی ایک معتدبہ تعداد موجود ہے جن کا ذکر بس ایک بار کسی تذکرے، فہرست یا مقالہ میں ہوگیا اور وہ فراموش ہوگئے۔

گیارہویں صدی ہجری/سترہویں صدی عیسوی (بعہد اورنگ زیب عالمگیر) میں پنجاب میں گجرات کے مضافاتی قصبہ کنجاہ کے ایک شاعر محمد اکرم غنیمت کنجاہی نے اپنی فارسی گوئی کے ذریعے ایسے وقت میں اپنا لوہا منوایا جب فارسی شاعری کا ''سبک ہندی'' مقبول ہو رہا تھا۔انھوں نے مثنوی ''نیرنگ عشق'' لکھ کر داستان گوئی کا ایک نیا تجربہ کیا، ایسی داستان جس کے دونوں مرکزی کردار ہم جنس (مرد) تھے۔یہ مثنوی ان تمام علاقوں میں مقبول ہوئی جو ماوراء النہری فارسی اور سبک ہندی کے زیر اثر تھے یعنی ہندوستان، افغانستان اور وسطی ایشیا۔غنیمت کنجاہی فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر بھی ہیں۔۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء میں ان کا ایک نثری رسالہ مناظرۂ گل و نرگس پنجاب کے ایک دور افتادہ قصبے بھیرہ سے طبع ہونے کے باعث فارسی ادب کے عام قارئین کی نظر سے اوجھل رہا اور زیادہ متعارف نہ ہوسکا۔بیسویں صدی عیسوی کی دوسرے نصف میں ان کی دو اور تصانیف (رقعات، مثنوی گلزار محبت) کا پہلی بار سراغ ملا تو ان دونوں مختصر تصانیف نے بھی ادب کی تاریخوں میں جگہ پائی۔اس طرح اب اکیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں غنیمت کنجاہی محض نیرنگ عشق کے شاعر کے طور پر نہیں بلکہ نثر و نظم میں اپنے دیگر کارناموں کے باعث بھی قابل توجہ ہیں۔

میری ایک عرصے سے خواہش تھی کہ غنیمت کے احوال و آثار اور فکر وفن پر کوئی مستقل کتاب پیش کی

جائے۔میری یہ خواہش نہ صرف فارسی ادب کا ایک خوشہ چین ہونے کی حیثیت سے تھی، بلکہ غنیمت کی سلسلہ قادریہ نوشاہیہ سے وابستگی بھی اس خواہش کو مہمیز لگا رہتی تھی۔اس خواہش کی تکمیل کے دو راستے تھے: مجوزہ موضوع پر کوئی کتاب تصنیف کی جائے یا اس موضوع پر پہلے سے موجود مقالات کو سلیقے سے یک جا کر دیا جائے۔جب اس خواہش کا تذکرہ ایک علمی کام کے طور اپنے عزیز اور گرامی قدر دوست ڈاکٹر نجم الرشید، ایسوی ایٹ پروفیسر، شعبۂ فارسی، اوری اینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور سے کیا تو انھوں نے اسے پسند فرمایا۔پسندیدگی کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کی فارسی سے پیشہ ورانہ وابستگی تھی، لیکن غنیمت سے ان کی ہم وطنی کا جذبۂ محبت بھی تحت الشعور میں کارفرما تھا۔انھوں نے پہلے تو اپنی نگرانی میں ایک طالبہ سے امتحانی مقالہ کے طور پر غنیمت کی کتابیات مرتب کروائی جو بتمام و کمال اس مجموعے میں شامل ہے۔پھر میری فرمایش پر غنیمت پر منتخب مقالات کی تدوین کا کام اپنے ذمہ لیا۔غنیمت پر کسی مستقل کتاب کی یہ منزل بظاہر سہل الوصول تھی لیکن کام کے دوران صعب العبور ثابت ہوئی۔ڈاکٹر نجم الرشید اور ان کے رفیق کار ڈاکٹر محمد صابر صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فارسی، اوری اینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی کی یگانگت نے یہ منزل آسان کر دی اور غنیمت پر ہمارے اکابر پیش رو محققین، جن میں سے بعض اب رحمت ایزدی سے جا ملے ہیں، اور چند معاصرین کی نگارشات کا یہ مجموعہ، صوری اور معنوی خوب صورتی کے ساتھ اب سب کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

اس مجموعۂ مقالات کے مہتمم اشاعت، مکرّمی عارف علی میر صاحب، گذشتہ کئی سالوں سے محض علم و ادب کی خدمت اور ''نام نیک رفتگان ضایع مکن'' کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے ادارے سے مختلف موضوعات پر کتب شایع کر کے بلا قیمت تقسیم کر رہے ہیں۔ضرورت اس امر کی تھی کہ خدمت کے اس عمل کو ایک با مقصد جہت دی جائے۔میری دلچسپی چونکہ فارسی ادب سے ہے، اور میر صاحب کا ادارہ گجرات، پنجاب میں کام کر رہا ہے تو سجھائی یہ دیا کہ ''پنجاب میں فارسی ادب'' کے سلسلے کی کوئی علمی خدمت انجام دی جائے اور اس سلسلے میں بھی اولیت گجرات اور اطراف گجرات کے مصنفین اور موضوعات کو دی جائے۔چنانچہ پنجاب اور گجرات میں فارسی ادب کے حوالے سے غنیمت کنجاہی کا استحقاق مسلّم ہے۔غنیمت کی نو دریافت فارسی مثنوی ''گلزار محبت'' کی اشاعت کے بعد، اب ان کے سوانح اور فن پر مقالات کا یہ مجموعہ اہل علم کی خدمت میں پیش ہے۔امید ہے یہ آیندہ کے لیے حوالے کی ایک چیز بن جائے گی۔

عارف نوشاہی

۲۴ اگست ۲۰۰۸ء

اسلام آباد

غنیمت شناسی کی روایت

غنیمت کنجاہی فارسی کے ان قادرالکلام شعرا میں سے ہیں جنہوں نے غزل، قصیدہ، مثنوی اور رباعی جیسی مختلف اصناف سخن میں نہایت کامیابی سے خوبصورت اور دلنشین اشعار کہے ہیں۔ غزلیات، قصاید اور رباعیات پر مشتمل دیوان کو برصغیر میں بہت شہرت حاصل رہی ہے۔ غنیمت کی غزل سبک ہندی کی نمایندہ غزل ہے۔ اگرچہ اس نے متاخرین اور متقدمین کی پیروی میں بہت سی غزلیات کہی ہیں۔ لیکن اگر ان کی غزلیات کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ غنیمت نے سبک ہندی کا شاعر ہونے کے باوجود اپنا خاص اسلوب برقرار رکھا ہے۔ غنیمت کی فارسی غزل فکر وفن کے اعتبار سے فارسی شاعری کا بہترین شاہکار ہے۔ اس موضوع پر جن نقادوں نے قلم اٹھایا ہے ان میں شیخ اکرام الحق، پروفیسر انور مسعود، ڈاکٹر ظہور الدین احمد نمایاں ہیں۔ اگر چہ مذکورہ افراد نے اپنی تحریروں میں غنیمت کی غزل پر علمی اور تنقیدی بحث کی ہے، لیکن اس کے باوجود غنیمت کی غزل کے فکر وہنر کے اعتبار سے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی ہونا باقی ہے۔ سبک ہندی کی شاعری کا یہ وہ موضوع ہے جس پر اہل تنقید کی توجہ کی ضرورت ہے۔

دیوان غنیمت کے ابھی تک دو ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں۔ یہ دیوان پہلی بار لکھنو سے لیتھو پریس میں چھپا، جبکہ دوسری بار پروفیسر غلام ربانی عزیز نے ۱۹۵۸ء میں پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور کی طرف سے شایع کیا۔ دیوانِ غنیمت کی ترتیب کے د، ان چار نسخے پروفیسر غلام ربانی عزیز کے پیش نظر رہے۔ ان میں سے ایک مطبوعہ اور تین خطی تھے۔ اس وقت مختلف کتب خانوں میں دیوان غنیمت کے ۱۱ خطی نسخے ہمیں معلوم ہیں۔ پروفیسر غلام ربانی عزیز نے اس دیوان کی تصحیح کے سلسلے میں جو کوشش کی ہے اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس کے باوجود آج ضرورت ہے کہ دیوان غنیمت کے خطی نسخوں کو جمع کر کے تصحیح کے اعلیٰ معیارات کو مدنظر رکھتے ہوئے دیوان غنیمت کی از سر نو تصحیح کی جائے اور اسے شایان شان طریقہ سے شایع کیا جائے۔

مثنوی نیرنگ عشق کو برصغیر کے فارسی کے داستانی ادب میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ وہ مثنوی ہے جو زمانہ تالیف سے لے کر آج تک نہ صرف اہل دل اور اہل نظر کے درمیان مقبول رہی ہے بلکہ مدارس میں جزو نصاب بھی رہی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ پچاس پچپن صفحات پر مشتمل اس مثنوی کی تخلیق کے بعد غنیمت کوئی اور شعر نہ بھی کہتا تو اس کی شہرت کو زوال نہ آتا۔ غنیمت نے اس مثنوی میں عشق کی کیفیات کو اس خوبصورتی اور مہارت سے بیان کیا ہے کہ مطالب صاف اور واضح انداز میں آنکھوں کے سامنے جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ تصاویر خیال اتنی جاندار اور متحرک ہیں کہ ہر شعر قوت گویائی اور تحرک کا حامل دکھائی دیتا ہے۔ زبان و بیان انتہائی سادہ اور عام فہم ہے۔ اس مثنوی کے بہت سے اشعار اور مصرعے ضرب المثل کا درجہ رکھتے ہیں۔ مثنوی نیرنگ عشق پہلی بار ۱۲۵۹ھ ق میں طبع ہوئی۔ اس مثنوی کے دس ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔ آخری بار یہ کتاب ۱۹۶۲ء میں پروفیسر غلام ربانی عزیز کی کوششوں سے پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔ فہرست مشترک نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان کے مطابق اس مثنوی کے ۸۰ سے زیادہ نسخے پاکستانی کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ مثنوی نیرنگ عشق کی قدر و قیمت اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پنجابی زبان کے مشہور شاعر میاں محمد بخش نے مثنوی نیرنگ عشق کا پنجابی زبان میں منظوم ترجمہ کیا ہے اور غیاث اللغات کے مولف غیاث الدین رام پوری نے اس مثنوی کی فارسی زبان میں شرح لکھی ہے۔ اس مثنوی کے اردو اور پنجابی زبانوں میں منظوم ترجمے ہوئے ہیں۔ از سر نو تصحیح کے بعد، مذکورہ تراجم اگر مثنوی نیرنگ عشق کے ہمراہ شائع ہوں تو آج کے دور میں اس مثنوی کی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوگا۔ مثنوی نیرنگ عشق کے اردو زبان میں منظوم تراجم تو موجود ہیں، لیکن اس مثنوی کا ابھی تک کوئی منثور ترجمہ نہیں ہوا۔ چونکہ یہ کتاب مدارس میں شامل نصاب رہی ہے، لہٰذا اہلِ علم و دانش نے اس پر فارسی زبان میں چھ نہایت عمدہ شروح تالیف کی ہیں۔ ان میں سے ابھی تک کوئی ایک شرح بھی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی ہے۔ مثنوی نیرنگ عشق کی تقلید میں کئی فارسی شعرا نے فارسی زبان میں مثنویاں کہی ہیں جن میں سے اکثر خطی نسخوں کی صورت میں کتب خانوں میں موجود ہیں، جنہیں تصحیح کے بعد شائع کیا جانا چاہیے۔

غنیمت کی ایک اور عشقیہ مثنوی گلزار محبت ہے جس میں ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی کا قصہ ہے۔ شاعر نے اصل مقصد بیان کرنے سے پہلے مناجات، حمد، نعت رسول اکرم ﷺ، منقبت غوث اعظم، مدح پیر طریقت، مدح فرخ سیر، عشق مجازی اور پنجاب کی تعریف لکھی ہے۔ مثنوی کا وزن وہی ہے جو نیرنگ عشق کا ہے۔ یہ مثنوی پنجاب کی فضا اور ماحول میں لکھی گئی ہے، اس کے کئی حوالے اس میں موجود ہیں۔ اس مثنوی میں پنجاب کی ثقافت اور معاشرتی زندگی کے حوالے سے شادی کی رسوم پر عمدہ معلومات دستیاب ہیں۔ گلزار محبت کا واحد قلمی

نسخہ محمد شفیق قریشی، ساکن راجڑ خرد، سرائے عالمگیر کی تحویل میں ہے۔ ڈاکٹر عارف نوشاہی نے بڑی محنت سے اس قلمی نسخہ کی علمی معیارات کے مطابق تصحیح فرمائی ہے۔ یہ کتاب جنوری ۲۰۰۸ء میں گجرات سے شائع ہوئی ہے۔

غنیمت کے رقعات قلمی نسخہ کی صورت میں پنجاب یونیورسٹی مرکزی لائبریری کے مجموعۂ شیرانی میں موجود ہیں۔ جناب شرافت نوشاہی نے ان ۱۳ رقعات کو تصحیح کر کے مجلۂ صحیفہ لاہور، شمارہ ۶۲، جنوری ۱۹۷۳ء میں شائع کیا ہے۔ جناب ڈاکٹر عارف نوشاہی کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ غنیمت کے کچھ رقعات نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد کے ذخیرۂ مفتی کی ایک قلمی بیاض (نمبر ادب: ۲۳۵) میں ورق ۴۰ تا ۴۶ ب ''منشأت غنیمت کنجاہی'' نقل ہوئے ہیں۔ انہوں نے ان رقعات کا سید شرافت نوشاہی ایڈیشن سے تقابل کیا۔ اسلام آباد کے نسخہ میں کچھ اضافی رقعات ہیں جنھیں وہ جلد تصحیح کے بعد شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

مطبع مفتاح الاسرار، بھیرہ نے ۱۸۶۵ء میں آٹھ صفحات پر مشتمل غنیمت کنجاہی کا مناظرۂ گل و نرگس کے عنوان سے ایک منثور رسالہ شائع کیا۔ برادرم ڈاکٹر عارف نوشاہی نے کمال محبت فرماتے ہوئے یہ رسالہ تصحیح کے لئے راقم السطور کے سپرد کیا جو کہ مجلّہ سفینہ شعبۂ فارسی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے شمارہ ۱، جلد ۲، ۱۳۸۳ شمسی (۲۰۰۴ء)، کے صفحات ۵۸-۶۳ پر چھپ چکا ہے۔ یہ رسالہ اس مجموعۂ مقالات میں بھی شائع کیا جا رہا ہے۔

ہرمن ایتھے کے مطابق انڈیا آفس، لندن میں ایک قلمی دیوان (نمبر ۱۶۵۲) کے ساتھ مجلد غنیمت کا ایک ساقی نامہ موجود ہے۔ غنیمت شناس حضرات نے بھی اسے غنیمت کی تصانیف میں شامل کیا ہے۔ ڈاکٹر عارف نوشاہی کے بقول ''ایتھے نے اس ساقی نامہ کا جو مطلع نقل کیا ہے وہ ناصر علی سرہندی کے ساقی نامہ سے ملتا ہے...... اگر لندن کا نسخہ سامنے ہوتو اسے ناصر علی سرہندی کے ساقی نامہ کے کسی اور نسخے سے ملا کر حتمی نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے...... فی الحال اسے غنیمت کی تصانیف کی فہرست میں شامل نہیں کیا جانا چاہیے''۔ (مثنوی گلزار محبت، ص ۴۳)

۱۹۴۲ء سے لے کر آج تک، غنیمت کنجاہی کے احوال و آثار اور شاعری سے متعلق مختلف مجلات میں انیس مقالات فارسی اور اردو زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اگرچہ مئی ۱۹۴۲ء میں صادق علی دلاوری نے ''غنیمت کنجاہی'' کے عنوان سے پہلا مقالہ اورینٹل کالج میگزین، لاہور میں شائع کیا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ غنیمت سے متعلق جس محقق نے سب سے پہلے ان پر جامع تحقیقات کیں وہ جناب شرافت نوشاہی (۱۹۰۷-۱۹۸۳ء) ہیں۔ صادق علی دلاوری نے اپنے مقالے میں شرافت نوشاہی کی تحقیقات سے استفادہ کیا جس کا اظہار انہوں نے اپنے مقالہ میں بھی کیا ہے۔ غنیمت کے حالات زندگی سے متعلق جو معلومات شرافت نوشاہی نے دی ہیں وہی مستند ہیں اور انہیں بنیادی مآخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ بعد میں لکھنے والے تمام تر محققین نے انہیں ہی بنیاد بنایا ہے۔ بعض محققین نے ان کے احوال کے سلسلے میں کچھ اضافے بھی کیے جن میں گوہر نوشاہی نمایاں ہیں جس کا اعتراف

مولانا شرافت نوشاہی نے اپنے مقالہ ''مولانا غنیمت کنجاہی کے کچھ مزید حالات'' میں بھی کیا ہے۔

فارسی تذکرہ نویسوں نے غنیمت کے علمی و ادبی مقام و خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے تذکروں میں ان کا بھرپور ذکر کیا ہے، جیسے: سراج الدین علی خان آرزو، کشن چند اخلاص، رحم علی خان ایمان، علی ابراہیم خان خلیل، بندرا بن داس خوشگو، محمد افضل سرخوش، محمد مظفر حسین صبا، صدیق حسن خان بہادر، عبدالغنی خان، قدرت اللہ گوپاموی، مردان علی خان مبتلا، شیخ احمد علی خان ہاشمی سندیلوی، والہ داغستانی اور حسین قلی خان عظیم آبادی۔

فارسی ادب کے بہت سے نامور محققین نے اپنی تالیفات میں بھی غنیمت سے متعلق مختلف موضوعات پر مقالات لکھے ہیں، جیسے: شیخ اکرام الحق، نورالحسن انصاری، انور مسعود، ڈاکٹر محمد باقر، میرزا مقبول بیگ بدخشانی، ڈاکٹر ظہور الدین احمد، مولانا شرافت نوشاہی، ڈاکٹر عارف نوشاہی اور ڈاکٹر طاہرہ صدیقی۔

نہ صرف برصغیر کے بلکہ ایرانی محققین نے بھی اپنی تصنیفات اور تحریروں میں غنیمت کے احوال و آثار اور شاعری سے متعلق مضامین لکھے ہیں ان میں ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، سعید نفیسی اور ڈاکٹر توفیق ہ۔ سبحانی قابل ذکر ہیں۔

دنیا کی اہم انسائیکلو پیڈیاؤں میں بھی غنیمت سے متعلق مقالات ملتے ہیں ان میں انسائیکلوپیڈیا آف ایرانیکا (نیو یارک)، دی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لائیڈن)، اُردو دائرہ معارف اسلامیہ (لاہور)، دانشنامہ ادب فارسی در شبہ قارہ (تہران) قابل ذکر ہیں۔ مذکورہ دانشناموں میں غنیمت پر ڈاکٹر عارف نوشاہی اور سعید نفیسی نے مقالات تحریر کیے ہیں۔

غنیمت کا کلام اگرچہ مدتوں سے مدارس میں جزو نصاب رہا ہے لیکن جامعات میں بھی غنیمت شناسی کو اہمیت حاصل رہی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی مرکزی لائبریری میں آثار غنیمت کے اہم قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ اورینٹل کالج میگزین لاہور کو یہ افتخار حاصل ہے کہ اس میں غنیمت سے متعلق پہلا مقالہ شائع ہوا۔ اس کے بعد بھی اس مجلے نے غنیمت پر متعدد مقالات شائع کیے۔ غنیمت بحیثیت شاعر ایم اے فارسی کے نصاب میں شامل ہے۔ شبانہ شریف ملک نے ۲۰۰۲ء میں راقم السطور کی راہنمائی میں ''کتابشناسی غنیمت کنجاہی'' کے عنوان سے ایم اے فارسی کا تحقیقی مقالہ لکھا۔ یہ مقالہ اضافات کے ساتھ اس مجموعۂ مقالات میں بھی شامل ہے۔ ۲۰۰۸ء میں ایم فل فارسی کی دو طالبات سعدیہ مصطفیٰ اور کلیمہ اختری نے ڈاکٹر اقبال شاہد کی راہنمائی میں مثنوی نیرنگ عشق کی شروح کی تصحیح کی ہے۔ ایم فل فارسی کی ایک اور سکالر ثروت جبین، راقم الحروف کی راہنمائی میں ''ہنر و اندیشۂ غنیمت کنجاہی'' کے عنوان کے تحت فارسی زبان میں اپنا تحقیقی مقالہ لکھ رہی ہے۔

زیر نظر مجموعۂ مقالات چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں غنیمت کے حالات اور فکر و فن سے

متعلق آٹھ اردو مقالات اور ایک فارسی مقالہ پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے حصہ میں، غنیمت کی تصانیف نیرنگ عشق، دیوان اور گلزار محبت پر پانچ اردو اور تین فارسی مقالات شامل کیے گئے۔ تیسرے حصہ میں اہل ذوق حضرات کے لیے غنیمت کے دیوان، مثنوی نیرنگ عشق اور مثنوی گلزار محبت سے انتخاب شامل ہوا ہے۔ چوتھے حصہ میں کتابیات غنیمت اور قدیم فارسی تذکروں میں غنیمت کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے اقتباسات درج کیے گئے ہیں۔

اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ مقالات میں مقالہ نگاروں کے دیے گئے حوالوں کی توثیق اصل اور مستند مآخذ سے کی جائے۔ تمام مقالات اولین طباعت کی زمانی ترتیب سے مرتب کیے گئے ہیں۔ اکثر مقالہ نویس حضرات نے اشعار کے مستند مآخذ کا ذکر نہیں کیا۔ اس مجموعہ مقالات میں تمام دستیاب حوالوں کے مآخذ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ہر مقالے کے آخر میں مفصل حواشی دیئے گئے ہیں۔ مقالات میں موجود اشعار کا تقابل شعرا کے کلیات اور دواوین سے کیا گیا ہے۔ اکثر جگہوں پر شعروں کے متون کے اختلافات اور مآخذ کی تفصیلات بھی دی گئی ہیں۔ مقالات میں جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں مزید اضافات بھی کیے گئے ہیں جیسے کتابشناسی غنیمت کنجاہی۔

سرزمین گجرات سے تعلق کی بنا پر میری یہ خواہش تھی کہ غنیمت کنجاہی کے علمی کارناموں اور حالات زندگی سے متعلق علمی خدمت انجام دوں۔ میری یہ خواہش اس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچی جب ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب نے مجھے اس کتاب کی ترتیب و تدوین کا مشورہ دیا۔ غنیمت سے متعلق بہت سا مواد انہوں نے عنایت فرمایا اور اس کے علاوہ مجموعہ کی ترتیب و تدوین میں بھی انہوں نے بہت مدد فرمائی۔ ان کی علم دوستی اور دانش پروری لائق ستائش ہے۔

برادرم جناب ڈاکٹر محمد صابر، لیکچرر، شعبۂ فارسی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور اس مجموعۂ مقالات کی ترتیب و تدوین کے ہر مرحلہ میں شریک رہے ہیں۔ جس محنت، لگن اور شوق سے میرا ساتھ دیا ہے اس کے لئے میں ان کا بہت ممنون ہوں۔ خدا تعالیٰ ان کے علمی درجات میں اضافہ فرمائے۔

میں اپنے استادِ محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم مظہر صاحب، ڈین کلیہ علوم شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کا بھی شکرگزار ہوں کہ جنہوں نے اس مجموعۂ مقالات کی ترتیب و تدوین میں گراں قدر مشورے دیے۔

اس مجموعۂ مقالات کی اشاعت کا اہتمام کرنے پر جناب عارف علی میر کا ممنون ہوں۔ ربّ کریم انہیں صحت و سلامتی اور عزت و وقار عطا فرمائے اور مزید علمی خدمات کی سعادت نصیب فرمائے۔

۷- اگست ۲۰۰۸ء — نجم الرشید

لاہور

حصہ اول

احوال و فکر و فن

صادق علی دلاوری

غنیمت کنجاہی ☆

مولانا محمد اکرم المتخلص بہ غنیمت فارسی زبان کے ان خوش نصیب شعراء میں سے ہیں جن کے کلام کو قبول عام کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ کا دیوان غزلیات اور مثنوی نیرنگ عشق کئی بار طبع ہو چکے ہیں۔ اور اکثر مضامین اور رسائل میں آپ کے اشعار بطور اقتباس شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مثنوی نیرنگ عشق عرصہ دراز تک درسی نصاب میں شامل رہی اور اب بھی کہیں کہیں مکتبوں میں پڑھائی جاتی ہے۔

غنیمت کا وطن قصبہ کنجاہ ہے۔ جو ضلع گجرات میں شہر سے سات میل کے فاصلہ پر جانب مغرب واقع ہے۔ یہی قصبہ غنیمت کا مولد ہے اور یہیں آپ کا مزار ہے۔ افسوس ہے کہ تذکرہ نویسوں نے آپ کی زندگی کے حالات قلمبند نہیں کیے۔ مشہور تذکرہ نگار محمد افضل سرخوش نے جو غنیمت کے ہمعصر بھی تھے۔ اپنی تصنیف ''کلمات الشعرا'' میں صرف اس قدر لکھا ہے۔ ''غنیمت از خاکیان ہند غنیمت بود۔ دیوانی مختصر دارد۔ مثنوی نیز فکر کردہ''۔ بس اس کے بعد سات شعر بطور نمونہ کلام دیئے ہیں[1]۔ کلمات الشعراء کے علاوہ ''مرآت آفتاب نما''[2]۔ ''تذکرہ حسینی''[3]، ''نشتر عشق''[4]، ''مجالس النفائس''[5]، ''مخزن الغرائب''[6] وغیرہ تذکروں میں غنیمت کا ذکر ہے۔ لیکن وہی الفاظ ہیں جو شکلیں بدل بدل کر پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں واقعات کا بیان صرف اتنا ہے کہ غنیمت کا اصلی نام محمد اکرم تھا۔ آپ کنجاہ کے مفتی زادوں میں سے تھے۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں شہرت پائی۔ نواب مکرم خاں (میر الحق، گورنر لاہور) سے خاص اُنس تھا۔ اور انہی کی خدمت میں بسر اوقات کرتے تھے۔ فن شاعری میں سید محمد زمان راسخ سرہندی آپ کے استاد تھے[7]۔ عقیدہ کے لحاظ سے غنیمت صوفی تھے اور سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مختصر سا دیوان اور مثنوی نیرنگ عشق آپ کی تصنیفات ہیں۔

فارسی تذکروں کے علاوہ یورپی مستشرقین نے بھی غنیمت کا ذکر اپنی تالیفات میں کیا ہے۔ ان میں زیادہ تر مذکورہ بالا تذکروں کی نقل ہے۔ کہیں کہیں غلط بیانیاں بھی ہوئی ہیں مثلاً ایتھے ''گرندرس'' میں لکھتے ہیں[8] کہ غنیمت ۱۱۰۶ھ سے ۱۱۰۸ھ تک لاہور کا گورنر رہا۔ اس بیان کے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے کہاں سے لیا۔ یہی بیان بحوالہ ''گرندرس'' انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' میں نقل ہوا ہے[9]۔ کسی تذکرہ اور تاریخ کی کتاب سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی۔ بلکہ مآثر الامرا اور دیگر تاریخی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا سنین (۱۱۰۶ھ سے ۱۱۰۸ھ تک) میں غنیمت کے مربی نواب مکرم خاں میر الحق دوسری مرتبہ

☆ اورینٹل کالج میگزین، لاہور، مئی ۱۹۴۲ء، جلد ۱۸، عدد ۳، عدد مسلسل ۲۹، صفحات ۱۴-۳۷

لاہور کے حکمران رہے (۱۰)۔ اس لئے قیاس یہ ہے کہ ایتھے نے غنیمت کے نام اکرم کو ان کے مربی کے نام "مکرم" کے ساتھ خبط کیا ہے۔ اگر چہ اکرم اور مکرم میں کافی فرق ہے۔ تاہم ایک مستشرق کے لئے اشتباہ کی گنجائش ہے۔

فارسی شاعروں کی زندگی کے حالات مرتب کرنے کا سب سے زیادہ مستند اور قابل اعتبار ذریعہ ان کا اپنا کلام ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر ایسے شعرا کو جن کے حالات معلوم کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اسی طریقہ سے منظر عام پر لایا گیا۔ اسی خیال کے پیش نظر تذکروں سے مایوس ہو کر خود مولانا کی تصنیفات کی طرف رجوع کیا گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس میں بھی کوئی قابل قدر کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ سارے کلام کو شروع سے آخر تک مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے قائم کرنی پڑی کہ مولانا نے قصداً اس بات کی احتیاط کی ہے کہ ان کی اپنی شخصیت پس پردہ پنہاں رہے۔

اب غنیمت کے حالات معلوم کرنے کا تیسرا ذریعہ یہ تھا کہ آپ کے وطن میں جا کر مقامی روایات یعنی بڑے بوڑھوں سے سنی سنائی باتیں جمع کی جائیں۔

مذکورہ بالا ہر سہ ذرائع سے جو کچھ حاصل ہو سکا۔ ذیل میں سپرد قلم کیا جاتا ہے (۱۱)۔

خاندان (۱۲):

غنیمت کے آباو اجداد ملک شام سے ہجرت کر کے قصبہ کنجاہ ضلع گجرات میں آ کر آباد ہوئے۔ آپ کا خاندان زمانہ قدیم سے علم و فضل کا سرمایہ دار تھا۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ نظر محمد قدس سرہٗ کنجاہ کے مفتی تھے (۱۳)۔ علاوہ ظاہری دولت و ثروت کے نعمت باطن بھی آپ کے خاندان میں موروثی تھی۔ آپ کے والد بزرگوار اور عم مکرم شیخ ابوالبقا دونوں حضرت سید العارفین حاجی محمد نوشہ گنج رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے تھے اور دونوں صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔

ولادت:

افسوس ہے کہ غنیمت کا سنہ ولادت معلوم نہ ہو سکا۔ آپ کی ولادت کا واقعہ سید جعفر شاہ گیلانی کنجاہی نے اپنی تصنیف تحفہ کنجاہ (۱۴) میں اس طرح بیان کیا ہے کہ ابھی آپ شکم مادر میں ہی تھے کہ ایک دن حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کی والدہ ماجدہ کو بشارت دی کہ اس حمل کو غنیمت جانو۔ یہ فرزند مقبول درگاہ خدا ہوگا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے اسی واقعہ کی مناسبت سے اپنا تخلص غنیمت رکھا۔

آپ کو سن تمیز تک لکھنے پڑھنے کا کچھ شوق نہ تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اوائل عمر عالم جہالت میں بسر ہوئی۔ بالآخر سید صالح محمد گیلانی اچی ساکن چک سادہ کی نظر آپ پر پڑی۔ جس نے آپ کو جہالت کی پستی سے

اُٹھا کر علم کے اوج پر متمکن کر دیا۔

مذہب و مرشد:

غنیمت سنی المذہب تھے اور آپ کا شمار سلسلہ قادریہ کے صوفیائے کرام کے زمرہ میں کیا جاتا ہے۔ منقول ہے کہ آپ کو جب راہ حق کی جستجو دامنگیر ہوئی تو حضرت صالح محمد گیلانی کی بیعت ہو کر سلوک قادریہ طے کیا اور خرقہ خلافت وارشاد حاصل کیا۔ سید موصوف حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے اور حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص تھے۔ تذکرہ نوشاہی میں لکھا ہے[15] کہ حضرت نوشہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ صرف دو شخص میرے پاس خدا کی طلب دل میں لے کر آئے ان میں سے ایک حضرت صالح محمد ہیں۔ باقی سب کسی دوسری غرض سے آتے رہے ہیں۔ حضرت صالح محمد چک سادہ کے رہنے والے تھے۔ یہ گاؤں شہر گجرات سے مشرق کی جانب قریباً چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسی جگہ آپ کا مزار ہے۔ مزار کے قریب ایک مسجد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا غنیمت اس مسجد میں درس بھی دیا کرتے تھے۔ نیز کہ یہ مسجد پہلے پہل سید صالح محمد کی موجودگی میں مولانا غنیمت کے زیر اہتمام تعمیر ہوئی تھی۔ شاہ صالح محمد اپنے وقت کے بہت بڑے صاحب حال بزرگ تھے۔ اور اولیاء اللہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ آپ کی بہت سی کرامات سننے میں آئی ہیں۔ جن کو بخوف طوالت یہاں درج نہیں کیا گیا۔ آپ کا حال سلسلہ نوشاہیہ کے ذیل میں خزینۃ الاصفیاء میں درج ہے[16]۔

غنیمت کو اپنے مرشد کے ساتھ بے حد عقیدت تھی۔ چنانچہ ان کا ذکر جن الفاظ میں کیا ہے ملاحظہ ہوں:

بیا بنگر در شاهی که آنجا	تجلیهاست مشتاق تماشا
نظر گر سرمه سا گردد ز توفیق	برین در حلقه بینی چشم تحقیق
در کشور گشای فیض سرمد	امام عاشقان صالح محمد
سرو سر حلقهٔ صاحبدلان است	جنید وقت شبلی زمان است
خیال از جلوه او روح در بر	دهن از نام او لبریز کوثر
کند از یك نگاه مهر پرور	کف خاك ترا خورشید انور[17]

حضرت شاہ صالح محمد کی وفات ۱۰۷۲ھ میں بمقام چک سادہ واقع ہوئی۔ آپ کی اولاد کے پاس ایک کہنہ بیاض ہے جس میں ایک قطعہ تاریخ وفات درج ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ قطعہ حضرت غنیمت نے موزوں کیا۔

چوشد آن حق خلیل عشق ثابت	به خواب راحت اندر مهد تربت
هدایت کعبه او باد معمور	به اولاد گرامی چشم بد دور

خرد تاریخ سالش از ره صدق — بگفتا هی فتاده کعبه عشق

۱۰۷۲ھ

عشق پیرانِ طریقت:

غنیمت اپنے پیران طریقت خصوصاً حضرت غوث الاعظم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق صادق تھے۔ مثنوی نیرنگ عشق میں غنیمت نے حضرت غوث الاعظم کی منقبت لکھی ہے جس کے چند شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

غنیمت ای غلام غوث اعظم — فدای نام پاک قطب عالم
چو خود را من سگ کوی تو خواندم — به آهوی حرم نسبت رساندم!
خوش آن روزی که آرم رو به بغداد — زسر پا کرده از بندغم آزاد!
به گرد مرقدت گر دیده باشم — مراد دیده و دل دیده باشم
کنم از شوق بی تابی در آغوش — زمین آستان از سجده روپوش
کشم زان خاک در چشم ارادت! — منور سرمه تا روز قیامت [۱۸]

غنیمت کو حضرت غوث الاعظم کے مزار مقدس کی زیارت کی زبردست خواہش تھی چنانچہ لکھتے ہیں:

ای خوش آن دم که غنیمت زسر عجز و نیاز
سر قدم کرده به طوف شه بغداد رود!! [۱۹]

کتاب انوار القادریہ میں منقول ہے [۲۰] کہ آپ کو عشق غوثیہ اس حد تک تھا کہ جہاں کہیں حضرت غوث پاک کا اسم مبارک سن پاتے جھٹ سجدہ کر دیتے۔ آپ کی اس روش کو دیکھ کر کئی درویشوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ جب اس بات کی خبر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی کو ہوئی تو اس نے آپ کو اور دوسرے درویشوں کو دربار میں طلب کیا اور پوچھا کہ تم حضرت غوث الاعظم کا نام سن کر سجدہ کیوں کرتے ہو۔ سب درویش صاف انکار کر گئے کہ ہم تو نہیں کیا کرتے۔ لیکن غنیمت سے جب پوچھا گیا تو آپ غوث اعظم کا نام سنتے ہی سجدہ میں گر پڑے۔ آپ کا غلوِ عشق دیکھ کر آپ کو معذور رکھا گیا اور پھر کبھی کوئی متشرع عالم آپ کا مزاحم حال نہ ہوا۔ یہ واقعہ خدا جانے کہاں تک صحیح ہے۔ البتہ اپنی اس روش کی طرف غنیمت نے ایک شعر میں اشارہ کیا ہے۔ یہ شعر حضرت غوث الاعظم کی منقبت میں کہا گیا ہے۔

حدیثی کز لبت دارد نمودی — شنیدن کرد از دورش سجودی [۲۱]

شجرہ طریقت:

مولانا غنیمت کا شجرہ طریقت کتاب "تذکرۃ النوشاہیہ" میں اس طرح دیا ہے:[۲۲]

حضرت مولانا شیخ محمد اکرم غنیمت کنجاہی مرید حضرت شیخ سید صالح محمد گیلانی ساکن چک سادہ کے وہ مرید حضرت شاہ حاجی محمد نوشہ گنج بخش علوی عباسی ساکن ساہنپال شریف کے وہ مرید حضرت سخی شاہ سلیمان نوری بھلوالی کے۔ اس طرح یہ سلسلہ حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ملتا ہوا جناب خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا ملتا ہے۔

خوش طبعی:

تمام تذکرے اس بات پر متفق ہیں کہ غنیمت نہایت خوش خلق اور رنگین مزاج تھے۔ مثنوی نیرنگ عشق میں آپ کے مزاج کی شگفتگی نمایاں ہے۔ آپ کی حاضر جوابی کے متعلق ایک روایت ہے کہ ایک دن آپ کنجاہ کے بازار سے گزر رہے تھے کہ سامنے سے ایک شوخ و شریر لڑکا آتا ملا۔ اس نے آتے ہی بدون سلام و آداب سوال کیا۔ "رباعی کس کو کہتے ہیں"۔ آپ نے اس کی شوخی و بے باکی کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا "رباعی یہ ہے":

رباعی[۲۳]

شیطان پسری پیش من آمد در راہ　　پرسید زمن وزن رباعی ناگاہ!
چون شوخی طبعش دیدم گفتم　　لاحول ولا قوۃ الا باللہ!!

بدیہہ گوئی:

سید شریف احمد صاحب مصنف شریف التواریخ نے اپنی تصنیف تذکرۃ النوشاہیہ میں غنیمت کے بیان میں اخبار "پیغام" سے چند اقتباس نقل کئے ہیں۔ جن کو بعینہٖ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"آپ (غنیمت) جتنا بڑے بلند پایہ شاعر تھے۔ اتنا ہی بالکل سادہ طبیعت تھے۔ آپ کی سادگی طبع کو دیکھ کر کسی کو آپ پر علیت کا گمان تک نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب پنجاب میں آپ کو کوئی صاحب ذوق ایسا نہ ملا جو آپ کے کلام کی داد دیتا تو آپ مثنوی کے مسودات لے کر ایک ہاتھ میں مٹی کا حقہ اور دوسرے میں لاٹھی پکڑے گھر سے بعزم دہلی چل دیئے اور سفر طے کرتے ہوئے چالیس دن کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ جامع مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے بیٹھ کر آپ نے حقہ بھرا اور سرخوش کے مکان کا محل وقوع معلوم کیا اور تھوڑی دیر میں وہاں چلے گئے۔ سرخوش کے پاس اس وقت چند ہم مشرب شعرا بیٹھے تھے اور شعر و شاعری کی باتیں ہو رہی تھیں۔ دفعتہً خادم نے اطلاع دی کہ ایک "پنجابی دہقان" سلام کے لئے حاضر ہوا ہے۔ حاضرین میں سے بعض کی رائے تھی کہ

اس پنجابی گداگر کو ٹال دیا جائے۔ مگر سرخوش کی وسیع الاخلاقی کو یہ گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے جھٹ حضرت مولانا کو اندر بلا لیا۔ آپ گئے اور سلام کے بعد خاموش ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ سرخوش منتظر تھے کہ یہ گداگر خود اپنی حاجت بیان کرے اور اس کے بعد اس کے سوال کا مناسب جواب دے کر رخصت کر دیا جائے۔ مگر حضور خاموش بیٹھے رہے۔ مجلس میں سے ایک صاحب نے جو ذرا زیادہ چلبلے تھے۔ طعن آمیز انداز میں کہا۔ بڑے میاں کہیں آپ گونگے تو نہیں، اس پر آپ بولے اور فرمایا۔

کردہ ام از مہر لب نقد بیانہا در گرہ　　بستہ ام چون غنچۂ سوسن زبانہا در گرہ (۲۴)

آپ کی زبان سے یہ بلند مطلع سن کر سب کی توجہ آپ کی طرف مبذول ہوگئی اور جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ شعر خود مولانا غنیمت ہی کا ہے۔ اور انہوں نے اس وقت فی البدیہہ فرمایا ہے۔ تو اور بھی ملتفت ہوئے۔ سرخوش نے اُٹھ کر آپ کو سینہ سے لگا لیا اور اپنے برابر بٹھایا۔ اب پھر تذکرہ شعر شروع ہوا۔ مولانا سرخوش نے کہا کہ ہم سب اس وقت ایک خاص طرحی مصرعہ پر شعر لکھ رہے تھے۔ جس کا قافیہ ردیف ''پست افتادہ است''۔ ''مست افتادہ است'' ہے۔ آپ بھی کچھ فرمایئے۔ حضور نے دو چار منٹ تامل کرنے کے بعد فرمایا۔

وحشتم بر زور و طاقت زیر دست افتادہ است　　ھمچو موج از خود بہ کار ما شکست افتادہ است

چاہِ راہ خویش گردیدند چون گردابہا　　ھمت ارباب دنیا بسکہ پست افتادہ است

طاقت برخاستن چون گرد نمناکم نماند　　خلق می داند کہ می خوردہ ست و مست افتادہ است (۲۵)

یہ اشعار سن کر سب پھڑک گئے سب نے آنکھوں میں جگہ دی۔ مہینوں مہمانی کی۔ مٹی کا حقہ توڑ کر چاندی کا حقہ جس میں سونے کی بہنال لگی تھی۔ آپ کے لئے مہیا کیا گیا۔ ایرانی طرز کے نئے جوڑے پہننے کے لئے پیش کئے اور واپسی پر آپ کی سواری کے واسطے ایک اعلیٰ درجہ کا عراقی گھوڑا مہیا کیا گیا۔ اور اگرچہ اورنگ زیب کے عہد کی فضا شعراء کے لئے کچھ زیادہ سازگار نہ تھی۔ تاہم امرائے دہلی کی طرف سے اس قدر داد و دہش ہوئی کہ غنیمت کی باقی عمر آرام سے گذری۔

نیز منقول ہے کہ انہی ایام میں ایک دن آپ اپنے وظیفہ سے فارغ ہو کر سرخوش کی مجلس میں گئے۔ تو وہاں بعض دوسرے شعرا بھی بیٹھے ہوئے تھے اور مشق سخن ہو رہی تھی۔ جو مصرعہ طرح سامنے تھا۔ اس کا قافیہ ردیف ''قرار از من'' ''نگار از من'' تھا۔ آپ بھی خاموش بیٹھ گئے۔ جب دوسرے شعرا اپنا کلام سرخوش کو سنا چکے تو حضور نے کہا کہ میں نے اس طرح میں چند شعر کہے ہیں۔ سرخوش نے کہا پڑھیئے۔ چنانچہ آپ نے اپنی مرصع غزل پڑھی جس کے دو شعر یہ ہیں:

رقیبا من نمی گویم گل و باغ و بہار از من　　بہار از تو گل از تو ھر دو عالم از تو یار از من

غنیمت کنجاهی

مرا ای باغبان از داغ دل برگ و نوا باشد   چمن از تو گل از تو بلبل از تو لاله زار از من [۲۶]

سرخوش یہ سن کر نہایت مسرور ہوئے اور سب شعرا نے آپ کی عزت کی۔ (پیغام)

یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ سرخوش نے اپنے تذکرہ کلمات الشعرا میں اس ملاقات کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ ملاقات ۱۰۹۶ھ کے بعد ہوئی ہو گی جیسا کہ روایت میں ہے کہ مولانا مثنوی کے مسودات ہاتھ میں لے کر بعزم دہلی گھر سے چلے تھے اور مثنوی ان کے اپنے بیان کے مطابق ۱۰۹۶ھ میں لکھی گئی۔

نمایان گشت تاریخ نو آیین   ز گلزار بهار فکر رنگین [۲۷]

سرخوش نے تذکرہ کلمات الشعرا ۱۰۹۳ھ میں لکھا۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں:

"بہ کلمات الشعرا موسوم گردانید تاریخش نیز از نام برآوردہ"۔ کلمات الشعرا کے اعداد ۱۰۹۳ نکلتے ہیں۔ مگر اس تذکرہ میں بعض حالات ۱۱۰۸ھ تک کے ملتے ہیں۔ جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سرخوش نے یہ تذکرہ ۱۱۰۸ھ میں یا اس کے بعد نظرِ ثانی کر کے دوبارہ مرتب کیا۔

شوقِ سیاحت:

شوقِ سیاحت بغداد کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ بغداد کے علاوہ غنیمت کو کچھ عرصہ کابل جانے کا شوق دامنگیر رہا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

شوق فایز می کند تکلیف سیر کابلم   شد غنیمت دیدهٔ ما عرصهٔ سرخاب ازو [۲۸]

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ غنیمت کا یہ ارمان پورا نہ ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد گلشن کشمیر کی سیر کے شوق نے کابل کی خواہش کو سرد کر دیا۔

شد غنیمت سرد در خاطر هوای کابلم   بسکه دل سرگرم سیر گلشن کشمیر بود [۲۹]

بیا بلبل اگر داری گلی نذر تماشا کن   غنیمت بهر سیر گلشن کشمیر می آید [۳۰]

لیکن جلد ہی کشمیر سے دل برداشتہ ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے وطن پنجاب کی محبت دل میں لئے ہوئے واپس آ جاتے ہیں:

آب شد کشمیر در چشم غنیمت از حجاب   تا که ندانسته نام خطهٔ پنجاب برد [۳۱]

حُب الوطنی:

جذبۂ حب الوطنی غنیمت کے کلام میں خاص طور پر نمایاں ہے۔ مثنوی نیرنگ عشق میں پنجاب کی

تعریف میں جو اشعار لکھے ہیں۔ ان کو آپ کی وطن دوستی کا معیار سمجھنا چاہیے۔ فرماتے ہیں:

ندیدم کشوری غارتگر تاب　　به خوبیهای حسن آباد پنجاب
چه پنجاب انتخاب هفت کشور　　قسم خورده به خاکش آب کوثر
فضای نشئهٔ مستی هوایش　　زمینی کاسمانها خاک پایش [۳۲]

غرض اسی طرح کے سترہ بیت ہیں۔ جن میں پنجاب کے باغ و بہار و آب و ہوا کی تعریف کی ہے اور ساتھ ہی خوبرویان پنجاب کے حسن صورت و سیرت کو بھی سراہا ہے۔

بتانش چون ز روی مهر جوشند　　شکر گویند و گوهر می فروشند [۳۳]

به خوبی ها ز کنعان می بر دست　　برین دعویٰ که کردم شاهد مست [۳۴]

پنجاب کو ہر کشور و ہر دیار پر ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ ایران کے متعلق لکھا ہے:

نخواهم لاله زار گلشن ایران که سر بر زد　　گل داؤدی صبح وطن از خاک پنجابم [۳۵]

وفات:

کتاب ثواقب المناقب میں ہے [۳۶] کہ آپ (غنیمت) لاہور میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ آپ کے چھوٹے بھائی صاحب (والد شیخ محمد ماہ صداقت مصنف ثواقب المناقب) آپ کو اُٹھوا کر اپنے وطن میں لائے۔ راستہ میں ایک جگہ آپ پر غشی کی حالت طاری ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد افاقہ ہوا تو فرمایا کہ "ہم اپنے پیر روشن ضمیر حضرت سید صالح محمد گیلانی کے پاس گئے تھے۔ اور ایک قصیدہ ان کی تعریف میں بنا کر پیش کیا۔ جس کو انہوں نے نہایت مسرت کے ساتھ قبول فرمایا اور مجھے ایک خلعت فاخرہ عنایت فرمائی"۔ آپ کے بھائی صاحب بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اس قصیدہ کے چند شعر بھی پڑھے جو مدہوشی میں استغراق کے عالم میں آپ نے بنایا تھا اور قصیدہ کا مضمون نہایت اعلیٰ اور مسلسل تھا۔ آخر آپ کنجاہ پہنچ کر رہگرائے عالم باقی ہوئے۔

سال وفات ریو نے ۱۱۰۷ھ لکھا ہے [۳۷]۔ سرخوش جن الفاظ میں غنیمت کا ذکر کرتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت تحریر غنیمت اس جہاں میں موجود نہ تھے۔ سرخوش کے الفاظ یہ ہیں:

"غنیمت از خاکیان ہند غنیمت بود" [۳۸] پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سرخوش نے تذکرہ کلمات الشعراء اولاً ۱۰۹۳ھ میں لکھا اور ۱۱۰۸ھ میں یا اس کے بعد اس پر نظر ثانی کر کے دوبارہ مرتب کیا۔ ان امور سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غنیمت کی وفات ۱۱۰۸ھ سے پہلے واقع ہوئی۔

مولانا غنیمت نے مثنوی نیرنگ عشق کی سنہ تصنیف خود ۱۰۹۶ھ بیان کی ہے:

چوشد ختم این کلام سینہ پرورد خرد تکلیف تاریخش همی کرد
نمایان گشت تاریخ نو آیین زگلزار بهار فکر رنگین (۳۹)

۱۰۹۶ھ

ان حالات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ غنیمت کی وفات ۱۰۹۶ھ اور ۱۱۰۸ھ کے درمیان واقع ہوئی۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ریو نے ۱۱۰۷ھ کس روایت کی بنا پر لکھی ہے۔ غنیمت کے مزار پر جو کتبہ نصب ہے اس پر سنہ وفات ۱۱۱۰ھ لکھا ہے۔ یہ کتبہ بالکل جدید ہے۔ اس لئے اس کا بیان چنداں اعتبار کے قابل نہیں۔ البتہ ریو کی تاریخ قرین صحت معلوم ہوتی ہے۔

مزار:

مزار مبارک کنجاہ کے جنوب میں باغ دیواناں کے متصل واقع ہے۔ چند سال ہوئے کہ بخشی منظور علی صاحب نے آپ کے مزار کی مرمت کرائی۔ دروازہ پر سنگ مرمر کا ایک کتبہ نصب ہے۔ جس پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ ہے:

''تجدید عمارت مرقد منور حضرت شیخ محمد اکرم غنیمت کنجاہی متوفی ۱۱۱۰ھ باہتمام بخشی منظور علی صاحب تھانیدار ابن بخشی غضنفر علی صاحب متوطن رہتاس در ۱۳۴۲ھ واقعہ شد''۔

مزار کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک عجیب قصہ عام لوگوں میں مشہور ہے۔ یہ قبر پہلے ٹوٹی پھوٹی اور ویران تھی۔ بخشی منظور علی صاحب وہاں تھانیداری پر مامور تھے۔ ایک روز خواب میں بخشی صاحب کو غنیمت کی زیارت ہوئی اور غنیمت نے بخشی صاحب کی توجہ اپنی قبر کی زبوں حالی کی طرف مبذول کرائی۔ اس کے بعد بخشی صاحب نے قبر کی مرمت کرائی اور اس پر موجودہ عمارت تعمیر کرائی۔

بخشی صاحب موصوف آج کل گجرات میں بطور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس متعین ہیں۔ آپ کا بیان ہے کہ یہ قصہ سراسر عوام کے دماغ کی تخلیق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب آپ وہاں تھانیدار تھے۔ شہر کے لوگوں نے غنیمت کی قبر کی ابتر حالت بیان کی اور بخشی صاحب سے التجا کی کہ اس کی مرمت کی کوئی سبیل نکالی جائے۔ چنانچہ بخشی صاحب نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور شہر کے چند فیاض طبع اصحاب کی امداد و اعانت سے پندرہ سو روپیہ جمع کر کے اپنی نگرانی میں اس مزار کو بنوایا۔ اگر چہ یہ عمارت پختہ ہے لیکن اب بھی غنیمت جیسے بزرگ کی آرامگاہ کے شایاں نہیں۔

عرس:

آج کل غنیمت کے مزار پر تین مجاور رہتے ہیں۔ ان میں سے مسمی غلام محمد کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ لوگ عرصہ چالیس سال سے اس مزار پر جاروب کشی کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ ان بزرگوں

کو غنیمت کے حالات سے ذرہ بھر واقفیت بھی نہیں۔ وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ ان کا نام محمد اکرم ہے اور بڑی کرامت والے بزرگ ہیں اور ان کی ایک کتاب بھی ہے جس کا نام "نورنگ عشق"[۴۰] ہے۔ انہی حضرت سے معلوم ہوا کہ غنیمت کے مزار پر ہر سال ماہ جیٹھ کی آخری جمعرات کو عرس ہوتا ہے۔ لوگ دور دور سے آتے ہیں اور زائرین میں تبرک بھی تقسیم ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ عرس قدیم الایام سے نہیں ہے بلکہ انہیں مجاورین کا جاری کردہ ہے۔

کرامات:

مجاورین کے علاوہ کنجاہ اور گجرات کے اکثر لوگوں سے معلوم ہوا کہ غنیمت صاحب کرامات و خوارق بزرگ تھے۔ آج تک آپ کے مزار سے بھی لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں۔ خصوصاً مجنون اور دیوانے آپ کے مزار سے صحت یاب ہوتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اگر کسی کو شاعر بننے کا شوق ہو تو آپ کے مزار پر چلہ کشی کرنے سے شاعر بن جاتا ہے۔ روضہ مبارک کے شمال میں بیر کا درخت ہے کہتے ہیں کہ اس کے پتے کھانے سے کند فہم شخص بھی ذکی الطبع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ طلبہ اس کے پتے دور دور تک لے جاتے ہیں اور اس کی برکت سے فائدہ حاصل کرتے ہیں[۴۱]۔

اخلاف:

غنیمت کی اولاد کے متعلق کوئی واقفیت بہم نہیں پہنچتی۔ آپ کے خاندان سے آپ کے بعد جس شخص نے شہرت و نام پیدا کیا وہ آپ کے برادر زادہ شیخ محمد ماہ المتخلص بہ صداقت ہیں۔ جنہوں نے غنیمت سے ہی تعلیم حاصل کی۔ صداقت شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی سرکار میں بعہدہ تحویل خزانہ مامور تھے۔ آپ اپنے وقت میں فارسی زبان کے بلند پایہ ادیب و شاعر تھے۔ منشی کچھی نارائن کنجاہی جن کے رقعات مشہور ہیں اور کئی مرتبہ طبع ہو چکے ہیں۔ اسی صداقت کے شاگرد تھے۔ صداقت کے حالات پر ایک علیحدہ مضمون سپرد قلم کیا جائے گا۔

کلام:

غنیمت اگرچہ بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی شہرت کا باعث ان کی شاعری ہے۔ اور یہ صرف ان کا کلام ہی ہے جس کی وجہ سے ان کا نام زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ غنیمت کا کلام جو ہم تک پہنچا ہے۔ ایک مختصر دیوان اور مثنوی نیرنگ عشق پر مشتمل ہے۔ تقریباً ہر لائبریری میں ان کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ مجموعہ شیرانی میں مثنوی کا ایک نسخہ ۱۱۱۳ھ کا نوشتہ ہے[۴۲]۔ غالباً یہ قدیم ترین نسخہ ہے۔ مثنوی میں کل پندرہ سو شعر ہیں اور دیوان میں ۲۶۳ غزلیں اور چند متفرق اشعار ہیں۔ یہ بات تو تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ غنیمت جیسے قادر الکلام شاعر نے محض یہ چند غزلیں اور ایک مثنوی ہی لکھی ہو اور ان کے علاوہ کسی اور

صنف میں طبع آزمائی نہ کی ہو۔ لیکن اب جو کچھ بچا کھچا ہم کو ملا ہے۔ اسے ہی غنیمت سمجھنا چاہیے۔ دیوان اور مثنوی بیسیوں مرتبہ طبع ہو چکے ہیں۔ اس لئے اس جگہ نمونہ کلام دینے کی ضرورت نہیں۔

غزلیات:

غزلیات میں زیادہ تر ناصر علی سرہندی کا رنگ ہے۔ ناصر علی کے علاوہ صائب، قاسم دیوانہ، کلیم، نظیری، فغانی، جلال اسیر وغیرہ کی طرز پر بھی غزلیں لکھی ہیں اور نہایت فراخ دلی کے ساتھ اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ ذیل میں چند ایسے اشعار درج کئے جاتے ہیں۔ جن میں مذکورہ بالا شعراء کی تقلید کا اظہار کیا ہے۔

نیست هم طرح علی بودن غنیمت قدرتم　　　مصرعی رنگین نشد تا خون نشد اندیشه ها [۴۳]

پرسش حال علی کردم غنیمت دوش گفت　　　کشته وضع خودم از طبع آزادم مپرس [۴۴]

غنیمت دل بر احوال علی سوزد که می گوید　　　"درون بیضه چون پروانه فانوس بی تابم" [۴۵]

تا رسانم نشئهٔ طرز نظیری در غزل　　　باعلی امشب غنیمت می به یك ساغر زدم [۴۶]

گردلی داری غنیمت پند صائب گوش کن　　　"حفظ دولت در پریشان کردن سیم و زر است" [۴۷]

آنجا که حرف صائب شیرین سخن رود　　　شرط ادب نبود غنیمت جواب تلخ [۴۸]

غنیمت از زبان گوشهٔ ابروی هر مصرع　　　برای میرزا صائب جواب ساکنی دارم [۴۹]

در خیالم بود حال قاسم دیوانه ای　　　شب که در دست غنیمت دفتر اشعار بود [۵۰]

غنیمت با تجلی دوش فکر شعر می کردم　　　پریشان گشت مضمون قاسم دیوانه پیدا شد [۵۱]

نالہ زنجیر از هر مصرعه من شد بلند تا غنیمت هم زمین قاسم دیوانه ام (۵۲)

شب غنیمت مصرعی ناخن به دل زد از کلیم "گر قدم در ره نمی فرسود منزل دور بود" (۵۳)

غنیمت چشم بیمارش طبیب من نشد روزی فغانی وار ورنه درد خود را چاره می کردم (۵۴)

از جان اسیر طرز جلالم که گفته است "مائیم و یاد دوست" غنیمت کجا بریم (۵۵)

لیکن یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ غنیمت اُن استادان سخن کی طرز کی تقلید میں مقید رہا۔ دیوان میں ایسی غزلیں ہیں۔ جن میں غنیمت نے کسی استاد کی طرز کو لے کر اس میں اپنا رنگ چڑھایا اور اس کو بالکل اپنی طرز بنا لیا۔ خود غنیمت کو اپنی اس روش پر فخر تھا۔

دل نمی دانم غنیمت آشنای طرز کیست هر نفس صد معنی بیگانه در خاطر گذشت (۵۶)

غنیمت کو اپنی سخن سرائی و نوافہمی پر بجا طور پر ناز تھا۔ وہ اپنے آپ کو فرید روزگار سمجھتے تھے۔ اور اپنے اشعار کی قدر و قیمت لوگوں کے ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے موتی پرونا کوئی آسان کام نہیں۔

غنیمت نیست آسان فکر معنی غنچه می داند
چه خونها خورده باشد تا که رنگین گشت مضمونی (۵۷)

دیگر

نیست هم طرح علی بودن غنیمت در قدرتم
مصرعی رنگین نشد تا خون نشد اندیشه ها (۵۸)

لیکن ساتھ ہی اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ یہ سب ایک جادو سخن استاد کے فیض صحبت کا اثر ہے۔

غنیمت کو نوافهمی که باسن هم زبان گردد که عمری کرده ام شاگردی جادو فنی چشمی (۵۹)

تمام بڑے بڑے شاعروں کی طرح غنیمت کو بھی ارباب زمانہ کی ناقدر شناسی کا گلہ رہا ہے۔

نمی خرند غنیمت ز روی بی قدری به نرخ خاک فروشیم گر هنر اینجا (۶۰)

نظر به شعر غنیمت نمی کنی چه کنم ز جان عزیز تری قدر جان چه می دانی (۶۱)

لیکن ایسے سخن شناس و اہل معنی لوگ بھی موجود تھے۔ جو غنیمت کی قدر کرتے تھے۔

چون غنیمت تاشدم فکر رسا را آشنا   دل نشین اهل معنی همچو اشعار خودم (۶۲)

مثنوی نیرنگ عشق:

یہ مثنوی خود غنیمت کے اپنے بیان کے مطابق ۱۰۹۶ھ میں لکھی گئی۔ اس کا دوسرا نام ''شاہد و عزیز'' ہے۔ یعنی شاہد وعزیز کے عشق کی داستان ہے۔ شاہد معشوق ہے اور عزیز عاشق۔ اسی رعایت سے مثنوی کا آغاز اس خوش اسلوبی سے کیا ہے کہ پہلے ہی شعر میں عاشق ومعشوق دونوں کا نام آ گیا ہے۔

بہ نام شاهد نازک خیالان   عزیز خاطر آشفته حالان (۶۳)

یہ بیت اگرچہ حمد باری تعالیٰ میں ہے مگر شاہد وعزیز کے الفاظ جو کیفیت پیدا کر رہے ہیں۔ وہ غنیمت کا ہی حصہ ہے۔ بڑے بڑے شاعروں کی مثنویاں اُٹھا کر دیکھئے۔ آپ کو اس مطلع کا جواب کہیں نہ ملے گا۔ علم بدیع کی اصطلاح میں اس صنعت کو براعت الاستہلال کہتے ہیں۔

اسی طرح حمد ونعت وغیرہ کے بعد اصل قصہ کا آغاز اس خوبی سے کیا ہے۔ کہ گویا قصداً قصہ لکھنے نہیں بیٹھے۔ بلکہ یونہی باتوں باتوں میں ایک دعویٰ کر بیٹھے ہیں اور اب اس کی دلیل میں یہ قصہ پیش کر رہے ہیں۔ یہ دعویٰ پنجاب کی تعریف کے ضمن میں ہے۔ فرماتے ہیں:

به خوبی ها ز کنعان می برد دست
برین دعوئ که کردم شاهدی ست (۶۴)

شاہد سے مراد یہاں گواہ یا دلیل ہے۔ لیکن چونکہ قصہ شاہد نامی معشوق کا ہے۔ اس لئے یہ لفظ ایک خاص لطف پیدا کر رہا ہے۔ یہاں سے قصہ کا آغاز ہوتا ہے۔

قصہ کی اصلیت:

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قصہ کی واقعیت پر بحث کی جائے۔ گجرات میں مختلف روایات سننے میں آتی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غنیمت نے خود اپنا قصہ نظم کیا ہے۔ شہر گجرات کے نواح میں ماجرا نام ایک گاؤں ہے۔ (یہ گاؤں اب بھی ہے اور یہی نام ہے) شاہد اسی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ غنیمت اس کے عشق میں مبتلا ہوئے اور یہ واقعہ رونما ہوا۔ ثبوت کے طور پر وہ غنیمت کا یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

اسیرم کرد کافر ماجرای   رهائی یا نبی الله رهای (۶۵)

یہ شعر نعت رسول ﷺ میں ہے اور شارحین نے ''کافر ماجرائی'' کے معنی یہ بتائے ہیں۔ ''کسی کہ ماجرائش ہچو کافر باشد'' گجرات کے لوگ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ ماجرا گاؤں کے رہنے والے ایک کافر

نے (بعض کا خیال ہے کہ وہ کافر شاہد ہی تھا[٦٦]) غنیمت کو دام محبت میں اسیر کرلیا۔ یہ شعر غنیمت کے مزار کی دیوار پر بھی جلی حروف میں لکھا ہے۔ میرے خیال میں گجرات والوں کو ماجرا گاؤں کے نام نے شبہ میں ڈالا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ غنیمت نے یہ لفظ ٹھیک انہیں معنوں میں استعمال کیا ہے۔ جو شارحین نے بیان کئے ہیں۔ کیونکہ یہی لفظ غنیمت نے ایک دوسری جگہ بھی استعمال کیا ہے۔

چه جور است این چه کافر ماجرائی است

چه ظلم است این چه جادو افزائی است[٦٧]

یہ شعر مثنوی کے نولکشوری ایڈیشن میں ص ٢٧ پر ہے اور یہاں ماجرا کے رہنے والے کافر کے بیان کا کوئی موقع نہیں۔ مصنف نشترِ عشق کا بیان ہے۔ ''میرزا عبدالعزیز خلف والی سیالکوت بہ محبت امرد پسری رقاص دل از دست دادہ و بہ مرتبہ فریفتہ جمال او گردید کہ انگشت نمای خاص و عام شد۔ غنیمت کہ بہ خدمت وی حاضر بود۔ مثنوی نیرنگ عشق بہ احوال آن عاشق موزون ساخت''[٦٨]۔

تذکرہ حسینی میں مذکور ہے۔ ''مثنوی متضمن بہ عشق عزیز پسر نواب مذکور (نواب مکرم خان) وحسن پسری رقاص شاہد نام بسیار بمزہ گفتہ''[٦٩]۔

حاشیہ نگاروں نے مثنوی کے حاشیہ میں لکھا ہے:

''عزیز پسر نواب مکرم خان که عاشق شاهد بود و با مولانا غنیمت اتحادی و اعتقادی داشت بعد از رفتن شاهد و توجه عزیز از مجاز به حقیقت از مولانا موصوف فرمود که اگر این قصه را که به چشم خود دیده است به قید قلم آرند هر آئینه یادگار ما وایشان هر دو باشد''۔

مذکورہ بالا بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ خود مولانا کے چشم دید حالات پر مبنی ہے اور اس کا ہیرو عزیز اُن کے محسن نواب مکرم خان ناظم لاہور کا فرزند تھا۔ (صرف نشترِ عشق میں عزیز کو والی سیالکوٹ کا لڑکا لکھا ہے۔ باقی سب تذکرے اس امر پر متفق ہیں کہ عزیز نواب مکرم خان ناظم لاہور کا بیٹا تھا۔ اس لئے نشترِ عشق کا بیان غلط معلوم ہوتا ہے)۔ جہاں تک مولانا کے چشم دید ہونے کا تعلق ہے۔ مثنوی میں اس کا کافی ثبوت موجود ہے۔ بلکہ مولانا نے اس قصہ میں کچھ حصہ بھی لیا ہے۔ جس کا بیان مکتب کی داستان میں موجود ہے۔ عزیز کے سلسلہ میں مثنوی کے مطالعہ سے کوئی خاص واقفیت بہم نہیں پہنچتی۔ صرف اس قدر آشکار ہوتا ہے کہ وہ حاکم وقت کا بیٹا اور ولی عہد ہے:

سرو سر خیل مجلس نوجوانی | به علم عشق بازی نکته دانی
به رنگ فکر خود صاحب تمیزی | چو نام خویش در دلها عزیزی
مهین فرزند والا شان امیری | سکندر شوکت افلاطون وزیری
دران فرمانروایی های موجود | ولی عهدش اگر بود آن پسر بود (۷۰)

کتاب کے خاتمہ پر مولانا نے اس بات کا اظہار بھی کیا ہے کہ یہ مثنوی عزیز کی فرمائش پر لکھی گئی ہے:

حدیث عشق بود از گفتنم دور | ولی بودم به حکم امر معذور
سخن گفتم به امید تمیزی | گهر سفتم به تکلیف عزیزی (۷۱)

ان اشعار سے تذکرہ حسینی کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ اس قصہ کا ہیرو عزیز نواب مکرم خاں کا بیٹا تھا۔ مگر مأثر الامرا میں نواب موصوف کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آپ لاولد تھے۔ ایک متبنا آپ نے بنایا تھا۔ جس کا نام عبیداللہ تھا۔ ''لاولد بود۔ عبیداللہ نامی متبنای او مشہور است''(۷۲)۔ مأثر الامرا کے اس بیان سے تذکرہ حسینی اور حاشیہ نگاروں کے بیان کی تردید ہو جاتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ والا شان امیر کون تھا۔ جس کا عزیز فرزند اور ولی عہد تھا۔ خود مولانا نے مثنوی میں اس امیر کا نام نہیں لیا اور نہ ہی اس جگہ کا نام لکھا ہے۔ جس کا وہ فرمانروا تھا۔ ہاں البتہ یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ پنجاب میں رو پذیر ہوا:

درین کشور که پنجابش بود نام | فقیری بود بس نیکو سر انجام (۷۳)

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مولانا غنیمت نواب مکرم خاں کی بارگاہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نواب مکرم خاں اس وقت جب کہ یہ واقع رونما ہوا یا کم از کم اس وقت جب کہ یہ مثنوی لکھی گئی۔ کہاں تھے اور کس عہدہ پر تھے۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مثنوی ۱۰۹۶ھ میں لکھی گئی۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ مثنوی واقعہ کے پیش آنے سے کتنا عرصہ بعد لکھی گئی۔ مگر اس کے مطالعہ سے گمان غالب یہ ہوتا ہے کہ واقعہ سے بہت دیر بعد قلمبند نہیں ہوئی۔ اس لئے یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ ۱۰۹۶ھ کے قریب رونما ہوا۔ مأثر الامرا میں ہے (۷۴) کہ نواب مکرم خاں ''به تازگی در سال بیست وششم به ادراک ملازمت ناصیه سعادت، بر افروخت و به حکومت لاهور تعین گشت۔ و در سال سی ام عزل یافت'' معلوم ہوا کہ نواب مکرم خاں سب سے پہلے سال بیست وششم سے سال سی ام جلوس اورنگ زیب عالمگیر تک لاہور کے حکمران رہے۔ یعنی ۹۴-۱۰۹۳ھ سے ۹۸-۱۹۹۷ء تک ان حالات و واقعات کے پیش نظر یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ واقع نواب موصوف کے عہد میں اور ان کی مملکت

میں رونما ہوا۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ واقعہ نواب مکرم خاں کے عہد میں اور انہی کی مملکت میں رونپذیر ہوا تو پھر غنیمت کے اپنے بیان کے مطابق ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ عزیز نواب موصوف کے فرزند و ولی عہد تھے۔

مہین فرزند والا شان امیری سکندر شوکت افلاطون وزیری
دران فرمانرائی ہای موجود ولی عہدش اگر بود آن پسر بود [۷۵]

پس قیاس یہ ہے کہ عزیز عالم جوانی میں اپنے والد بزرگوار کو داغ مفارقت دے گئے اور نواب مذکور لاولد مرے۔ مآثر الامرا میں مذکور ہے کہ نواب مکرم خان ایک سوبیس سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

مثنوی نیرنگ عشق:

مثنوی کی خصوصیات بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مثنوی کے متعلق سید علی احمد ہاشمی سندیلوی مصنف ''مخزن الغرائب'' کی رائے یہاں نقل کی جائے۔ آپ فرماتے ہیں:

''محمد اکرم غنیمت کنجاہی طبع روانی داشتہ اشعارش نازک و ہموار است۔ مثنوی قصہ عزیز و شاہد کہ افتتاح آن این است۔

بہ نام شاہد نازک خیالان ٭ عزیز خاطر آشفتہ حالان [۷۶]

در ہند نہایت شہرت دارد۔ لیکن آن مثنوی از فصاحت و بلاغت افتادہ۔ فاما از مزہ خالی نیست'' [۷۷]۔

معلوم نہیں کہ مصنف مخزن الغرائب کے نزدیک فصاحت و بلاغت کا معیار کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غنیمت کی یہ مثنوی فصاحت کی روح اور بلاغت کی جان ہے اور اس کو فصاحت و بلاغت کے معیار سے پست قرار دینا محض زبردستی ہے۔

مثنوی نیرنگ عشق کل قریباً پندرہ سوابیات پر مشتمل ہے۔ خود غنیمت نے یہی تعداد بیان کی ہے:

چو ابیاتش پس از گفتن شمردم بہ اعداد غنیمت راہ بردم [۷۸]

ابجدی حساب سے غنیمت کے عدد پندرہ سو ہوتے ہیں۔ مطبوعہ متن میں ۱۴۹۵ شعر ہیں۔

خصوصیات:

زور کلام، سلاست اور روانی کے لحاظ سے غنیمت کی مثنوی ہندوستان کی فارسی شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔ زبان اس قدر رشتہ و پاک ہے اور اسلوب بیان میں اس قدر گھلاوٹ ہے کہ بار بار پڑھنے سے بھی آدمی بے مزہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہندوستان میں بہت سی مثنویاں فارسی زبان میں لکھی گئیں۔ مگر کسی کو اتنی مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ جتنی کہ غنیمت کی نیرنگ عشق کو ہوئی۔

غنیمت اور جامی:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا غنیمت نے یہ مثنوی لکھتے وقت مولانا جامی کی مثنوی یوسف زلیخا کو بطور نمونہ پیش نظر رکھا ہے۔ دونوں کا وزن ایک ہے۔ ترتیب میں بھی یکسانیت ہے۔ اس کے علاوہ دونوں کے الفاظ میں جو نزاکت و لطافت ہے۔ تشبیہات و استعارات میں جو دلآویزی و دلفریبی ہے۔ طرز بیان میں جو شیرینی و روانی ہے۔ اس کا لطف دونوں مثنویاں سامنے رکھ کر پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک مقام پر غنیمت نے جامی کا ایک شعر نقل کیا ہے اور باقاعدہ اس کا حوالہ دے دیا ہے۔

حقیقت نشه مستِ فیض جامی — چنین دادست داد خوش کلامی
"کـه بی جام می صورت کشیدن — نیاری جرعۀ معنی چشیدن"[79]

اگرچہ یوسف زلیخا اور نیرنگ عشق کے مضمون کا اختلاف مقابلہ کا متحمل نہیں ہوسکتا تاہم بعض مقامات ایسے ہیں۔ جن میں مقابلہ کیا جا سکتا ہے مثلاً غنیمت نے شاہد کی معشوقہ وفا کا اور جامی نے زلیخا کا حلیہ لکھا ہے۔ جن میں ان کے الگ الگ اعضا کا بیان اور ان کی تشبیہات قابل دید ہیں۔ اسی طرح غنیمت نے شاہد اور جامی نے یوسف کی زندان کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

غنیمت:

چه زندا نی به تنگی چون دل مور — ز گردش ساکنِ او زنده در گور
چو بختِ دشمنان تاریك وتیره — تعفن تا به سقفِ او ذخیره
سیه چون باطن ظالم درونش — تبه چون حال مظلومان برونش
مگو روزن دهان بکشاده ساری — درش در کهنه گور افتاده غاری
دران محنت سرا جای نفس گیر — چو شاهد نازنینی پا به زنجیر[80]

جامی:

چو گور ظلم جویان تیره و تنگ — گریزان زندگان از وی به فرسنگ
درو ضیق النفس هر زندۀ را — نشیمن هر به سرگ ار زندۀ را
درون کشاده دست از صنع اوستاد — نه راه روشن ونی منفذ باد!
درش بسته به قفل نا امیدی — ندیده غره صبحش سفیدی
هوایش مایه بخش هر وبائی — زمینش کشت زار هر بلائی
سیاه و تنگ چون قارورۀ قیر — متاع ساکنانش غُل و زنجیر[81]

ایسی کئی دلچسپ مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ خود غنیمت فرماتے ہیں:

هنوزم شوق گفتن بیشتر بود — دلِ معنی طلب کانِ گهر بود
ولی ترسیدم از تصدیع یاران — نه ازمی از سخن پرهیزگاران
سیم بس تند و عهد پارسائیست — فزودن در تکلف نارسائیست
غنیمت ای سخن مدهوش بس کن — ملال افزا مشو ضبط نفس کن
مخاطب اند کی نازك مزاج است — سخن کم گو که کم گفتن رواج است (۸۲)

لیکن اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے میں آپ کی خدمت میں مثنوی نیرنگ عشق کے متعلق مصنف کی اپنی رائے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے:

چون من این گوهر سیراب سفتم — شنیدن را مبارك باد گفتم
نه شعر این انتخاب عشق بازی است — تراوشهای زخم جانگدازی است
نه شعر این شورش امواج خونست — حدیثی از لب زخم درونست
نه شعر این نالهٔ خونی نوائیست — شکستِ شیشهٔ دل را صدائیست
حدیث عشق بود از گفتنم دور! — ولی بودم زحکم امر معذور
نیاز و ناز حرف گفتنی نیست — گهر از بس نزاکت سفتنی نیست
سخن گفتم به امید تمیزی — گهر سفتم به تکلیف عزیزی
به ترتیبِ معانی دل نهادم — رگِ ابر گهر باری کشادم
به شوق معنی از دل خاست جوشم — شراب گوهر دل برده هوشم
زخوبی های شاهد بسکه گفتم — غبار از خاطر اندیشه رُفتم
زحرف شوخی آن چشم جادو — زبان خامه شد مژگان آهو!
قلم ننوشت جز بی تابی دل — دواتم بود حلقِ مرغ بسمل
نمودم چون حدیث عاشقی سر — پر پروانه شد اوراق دفتر
به حرفِ دلگدازی لب گشودم — دهن را دیدهٔ گریان نمودم!
زچشم بلبلان کردم دواتی — نوشتم همچو گل رنگین براتی
چومن برساز سیر آهنگی عشق! — به نظم آوردم این نیرنگی عشق
سزد کین نامهٔ نیکو سر انجام — بود نیرنگ عشقش در جهان نام (۸۳)

حواشی

(۱) سرخوش، محمد افضل، تذکرہ کلمات الشعراء، بہ تصحیح صادق علی دلاوری، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۴۲ء، ص ۸۲ (مرتبین)۔

(۲) شاہنواز خان، مرآۃ آفتاب نما،نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی مرکزی لائبریری،نمبر شیرانی ۵۶۴۱/۲۳۱۸، ص ۲۵۷پ (مرتبین)۔

(۳) سنبھلی، حسین دوست، تذکرہ حسینی، انتشارات منشی نول کشور، صص ۲۳۰-۲۳۲ (مرتبین)۔

(۴) عظیم آبادی، تذکرہ نشتر عشق، دوشنبہ، ۱۹۸۳ء، جلد سوم، ص ۱۱۱۴ (مرتبین)۔

(۵) آرزو، سراج الدین علی خان، تذکرہ مجمع النفائس، بہ تصحیح مہر نور محمد خان، اسلام آباد، سال ۲۰۰۶ء، جلد دوم، ص ۱۱۷۲ (مرتبین)۔

(۶) ھاشمی سندیلوی، احمد علی خان، تذکرہ مخزن الغرائب، تصحیح محمد باقر، جلد چہارم، مرکز تحقیقات فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، صص ۲۲۷-۲۲۹ (مرتبین)۔

(۷) نشتر عشق، ص ۱۱۱۴؛ تذکرہ مجمع النفائس، ص ۱۱۷۲۔

(۸) Ethe, Hermann; Catalogue of Persian Manucripts in the India Office Library, Vol.I, 1980, pp.899-900

(۹) سعید نفیسی، ''غنیمت''، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، لیڈن، ۱۹۹۱ء، ص ۱۰۰۶۔

(۱۰) شاہ نواز خان، نواب صمصام الدولہ، مآثر الامرا، بہ تصحیح جناب مولوی مرزا اشرف علی، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ، ۱۸۹۴ء، ص ۶۹۷۔

(۱۱) غنیمت کی زندگی کے حالات مرتب کرنے میں مَیں نے کتاب شریف التواریخ جلد سوم الموسوم بہ تذکرہ نوشاہیہ سے بہت مدد لی ہے۔ یہ کتاب سید شریف احمد صاحب نوشاہی از اولاد حضرت نوشہ گنج بخش قادری رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور اس کا مسودہ مصنف کے پاس ساہنپال شریف میں موجود ہے۔ مصنف نے بہ کمالِ فراخ دلی راقم الحروف کو اپنی کتاب کے مسودات نیز اپنے کتابخانہ کے دیگر مخطوطات دیکھنے اور ضروری عبارات نقل کرنے کی اجازت دی۔ کتاب شریف التواریخ تین جلدوں پر مشتمل ہے اور علم تصوف اور اولیاء اللہ کے تذکرے کے موضوع پر اتنی ضخیم اور مبسوط کتاب آج تک میری نظر سے نہیں گزری۔ افسوس ہے ایسی ضروری اور مفید کتاب بہ وجہ قلت زر طبع نہ ہو سکی۔

(۱۲) غنیمت کے خاندان کے متعلق مذکورہ بالا حالات کتاب ثواقب المناقب مصنفہ شیخ محمد ماہ صداقت کنجاہی برادر زادۂ غنیمت سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا نسخہ سید شریف احمد صاحب مصنف ''شریف التواریخ'' کے پاس ساہنپال شریف میں دیکھا۔ مجموعۂ مخطوطات شیرانی صاحب کی فہرست میں بھی کتاب ثواقب المناقب کا نام درج ہے۔ مگر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ کتاب ثواقب المناقب نہیں ہے بلکہ تذکرہ نوشاہیہ مصنفہ حافظ محمد حیات نوشاہی صاحب ہے۔ کاتب نے غلطی سے اس پر ثواقب المناقب مصنفہ محمد ماہ لکھ دیا ہے۔ دراصل تذکرہ نوشاہی ثواقب المناقب اور رسالۂ احمد بیگ لاہوری ایک ہی موضوع کی کتابیں ہیں اور ان میں رسالۂ احمد بیگ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ان کتابوں پر اپنے دوسرے مضمون متعلقہ محمد ماہ صداقت میں پوری تفصیل کے ساتھ بحث کروں گا۔

(۱۳) نشترِ عشق

(۱۴) تحفۂ کنجاہ کا ایک نسخہ کنجاہ میں مولوی عبداللہ صاحب کے کتابخانہ میں موجود ہے۔ افسوس ہے کہ اس کو میں نہ دیکھ سکا۔ تحفۂ کنجاہ کے مصنف سید جعفر شاہ، غنیمت کے قریب العصر تھے۔ یہ واقعہ مولوی عبداللہ صاحب نے سید شریف احمد صاحب کو سنایا اور میں نے ان کی کتاب شریف التواریخ سے نقل کیا۔

(۱۵) حافظ محمد حیات، تذکرہ نوشاہی، بہ تصحیح و تدوین و تحشیہ احسان احمد، شعبہ فارسی، اورینٹل کالج، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۲۰۰۴ء، تحقیقی مقالہ پی ایچ-ڈی، پنجاب یونیورسٹی مرکزی لائبریری، شمارہ TPC IV 13، ص ۲۶۰ (مرتبین)۔

(۱۶) غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیا، مطبوعہ منشی نول کشور، ص ۱۷۶ (مرتبین)۔

(۱۷) غنیمت کنجاہی، مثنوی نیرنگ عشق، بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۵ (مرتبین)۔

(۱۸) ایضاً، ص ۴: اصل مقالہ میں دوسرے شعر کا پہلا مصراع یوں درج ہے:

چو من خود را سگ کوی تو خواندم (مرتبین)

(۱۹) غنیمت کنجاہی، دیوان غنیمت، بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۱۳۶ (مرتبین)۔

(۲۰) انوار القادر یہ الملقب بہ ریاض النوشاہیہ، مولفہ حکیم غلام قادر شاہ اثر جالندھری۔

(۲۱) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۴ (مرتبین)۔

(۲۲) شریف التواریخ جلد سوم موسوم بہ تذکرہ النوشاہیہ، حصہ دوم، ص ۲۶۸۔

(۲۳) یہ رباعی غنیمت کے دیوان میں درج نہیں۔ اس کا مصرعہ ثالث وزن سے ساقط ہے ممکن ہے اصل میں کوئی اور الفاظ ہوں۔ میں نے ''شریف التواریخ'' میں رباعی کو اس طرح لکھا دیکھا ہے۔ شریف صاحب کا بیان ہے کہ یہ واقعہ اور رباعی کتاب ''تحفہ کنجاہ'' میں درج ہے۔

(۲۴) دیوان غنیمت، ص ۲۶۴ (مرتبین)۔

(۲۵) ایضاً، صص ۹۰-۹۱ (مرتبین)۔

(۲۶) یہ غزل غنیمت کے مطبوعہ دیوان میں نہیں ہے اور سرخوش کا بیان ہے کہ یہ شعر محمد حسین خالص کے ہیں (کلمات الشعرا، ص ۸۲)؛ شرافت نوشاہی نے شریف التواریخ میں مذکورہ اقتباس اخبار پیغام سے نقل کیا ہے۔ دیکھیے: ہفت روزہ اخبار پیام، وزیر آباد، ضلع گوجرانوالہ، بابت دوشنبہ ۲ مئی ۱۹۳۲ء، ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ، نمبر ۴، جلد ۱، صفحہ ۲، بعنوان ''ارتجال'' (مرتبین)۔

(۲۷) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۵۵ (مرتبین)۔

(۲۸) دیوان غنیمت، ص ۲۵۵ (مرتبین)۔

(۲۹) ایضاً، ص ۱۱۷ (مرتبین)۔

(۳۰) ایضاً، ص ۱۲۵ (مرتبین)۔

(۳۱) ایضاً، ص ۱۰۵ (مرتبین)۔

(۳۲) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۸ (مرتبین)۔

(۳۳) ایضاً، ص ۸ (مرتبین)۔

(۳۴) ایضاً، ص ۹ (مرتبین)۔

(۳۵) دیوان غنیمت، ص ۲۲۳ (مرتبین)۔

(۳۶) کنجاہی، محمد صداقت ماہ، ثواقب المناقب، قلمی نسخہ کتب خانہ شرافت نوشاہی، ساہنپال، ص ۱۴۸

(۳۷) Rieu, Charles, Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum, Vol: i-iii, London, 1879-83, Supplement London, 1895, 700/2.(مرتبین)

(۳۸) کلمات الشعراء، ص ۸۲ (مرتبین)۔

(۳۹) مثنوی نیرنگ عشق، صص ۵۴-۵۵ (مرتبین)۔

(۴۰) نیرنگ عشق۔

(۴۱) غنیمت کے عرس کے موقع پر مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام کے افراد بھی خراج عقیدت ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ کنجاہ کے پنجابی شاعر لچھمن سنگھ بھولا نے مرقد غنیمت کی تعمیر کے موقعہ پر غنیمت کی تعریف میں چند اشعار بہ زبان پنجابی شائع کئے تھے۔ جن میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ غنیمت کی عظمت و احترام ہر مذہب اور ہر ملت کے افراد کے نزدیک یکساں ہے۔

(۴۲) بشیر حسین، فہرست مخطوطات شیرانی، جلد اول، ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۱۹۳ (مرتبین)۔

(۴۳) دیوان غنیمت، ص ۳۴ (مرتبین)۔

(۴۴) ایضاً، ص ۱۸۵ (مرتبین)۔

(۴۵) ایضاً، ص ۲۲۳ (مرتبین)۔

(۴۶) ایضاً، ص ۲۲۲ (مرتبین)۔

(۴۷) ایضاً، ص ۶۵ (مرتبین)۔

(۴۸) ایضاً، ص ۱۰۲ (مرتبین)۔

(۴۹) ایضاً، ص ۲۱۸: صاحب مقالہ نے یہ شعر اس طرح سے لکھا ہے، جو کہ غلط ہے:

غنیمت از زبان گوشۂ ابروی هر مصرع
برای میرزا صائب جواب ساکنی دارد

(مرتبین)

(۵۰) ایضاً، ص ۱۱۱ (مرتبین)۔

(۵۱) ایضاً، ص ۱۳۹ (مرتبین)۔

(۵۲) ایضاً، ص ۲۲۵ (مرتبین)۔

(۵۳) ایضاً، ص ۱۱۲ (مرتبین)۔

(۵۴) ایضاً، ص ۲۳۱: اصل مقالہ میں شعر کا پہلا مصراع یوں درج ہے:

غنیمت چشم مست او نشد روزی طبیب من

(مرتبین)

(۵۵) ایضاً، ص ۲۳۴ (مرتبین)۔

(۵۶) ایضاً، ص ۶۲ (مرتبین)۔

(۵۷) ایضاً، ص ۲۷۵ (مرتبین)۔

(۵۸) ایضاً، ص ۳۴ (مرتبین)۔

(۵۹) ایضاً، ص ۲۷۹ (مرتبین)۔

(۶۰) ایضاً، ص ۳۵ (مرتبین)۔

(۶۱) ایضاً، ص ۲۶۸ (مرتبین)۔

(۶۲) ایضاً، ص ۲۲۸ (مرتبین)۔

(۶۳) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۱ (مرتبین)۔

(۶۴) ایضاً، ص ۹ (مرتبین)۔

(۶۵) ایضاً، ص ۳ (مرتبین)۔

(۶۶) بیان کیا جاتا ہے کہ شاہد کی قبر ماجرا گاؤں کے نواح میں تاحال موجود ہے۔

(۶۷) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۴۳ (مرتبین)۔

(۶۸) نشترعشق، ص ۱۱۱۴ (مرتبین)۔

(۶۹) تذکرہ حسینی، ص ۲۳۰ (مرتبین)۔

(۷۰) مثنوی نیرنگ عشق، صص ۱۰-۱۱ (مرتبین)۔

(۷۱) ایضاً، ص ۵۴ (مرتبین)۔

(۷۲) مآثر الامرا، ص ۶۹۸۔

(۷۳) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۹ (مرتبین)۔

(۷۴) مآثر الامرا، ص ۶۹۶

(۷۵) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۱۱ (مرتبین)

(۷۶) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۱ (مرتبین)۔

(۷۷) تذکرہ مخزن الغرائب، ص ۲۲۷ (مرتبین)۔

(۷۸) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۵۴؛ اصل مقالہ میں شعر کا پہلا مصراع یوں درج ہے:

پس از گفتن چو ابیاتش شمردن

(مرتبین)

(۷۹) ایضاً، ص ۷ (مرتبین)۔

(۸۰) ایضاً، ص ۴۶ (مرتبین)۔

(۸۱) جامی، نورالدین عبدالرحمٰن، ہفت اورنگ: بہ تصحیح و مقدمہ آقا مرتضٰی۔ مدرس گیلانی، کتابفروشی سعدی، تہران، ۱۳۳۷ ہجری شمسی، صص ۶۹۴-۶۹۵ (مرتبین)۔

(۸۲) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۵۵ (مرتبین)۔

(۸۳) ایضاً، ص ۵۴ (مرتبین)۔

صادق علی دلاوری

غنیمت [1] کا وطن ☆

چغتائی صاحب کے مراسلہ [2] میں دو باتیں ایسی ہیں، جن کی وضاحت ضروری ہے، یعنی: اول، حضرت غنیمت کے وطن؛ اور دوم، غنیمت کے پیشوا حضرت شاہ صالح محمد گیلانی کے سن وصال کے متعلق اشتباہ کو دور کرنا مقصود ہے۔

غنیمت کا وطن:

عام طور پر مسلم ہے کہ مولانا غنیمت قصبہ کنجاہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ یہ درست ہے کہ اُن کے کلام کا جو حصہ آج دنیا میں موجود ہے اس میں کہیں کنجاہ کا ذکر نہیں ملتا۔ لیکن اسی طرح شاہجہان آباد کا نام بھی انہوں نے نہیں لیا۔ بلکہ صاف طور پر یہ بیان کیا ہے کہ وہ پنجابی ہیں اور پنجاب سے بہت محبت رکھتے ہیں۔ اس بات کو میں اپنے مضمون مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین بابت مئی ۱۹۴۲ء میں وضاحت کے ساتھ بیان کر چکا ہوں [3]۔ یہاں صرف ایک شعر نقل کیا جاتا ہے:

نخواهم لاله زار گلشن ایران که سر بر زد
گل داؤدی صبح وطن از خاك پنجابم [4]

سرخوش نے غنیمت کے وطن کا ذکر نہیں کیا تو اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ کیونکہ سرخوش شاذ و نادر ہی کسی شاعر کے وطن کا ذکر کرتے ہیں حتیٰ کہ خود اپنا وطن بھی نہیں بتایا۔ لیکن دوسرے مستند تذکرہ نگاروں نے بالاتفاق مولانا غنیمت کو کنجاھی لکھا ہے۔ چند اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ خان آرزو لکھتے ہیں: ''محمد اکرم غنیمت از مفتی زادھای قصبہ کنجاہ است کہ قصبہ ای است از مضافات لاہور......'' [5] (یہ واضح رہے کہ خان آرزو کی حضرت محمد ماہ صداقت برادر زادہ غنیمت سے ملاقات تھی۔ جس کا ذکر سفینۂ خوشگو میں ملتا ہے۔ اس لئے خان آرزو کی رائے خاص وقعت رکھتی ہے)۔

۲۔ تذکرۂ حسینی: ''غنیمت از مفتی زادہای قصبہ کنجاہ بود من مضافات گجرات شاہ دولا مضاف صوبہ لاہور است......'' [6]

۳۔ سفینۂ خوشگو: اس کا مصنف بندرا بن داس خوشگو اولاً سرخوش کا شاگرد تھا۔ چنانچہ اس کا تخلص خوشگو بھی

☆ اورینٹل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۴۳ء، جلد ۲۰، عدد ۱، عدد مسلسل ۷۵، ص ۲۶-۳۲۔

سرخوش کا مقرر کردہ ہے۔ بعد ازاں یہ خان آرزو کا شاگرد ہوا۔ اور اس کا نام خان آرزو کے ممتاز شاگردوں میں لیا جاتا ہے۔ وہ اپنے تذکرہ سفینۂ خوشگو میں غنیمت کے تذکرہ میں سکونت و وطن کا ذکر نہیں کرتے۔ لیکن محمد ماہ صداقت کے بیان میں لکھتے ہیں: ''محمد ماہ المتخلص بہ صداقت برادر زادہ محمد اکرم غنیمت پنجاب کے رہنے والے تھے۔ اور بسا اوقات خان آرزو سے ملنے آیا کرتے تھے''(۷)۔

۴۔ نشتر عشق۔ ''غنیمت محمد اکرم نام مولداو قصبہ کنجاہ من توابع گجرات شاہ دولا مرحوم مضاف صوبہ لاہور است......''(۸)۔

ان کے علاوہ خود مولانا محمد ماہ صداقت جو غنیمت کے برادر زادہ اور انہی کے شاگرد تھے اپنی تصنیف ''ثواقب المناقب'' میں کئی جگہ اپنے آپ کو پنجابی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں:

''من که فارسی زبان هندی نژدام و کابلی مولد پنجاب منشاء ام۔ هر چند اراده تتبع خسرو صاحبقران دارم اما مثل مشهور هنوز دهلی دور است سد راه می شود۔ بهر کیف چشم آن دارم که این یوسف سوزون لقا به داغ غلامی نقطۂ پنجاب انتخاب عزیز دلها گردد''(۹)۔

پھر ایک جگہ کنجاہ کا ذکر ایسے الفاظ میں کیا ہے۔ جن سے مترشح ہوتا ہے۔ کہ آپ کا آبائی وطن کنجاہ تھا۔ چنانچہ ثواقب المناقب میں دو بزرگوں کا ذکر کرتے ہیں: ۱۔ شیخ ابو البقا؛ اور ۲۔ شیخ نظر محمد کنجاہی اور لکھتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ حضرت شاہ حاجی محمد نوشہ گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے اور کنجاہ سے چل کر آنحضرت قدس سرہ کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ ان میں سے موخر الذکر کو وہ اپنا جد امجد بتاتے ہیں۔ اور مولانا غنیمت کے متعلق لکھتے ہیں:

''یکی از یاران سید شیرازه بند مجموعه استقامت محمد اکرم غنیمت عم مولف رساله بود که مثنوی نیرنگ عشق آن طاؤس گلزار بهشت شهرت دارد''(۱۰)۔

تو معلوم ہوا کہ مولانا غنیمت محمد ماہ صداقت کے عم بزرگوار تھے۔ اور شیخ نظر محمد کنجاہی کے فرزند تھے۔ اس لئے یہ تسلیم کر لینا کہ غنیمت کا مولد و مسکن کنجاہ ہی ہوگا۔ کچھ عیب کی بات نہیں۔

مزید براں منشی کچھی نرائن کنجاہی جن کے رقعات مشہور ہیں۔ اور متعدد بار طبع ہو چکے ہیں۔ مولانا صداقت کے شاگرد تھے۔ ان کے مکتوبات کے جامع محمد فیض بخش مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"منشی لچھمی نراین قوم کھتری متوطن اصلی او قصبه کنجاه از مضافات دارالسلطنت لاهور است رای جسونت رای جد امجدش در عهد عالمگیر بادشاه جهت تلاش معاش وارد دارالخلافت شاهجهان آباد شد ...... در ایام طفولیت کتب متداوله فارسی که رائج تدریس اطفال است از مولانا شیخ محمد برادر زاده غنیمت کنجاهی دیده سواد خود را روشن نمود"[11]۔

بعد کے تمام تذکرہ نگار بھی آپ کو بلا تامل کنجاہی لکھ رہے ہیں۔ کسی ایک نے بھی شاہجہان آبادی یا ساکن شاہجہان آباد نہیں لکھا۔ ان سب کے برعکس اگر مثنوی کے ایک نسخہ پہ اُس کے کاتب نے غنیمت کو ساکن شاہجان آباد لکھ دیا ہے، تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ یہ نسخہ خواہ کتنا ہی قدیم ہو چونکہ اس کا کاتب ایک غیر معروف شخص ہے اور ایک دور افتادہ مقام کا رہنے والا ہے، اس لئے اس کی رائے کو قابل اعتنا نہیں سمجھا جا سکتا"[12]۔ (واضح رہے کہ ہمارے پاس مجموعہ شیرانی میں نیرنگ عشق کا اس سے پرانا اور غالباً قدیم ترین نسخہ موجود ہے جو ۱۱۱۴ھ کا نوشتہ ہے"[13]۔ اس کا ذکر میں اپنے محولہ بالا مضمون میں کر چکا ہوں)۔

شاہ صالح محمد کا سن وصال:

سید صالح محمد گیلانی پیشوائے غنیمت کی تاریخ وفات خزینۃ الاصفیا میں بحوالہ تذکرہ نوشاہیہ ۱۱۱۸ھ تحریر ہے"[14]۔ لیکن چک سادہ میں مزار پر انوار پر سید معصوم شاہ گیلانی صاحب موجودہ سجادہ نشین کے پاس ایک کہنہ بیاض ہے۔ جو شاہ صالح محمد کی اولاد میں سے حضرت سید جلال شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ اور ۱۲۶۶ھ کی تحریر ہے۔ اس میں سید صالح محمد کے والد بزرگوار میراں سید عبدالوہاب ثانی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ وفات لفظ ''شیخ زمان'' لکھی ہے۔ جس سے ۱۰۰۸ھ ظاہر ہوتا ہے اور روایات سے ثابت ہے کہ سید صالح محمد اپنے والد کی زندگی میں تحصیل علم کر کے بحکم والد بزرگوار حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید صالح محمد کی ولادت دسویں صدی ہجری میں ہو چکی تھی اور اپنے والد کی زندگی میں سن بلوغ کو پہنچ چکے تھے۔ اور یہ بات ہرگز قرین قیاس نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے والد کے بعد ایک سو دس سال تک زندہ رہے ہوں اور ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی ہو۔

بیاض مذکور میں سید صالح محمد کی وفات کا ذکر اس طرح درج ہے:

''ابیات غنیمت در تاریخ صالح محمد''

چو شد آن حق خلیل عشق ملت		بہ خواب راحت اندر مہد تربت
ھدایت کعبۂ او باد معمور		بہ اولاد گرامی چشم بد دور
ضرر تاریخ سالش از رہِ صدق		بگفتا ھی فتادہ کعبۂ عشق

۱۰۷۲ھ

اس سے یہ ثابت ہوا کہ غنیمت سے پہلے ان کے پیشوا انتقال کر چکے تھے۔ اور ان کی تاریخ وفات ۱۰۷۲ھ ہے۔ رسالہ الاعجاز مصنفہ مرزا احمد بیگ لاہوری ۱۱۰۷ھ کی تالیف ہے۔ اس میں سید صالح محمد گیلانی کے ذکر میں یہ عبارت لکھی ہے:

"مسکن و مزار ایشان در چك سادہ است کہ از گجرات دو کروہ خواھد بود۔ ایشان را سہ فرزند اند: یکی، سید فیض اللہ سلمہ اللہ کہ از پدرش مشغول اند، ھم فقیر وھم فاضل بھر دو اوصاف موصوف اند؛ و پسر دیگر نیز بہ صلاح آراستہ اند؛ و پسر سوم میاں شیر محمد ایشان را چاشنی فقراست کہ اکثر وضع ولنعیمی خود دارند و اعتقاد مردم بر ایشان بودہ است"۔

اس عبارت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ ۱۱۰۷ھ سے پہلے سید صالح محمد وفات پا چکے تھے (۱۵)۔

چونکہ مفتی غلام سرور لاہوری مولف خزینۃ الاصفیا نے تذکرہ نوشاہیہ کے حوالہ سے ان کی تاریخ وفات ۱۱۱۸ھ لکھی ہے اس لئے یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ مفتی صاحب کس طرح اس غلطی کا شکار ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ تذکرہ نوشاہیہ کی چند عبارتوں نے مفتی موصوف کو غلط فہمی میں مبتلا کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے خزینۃ الاصفیا میں سلسلہ نوشاہیہ کے تمام بزرگوں کی تاریخ وفات باستثنائے چند غلط لکھی ہے۔

تذکرہ نوشاہیہ حافظ محمد حیات بن حافظ جمال بن حافظ برخوردار بن حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ اور ۱۱۴۶ھ میں لکھی گئی۔ جیسا کہ خود انہوں نے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ نیز مقدمہ میں یہ بھی بیان کرتے ہیں۔ کہ اُن کو رسالہ احمد بیگ لاہوری کے چند نا مرتب اوراق مل گئے جن کو انہوں نے از سر نو مرتب کیا۔ اور کچھ عبارات اضافہ کر کے تذکرہ نوشاہیہ نام رکھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"مخفی و محتجب نماند کہ جزوی چند نا مرتب نہ خطبہ ابتدایش نہ خاتمہ انتھایش از بیساری کھنگی اکثر عبارتش ریختہ از تصنیف مرزا احمد بیگ لاھوری کہ بہ یك واسطہ

مستمسک این عروہ وثقی و حبل متین آن قدوۃ الواصلین و زبدۃ العارفین آن نوشاہ دین گردیدہ چنانچہ ھم درین کتاب کیفیتش مبین خواھد شد در مقام مناسب۔ در سنہ یک ھزار و یک صد و چھل و شش از ھجرت النبی الامی با حقر البریات فقیر محمد حیات بن فضایل پناہ کمالات دستگاہ حضرت میان جمال اللہ بن حضرت میان برخور ولد شیر بیشۂ عرفان و نہنگ بحر ایقان حضرت نوشہ صاحب رسیدہ و نیز اکثر مقامات عالیہ حضرت و احوال خفیہ شش فرزند ارجمند کہ ھر یک صاحب جمال و صاحب کمال بودہ اند مسموع سمع مرزا معزی الیہ نشدہ۔ بہ موجب ایماء اخوت پناہ شفقت دستگاہ بھائی شیر محمد چلو کہ بر مسند صاحب سجادگی صاحب وقت و سلطان حال اند و در مقام مناسب احوال ایشان ھم مندرج شدہ۔ تا خطبۂ ابتدا و خاتمہ انتھا و عبارتی کہ از کھنگی کتاب دور شدہ و احوالاتی کہ در گوش ھوش مصنف نرسیدہ مسودہ کردہ و آن اخوت پناہ در قید قلم آوردہ درج کتاب فرمود ...... "[۱۶]۔

کتاب تذکرۂ نوشاہیہ کا بنظر غایر مطالعہ کرنے سے منکشف ہوتا ہے کہ اس میں بعض عبارتیں رسالہ احمد بیگ لاہوری کی بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے نقل ہیں اور بعض عبارتیں حافظ محمد حیات صاحب کی اپنی قلم سے ہیں۔ اسی وجہ سے کہیں کہیں مطالب میں بے ربطی سی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ یہ الفاظ ملتے ہیں:

" در اثنای نوشتن ایں رسالہ کہ از وصال حضرت شاہ چھل و سہ سال گذشتہ بود کہ از اخلاص مندان عزیزی از لشکر ظفر اثر عالمگیر بادشاہ رسید اسم آن عزیز محمد امین بود ...... "[۱۷]۔

یہی عبارت ہے جس نے صاحب خزینۃ الاصفیا کو غلط فہمی میں ڈالا۔ کیونکہ سرسری نگاہ سے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ۱۱۴۶ھ میں جبکہ یہ تذکرہ لکھا گیا۔ حضرت نوشہ صاحب قدس سرہٗ کی وفات کو ۴۳ سال گذر چکے تھے۔ یعنی اُنکی وفات ۱۱۰۳ھ میں ہوئی۔ چنانچہ یہی تاریخ خزینۃ الاصفیا میں بحوالہ تذکرہ نوشاہیہ درج ہے۔ لیکن اگر اس عبارت کو غور سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ یہ ۱۱۴۶ھ کی تحریر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اُس وقت حضرت عالمگیر اور ان کا لشکر ظفر اثر موجود نہ تھے۔ عالمگیر کی رحلت تو ۱۱۱۸ھ میں واقع ہو چکی تھی۔ دراصل یہ عبارت مرزا

احمد بیگ لاہوری کی تحریر ہے۔ جنہوں نے اپنا رسالہ ۱۰۷۰ھ میں تصنیف کیا۔

تو ثابت ہوا کہ ۱۰۷۰ھ میں نوشہ صاحب کی وفات کو ۴۳ سال ہو چکے تھے۔ یعنی انکی تاریخ وفات ۱۰۶۴ھ ہوئی اور یہ صحیح تاریخ ہے۔ جس کی تائید خود تذکرۂ نوشاہیہ میں موجود ہے:

" در مدح حضرت نوشه صاحب عبدالرحیم ساکن سد اکنبو چندابیات گفته و خادم حضرت عصمت الله ...... "۔

غزل:

دلم در باغ مدح نوشه اندر ذکر و دستانش
چو دستان خواند خوش دستان زبوی فیض و احسانش
مرا این دستگاه از دست خاك پای نوشه دان
که بر فرق جهان چو سهر نعلین است رخشانش

چو در جنت بکشت گل نسیم آسا خرامان شد　　همه اسباب نوشاهی قصور و حور و غلمانش
ز تاریخ وصال او دلم در جست جو چون شد　　به گوش دل ندا آمد که " خاتم پاك " بر خوانش
۱۰۶۴
دویم " وه نوشه حاجی سخی " بر خواند عقل من　　سیوم از " رحلت نو شاه دین " بر گیر آسانش
۱۰۶۴　　۱۰۶۴
چهارم " نوشاه هادی سخی بود " خوش بسته　　تعالی الله چها تاریخها گفتم ز احسانش
۱۰۶۴

اس کے علاوہ صاحب تذکرہ نے مادہ تاریخ " شیخ حاجی از ولی اللہ بود " (=۱۰۶۴) لکھا ہے[۱۸]۔ صاحب تحائف قدسیہ نے " نوشہ بود شاہ فقر " (=۱۰۶۸)[۱۹] اور صاحب کنز الرحمت نے " فیض قدسی " (=۱۰۶۴) لکھا ہے[۲۰]۔

ان سب بیانات کے پیش نظر خزینۃ الاصفیا کی شہادت کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔ اس لئے میں نے اس کی شہادت کو قابل قبول نہ سمجھتے ہوئے عمداً اس کو نظر انداز کر کے دوسرے اور زیادہ مستند ذرائع سے حاصل کی ہوئی تاریخوں کو اپنے مضمون میں درج کیا تھا۔

حواشی

(۱) بجواب مضمون ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی (اورینٹل کالج میگزین، بابت اگست ۱۹۴۳ء، صص ۵۶-۵۷)۔

(۲) مراسلہ بہ عنوان ''مثنوی نیرنگ عشق کا ایک مخطوطہ'' شائع شدہ، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، جلد۱۹، عدد۴، بابت اگست ۱۹۴۳ء، عدد مسلسل ۷۴، صص ۵۴-۵۶، جس میں عبداللہ چغتائی نے بحوالہ تذکرہ نوشاہی اور خزینۃ الاصفیاء یہ لکھا کہ شاہ صالح کا انتقال ۱۱۱۸ھ میں ہوا (مرتبین)۔

(۳) صص ۱۴-۳۷ (مرتبین)۔

(۴) کنجاہی، غنیمت، دیوان غنیمت، بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۲۲۳ (مرتبین)۔

(۵) آرزو، سراج الدین علی خان، تذکرہ مجمع النفائس، بہ تصحیح مہر نور محمد خان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، جلد دوم، ص ۱۱۷۲ (مرتبین)۔

(۶) سنبھلی، حسین دوست، تذکرۂ حسینی، انتشارات منشی نول کشور، ص ۲۳۰ (مرتبین)۔

(۷) خوشگو، بندرا بن داس، سفینۂ خوشگو، دفتر ثالث، بہ تصحیح سید شاہ محمد عطاء الرحمن عطا کاکوی، پٹنہ، ۱۹۵۹ء، ص ۱۹۸ (مرتبین)۔

(۸) عظیم آبادی، حسین قلی خان، تذکرہ نشتر عشق، دوشنبہ، ۱۹۸۳ء، جلد سوم، ص ۱۱۱۴ (مرتبین)۔

(۹) کنجاہی، محمد صداقت ماہ، ثواقب المناقب، قلمی نسخہ، کتابخانہ شرافت نوشاھی، ساہنپال، ص ۱۵۸۔

(۱۰) ایضاً، ص ۱۲۵۔

(۱۱) مقدمہ مکتوبات، لچھمی نرائن، قلمی پنجاب یونیورسٹی لائبریری

(۱۲) اس نسخہ کی اہمیت کا اندازہ اس کے مطلع سے لگایا جا سکتا ہے جسے چغتائی صاحب نے اپنے مضمون میں نقل کیا ہے۔

(۱۳) بشیر حسین، محمد، فہرست مخطوطات شیرانی، جلد اول، ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۱۹۴ (مرتبین)۔

(۱۴) غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، مطبوعہ نول کشور، ص ۱۷۶ (مرتبین)۔

(۱۵) احمد بیگ لاہوری، مرزا، احوال و مقامات نوشہ گنج بخش، بہ تصحیح عارف نوشاہی، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء، صص ۸۱-۸۲ (مرتبین)۔

(۱۶) حافظ محمد حیات، تذکرہ نوشاہی، بہ تصحیح و تدوین و تحشیۂ احسان احمد، شعبہ فارسی، اورینٹل کالج، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۲۰۰۴ء، تحقیقی مقالہ پی ایچ-ڈی، پنجاب یونیورسٹی مرکزی لائبریری، شمارہ TPC IV 13، ص ۵۷ (مرتبین)۔

(۱۷) ایضاً، ص ۱۶۲ (مرتبین)۔

(۱۸) ایضاً، صص ۱۷۸-۱۷۹ (مرتبین)۔

(۱۹-۲۰) یہ سب کتابیں خاندان نوشاہی سے متعلق ہیں اور حضرت سید شریف احمد شرافت کے کتب خانہ واقع ساہنپال شریف میں موجود ہیں۔

پروفیسر غلام ربانی عزیز

شرح احوال غنیمت ☆

غنیمت کا نام محمد اکرم اور کنجاہ جائے پیدائش تھی۔ یہ نام ہے ایک چھوٹے سے قصبے کا جو گجرات سے مغرب کی طرف سات میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ تذکرہ نویسوں نے سن ولادت کی کوئی تصریح نہیں کی، صرف اتنا لکھنا ہی کافی سمجھا کہ غنیمت شہنشاہ عالمگیر کے عہد میں لاہور کے گورنر نواب محمد مکرم خان کا ندیم اور مصاحب تھا۔ نواب مذکور سے مخلصانہ مراسم تھے اور کافی عرصہ تک نواب کی مصاحبت میں رہا۔ یہ گورنر بارہویں صدی ہجری کی پہلی دہائی میں اس منصب پر ممتاز ہوا اور یہی وہ زمانہ تھا جب کہ غنیمت نے مثنوی نیرنگ عشق لکھی تھی۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت اس کی عمر کیا ہوگی، لیکن کلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اچھا خاصہ پختہ گو ہو چکا تھا۔

مغلیہ عہد کے ابتدائی دور میں جب ان کی حاتمانہ فیاضیوں نے تمام مشرق وسطیٰ کو گرویدہ بنا لیا تھا، غنیمت کے آباؤ اجداد شام سے ہجرت کر کے اس گمنام قصبے میں بس گئے تھے، والد کا نام نذر محمد تھا۔ وہ کنجاہ کے مفتی تھے اور دنیاوی جاہ و منصب کے علاوہ عالم دین اور صاحب دل بزرگ تھے۔ چچا کا نام شیخ ابو البقا تھا۔ یہ دونوں بھائی سید العارفین حاجی محمد نوشہ گنج بخش کے مرید اور خلیفہ تھے اور صاحب کشف و کرامات شمار ہوتے تھے۔

غنیمت خود لکھتا ہے کہ اسے بچپن میں پڑھنے لکھنے سے کچھ لگاؤ نہ تھا۔ دن رات کھیل کود اور لہو و لعب میں لگا رہتا۔ اسی اثنا میں سید صالح محمد صاحب کے مرید ہونے کا موقع ملا۔ سید موصوف حضرت غوث الاعظم گیلانی کی اولاد سے تھے اور گجرات سے چار میل مشرق کو سادہ نامی ایک گاؤں میں رہتے تھے۔

سید صاحب بڑے صاحب کمالات بزرگ تھے، چنانچہ ان کے فیض صحبت سے غنیمت کی کایا پلٹ گئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی شاعری اور روحانیت کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ غنیمت عقیدہ کے لحاظ سے سنی المذہب اور قادری سلسلۂ طریقت سے وابستہ تھا۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر گیلانی سے اس کی وابستگی عشق بلکہ جنوں تک پہنچ گئی تھی چنانچہ جب بھی کسی محفل میں اس کے سامنے غوث الاعظم کا نام لیا جاتا، فوراً سجدہ میں گر پڑتا۔ اڑتے اڑتے یہ خبر عالمگیر کے کانوں تک جا پہنچی۔ وہ بھلا کب صبر کرنے والے تھے۔ انہوں نے اسلام کو جس زاویے سے دیکھا تھا، وہاں ایسی آزادی کی گنجائش نہ تھی۔ فوراً طلبی ہوئی، غنیمت سامنے آیا تو شہنشاہ نے پوچھا "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جب بھی تمہارے سامنے غوث الاعظم کا نام لیا جاتا ہے، سجدہ میں گر پڑتے ہو۔ یہ

☆ مقدمہ دیوان غنیمت، پنجابی ادبی اکادمی، لاہور، ۱۳۳۷ش/ ۱۹۵۸ء، صفحات الف-لز

حرکت اسلامی توحید کی عین نقیض ہے۔ کیا تم اس فعل کے جواز میں کوئی شرعی دلیل پیش کر سکتے ہو؟''۔ ادھر سے کوئی جواب نہ ملا، تو شہنشاہ نے دیکھا کہ غنیمت سجدہ میں پڑا ہے۔ حقیقت شناس تھا سمجھ گیا کہ مزید چھیڑ چھاڑ غیر مناسب ہے۔

حاضر جوابی اور بدیہہ گوئی:

غنیمت گاؤں کا رہنے والا تھا، وہیں پل کر جوان ہوا تھا، وہی بود و باش تھی، اور وہی نشست و برخاست۔ گاڑھے کے کپڑے پہنتا، ایک ہاتھ میں مٹی کا حقہ ہوتا اور دوسرے میں گنواروں کا سالٹھ، دیکھنے والا بادی النظر میں سمجھتا کہ گنوار ہے، کہ ابھی ڈھور چرا کر آیا ہے۔ مثنوی نیرنگ عشق مکمل ہو چکی تھی اور شاعر کی نگاہ کسی ایسے قدر دان کی تلاش میں تھی جو ان جواہر ریزوں کی قدر کرتا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مرزا سرخوش دہلی میں مقیم تھے۔ ان کی شہرت ہندوستان کے طول و عرض میں پہنچ چکی تھی۔ غنیمت اہل وطن کی کور ذوقی سے شکستہ خاطر تھا۔ مثنوی کے اجزا بغل میں دبا کر دہلی کو چل دیا۔ وہاں پہنچا تو دم لینے کے لئے جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ ستا چکا تو سرخوش کے مکان کا پتہ دریافت کیا۔ پہنچ کر دستک دی، ملازم آیا تو سرخوش سے ملاقات کی خواہش کی۔ وہ اس وقت ہوا خواہوں اور شاعروں کے مجمع میں بیٹھے تھے اور فکر شعر سے دل بہلا رہے تھے۔ بعض احباب کو ایک اجنبی کا یوں آنا ناگوار گذرا لیکن سرخوش کی مروت نے گوارا نہ کیا کہ ایک غریب الوطن کی درخواست کو مسترد کر دے، چنانچہ حکم دیا کہ بلا لاؤ۔ غنیمت اسی ہیئت کذائی میں اندر آیا اور ایک طرف کو دبک کر بیٹھ گیا۔ سرخوش سمجھے کہ سائل ہے۔ منتظر تھے کہ کچھ مانگے تو دے دلا کر پیچھا چھڑائیں، مگر غنیمت گم سم بیٹھا رہا۔ سب اس کی طرف دیکھ رہے تھے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر رہا نہ گیا تو ایک صاحب کہنے لگے:

''بڑے میاں آپ گونگے تو نہیں کچھ تو کہیے''

اس طنز آمیز فقرے نے غنیمت کے سمند طبع پر تازیانہ کا کام کیا۔ فوراً بول اُٹھا:

کردہ ام از مہر لب نقد بیانہا در گرہ
بستہ ام چون غنچۂ سوسن زبانہا در گرہ (۱)

ایسا بلند مطلع اس گنوار کی زبان سے سن کر حاضرین کے کان کھڑے ہو گئے۔ کنکھیوں سے دیکھا تو بعض آنکھوں میں شک و شبہ کی کچھ دھاریاں دکھائی دیں، فوراً دوسرا شعر پڑھا:

سرفراز منصب سرگشتگی گردیدہ ام
اختر ما داشت گویی آسمان ھا در گرہ (۲)

اب یہ حالت ہے کہ کبھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہیں اور ملتجی ہیں کہ سلسلہ جاری رہے، تیسرا

شعر تھا:

آتشین روی نظر بر جلوہ محتاجی نکرد
چون سپندم ماند آشوب فغانہا در گرہ (۳)

سامعین کی محویت نقطۂ انتہا تک پہنچ چکی تھی کہ غنیمت نے چوتھا شعر پڑھا:

مردہ ام در حسرت شیرینی حرف کسی
کز لب خاموش دارد نقد جانہا در گرہ (۴)

یہ کچھ حسب حال بھی تھا، پانچواں شعر تھا:

ز ابروان آن پری تا می توانی گوشہ گیر
ناوک بیداد دارند این کمانہا در گرہ (۵)

اب محفل کی یہ حالت تھی کہ فرط استعجاب سے حاضرین سکتے کے عالم میں تھے اور غنیمت نے چھٹا شعر پڑھا:

از شب ھجران و محنت ھای ما آشفتگان
زلف شبرنگ تو دارد داستانہا در گرہ (۶)

ساتواں شعر مقطع تھا، اس نے رہی سہی کسر نکال دی:

یاد مژگانش غنیمت چاکہا در دل فگند
تا بکی باید نہان کردن سنانہا در گرہ (۷)

سرخوش فرط شوق سے بے تاب ہو چکے تھے، اٹھ کر لپٹ گئے۔ سینے سے لگا لیا اور دیر تک راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے۔ شعر و سخن ان لوگوں کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ ادھر ادھر کی باتیں ہو چکیں تو سرخوش کہنے لگے کہ ہم سب لوگ ایک مصرع پر جس کا قافیہ اور "ردیف پست افتادہ است" ہے فکر کر رہے تھے، آپ بھی غور کریں، وہاں کیا دیر تھی، تھوڑے سے غور و فکر کے بعد چھ شعر کی ایک غزل کہہ ڈالی، آپ بھی سن لیجئے:

وحشتم پر زور و طاقت زیر دست افتادہ است
ھمچو موج از خود بہ کار ما شکست افتادہ است
تا شہید گرم خوئی ھای چشم مست کیست
ھمچو خم آتش بہ گور می پرست افتادہ است
مشہد حیرت شہیدان را زیارت کردہ ام
ھر طرف مینای می گویی ز دست افتادہ است

چاہ راہ خویش گردیدند چون گردابہا
ہمت ارباب دنیا بس کہ پست افتادہ است
طاقت برخاستن چون گرد نمناکم نماند
خلق می داند کہ می خوردہ است ومست افتادہ است
سایۂ تاک از سر ما چون غنیمت کم مباد
کز عدالت ہمسر زنجیر پست افتادہ است (۸)

سرخوش کے علاوہ باقی سامعین بھی پھڑک اُٹھے۔ دوئی کا حجاب اٹھ چکا تھا۔ مٹی کا حقہ توڑ پھینکا اور اس کی بجائے چاندی کا حقہ جس میں سونے کی منہال لگی تھی، غنیمت کو پیش کیا۔ گاڑھے کے میلے کچیلے کپڑے اتروائے اور بہترین ایرانی لباس زیب تن کرایا۔

ان لوگوں نے غنیمت کو سر آنکھوں پر جگہ دی اور اس فیاضی سے قدردانی کی کہ بعد کی زندگی نہایت آرام اور سکون سے گذری۔

ایک اور موقع پر غنیمت سرخوش کے یہاں تھا، فکر شعر ہو رہی تھی۔ مصرع طرح کا قافیہ اور ردیف تھی نگار از من، قرار از من۔ جب سب لوگ اپنی اپنی غزل پڑھ چکے اور غنیمت کی باری آئی تو اس نے ایک مرصع غزل پڑھی، جس کے دو شعر درج ذیل ہیں۔ افسوس کہ اس غزل کے باقی اشعار کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکے:

رقیبا من نمی گویم گل و باغ و بہار از من
بہار از تو، گل از تو، ہر دو عالم از تو، یار از من
مرا ای باغبان از داغ دل برگ و نوا باشد
چمن از تو، گل از تو، بلبل از تو، لالہ زار از من (۹)

ایک دن غنیمت بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک شوخ و چنچل لڑکے نے راستہ روک لیا اور بغیر کسی تقریب کے پوچھا، کہ رباعی کا وزن کیا ہے؟ اتنے میں دو چار لڑکے اور بھی آ گئے۔ جانتے تو سبھی تھے کہ بڑے بوڑھوں سے سر راہ مخاطب ہونا اس عہد کی وضع داری کے خلاف ہے لیکن جب انہیں ایک ہم درس کی جسارت سے موقع ملا تو حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ غنیمت بھی سنبھل چکا تھا۔ کہنے لگا، سنو!

شیطان پسری پیش من آمد در رہ
پرسید زمن وزن رباعی ناگہ
چون شوخی طبعش را بدیدم گفتم
لا حول ولا قوۃ الا باللہ

خوب واہ واہ ہوئی۔ بچوں نے زور زور سے تالیاں بجائیں اور سوال کرنے والا لڑکا اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

شوق سیاحت:

ہم بیان کر چکے ہیں کہ غنیمت کو غوث الاعظم سے والہانہ عقیدت تھی، چنانچہ اس جذبے کی تسکین کے لئے مدت العمر یہ خواہش اس کے دل میں چٹکیاں لیتی رہی کہ کاش کوئی ایسی صورت پیدا ہوتی کہ وہ اس جلیل القدر روحانی پیشوا کے روضے کی زیارت کر سکتا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی صعوبتوں اور اقتصادی بدحالی کی وجہ سے یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور غنیمت ارمانوں کا بستہ بغل میں دبائے دنیا سے رخصت ہو گیا۔ دیوان غنیمت میں ایک مقطع ہے:

ای خوش آن دم کہ غنیمت ز سر عجز و نیاز
سر قدم کردہ بہ طوف شہ بغداد رود (۱۰)

سیر کابل کی خواہش غنیمت کے دل میں ہمیشہ چٹکیاں لیتی رہی، لیکن مالی وسائل کے بغیر اس بیل کے پروان چڑھنے کی کیا صورت تھی، مرتے دم تک دل سے یہ کسک نہ نکل سکی، دیوان میں ایک جگہ کہتا ہے:

شوق فایز می کند تکلیف سیر کابلم
شد غنیمت دیدۂ ما عرصۂ سرخاب ازو (۱۱)

لیکن قرائن شاہد ہیں کہ غنیمت کا یہ ارمان بھی پورا نہ ہو سکا، اور آخر بقدر اقل اس امر پر رضامند ہو گیا کہ چلو اگر کابل جانا میسر نہیں تو لگے ہاتھوں کشمیر جنت نظیر ہی سے دل بہلا لیں، چنانچہ لکھتا ہے:

شد غنیمت سرد در خاطر ہوای کابلم
بس کہ دل سرگرم سیر گلشن کشمیر بود (۱۲)

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتا ہے:

بیا بلبل اگر داری گلی، نذر تماشا کن
غنیمت بہر سیر گلشن کشمیر می آید (۱۳)

حب وطن:

انسان جس خاک سے اٹھتا ہے اس کی محبت رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوتی ہے۔ غنیمت بھی سچا وطن پرست تھا اور وہ اس سرزمین سے اٹھا تھا جس کے باسیوں کو سرسید مرحوم نے زندہ دلان پنجاب کے

قابل احترام لقب سے نوازا۔ کشمیر کی سیر کو گیا تو یاد وطن ستانے لگی۔ شعرا نے اسے جنت نظیر کہا ہے، لیکن دیکھئے تو شاعر اس جنت میں بھی پنجاب کو نہیں بھولتا، اور حب وطن کی یاد دل میں چٹکیاں لیتی ہے تو بے اختیار پکار اٹھتا ہے:

آب شد کشمیر در چشم غنیمت از حجاب
تا کہ نادانستہ نام خطۂ پنجاب برد (۱۴)

پنجاب کے اس عاشق زار نے ایک اور جگہ اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا ہے:

نخواھم لالہ زار گلشن ایران کہ سر بر زد
گل داؤدی صبح وطن از خاک پنجابم (۱۵)

وفات:

ہم بیان کر آئے ہیں کہ غنیمت کی تاریخ پیدائش کے بارے میں قابل وثوق ذرائع سے کچھ معلوم نہیں ہوسکتا۔ یہ مفروضہ ہے کہ غالباً اس کی پیدائش گیارہویں صدی کے وسط کے قریب ہوئی ہوگی۔ چونکہ کسی تذکرہ نویس نے یہ بھی نہیں لکھا ہے کہ اس نے کتنی عمر پائی تھی۔ اس لئے تاریخ پیدائش کے بارے میں ابہام اور بڑھ جاتا ہے، ہاں البتہ اتنا بہ وثوق کہا جا سکتا ہے کہ جب مرزا سرخوش اپنے تذکرہ کلمات الشعرا پر نظر ثانی کر چکے تھے تو غنیمت دنیا سے رخصت ہو چکا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"غنیمت از خاکیان هند غنیمت بود، دیوان مختصر دارد، مثنوی نیز فکر کرده" (۱۶)

یہ ۱۱۰۸ ھجری کا واقعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غنیمت اس تذکرے کی تکمیل کے وقت دنیا میں موجود نہیں تھا۔ ممکن ہے کہ اس سال یا ایک آدھ سال پہلے وفات پائی ہو۔ غنیمت لاہور میں نواب مکرم خاں کے ہاں مقیم تھا کہ مرض الموت میں مبتلا ہوا۔ چھوٹے بھائی کو اطلاع دی وہ بھاگم بھاگ آیا اور ساتھ لے گیا۔ غشی طاری تھی اور حالت غیر، کنجاہ پہنچا تو غشی میں کسی قدر افاقہ تھا، کہنے لگا:

"ابھی ابھی حضرت قبلہ سید صالح گیلانی کی خدمت بابرکت میں ایک قصیدہ منقبتیہ پیش کیا تھا جسے انہوں نے پسند کیا اور مجھے سروپا عطا فرمایا"۔

اس کے بعد چند اشعار پڑھے جو مرشد کی تعریف میں تھے۔ سید صاحب اس سے بہت عرصہ پیشتر فوت ہو چکے تھے۔ غشی کا دوسرا دورہ پڑا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ ہے مختصری روئداد اس زندۂ جاوید شاعر کی جس کی مسیحائی نے کنجاہ کی گمنام بستی کو بقائے دوام کا تمغہ عطا کیا۔

مزار غنیمت:

کنجاہ کے جنوب کی طرف باغ دیواناں کے متصل اس نامور شاعر کا مزار ہے۔ یہ آج سے کوئی پینتیس برس پہلے نہایت خستہ حالت میں تھا۔ بخشی منظور علی صاحب رہتاسی ان دنوں کنجاہ کے تھانے دار تھے۔ جب بھی وہاں سے گذر ہوتا قبر کی خستہ حالی سے متاثر ہوتے۔ خیال آیا کیوں نہ اس نامور کی قبر کی مرمت کروائی جائے۔ چنانچہ بعض مخیر حضرات سے بھی اس کے بارے میں مشورہ کیا۔ بخشی صاحب کا ذاتی رسوخ کام کر گیا اور چند ہزار روپوں کے صرف سے مزار کی مناسب مرمت ہوگئی۔

یہ مزار حسب معمول زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ دو چار مجاور بھی ادھر اُدھر سے آ کر بس گئے ہیں۔ ہر سال جیٹھ کے مہینے میں میلہ لگتا ہے۔ عقیدت مند دور دور سے کھینچے چلے آتے ہیں اور ایک آدھ دن بسر کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔ عوام میں کئی قصے غنیمت کے کشف و کرامات کے مشہور ہیں۔ چنانچہ یہ روایت تواتر کی حد کو پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی شخص شاعر بننے کا متمنی ہو اور غنیمت کے مزار پر چلہ کشی کرے تو اس مجذوب شاعر کے روحانی تصرف سے اس کی خواہش پوری ہو جاتی ہے اور وہ شعر کہنے لگ جاتا ہے۔

غنیمت کی شاعری:

ہم بیان کر چکے ہیں کہ غنیمت ۱۱۰۸ ھجری سے پہلے جو مرزا سرخوش کے مشہور تذکرہ کلمات الشعرا کا سال تکمیل ہے، وفات پا چکا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کا سال رحلت ۱۱۱۸ ھجری ہے۔ اس لحاظ سے غنیمت کو ہندوستان کے اس صوفی منش شہنشاہ کا ہم عصر کہنا چاہیے۔

غنیمت نے ہوش کی آنکھ کھولی تو ہندوستان کی فضا نظیری نیشاپوری، صائب اصفہانی، کلیم ہمدانی، فضائی شیرازی، ناصر علی سرہندی، جلال اسیر اور قاسم دیوانہ کے دل آویز نغموں سے معمور تھی۔ ایسے جلیل القدر اساتذہ کے بعد آنا بذات خود کافی حوصلہ فرسا تھا۔ ایسے بزرگ بہ افراط موجود تھے جن کے کانوں میں ابھی تک ان شیریں نواؤں کی نغمہ سنجیاں گونج رہی تھیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی معمولی دل و دماغ کا انسان ہوتا تو اسے منقار زیر پر رکھے بغیر چارہ نہ تھا مگر غنیمت حالات کی ناسازگاری سے بددل نہ ہوا۔

غنیمت نے شعر کہنا شروع کیا تو فارسی شاعری کو عالم وجود میں آئے تقریباً آٹھ سو برس بیت چکے تھے۔ اس طول طویل زمانے میں ایران و ہندوستان سے ہزاروں فن کار اٹھے اور پیوند خاک ہوگئے تھے۔ فارسی غزل کا سارا سرمایہ محبت کے سوز، فراق کی تلخیوں اور وصال کی مسرتوں پر مشتمل ہے۔ زبان اور انداز بیان ہزار مختلف سہی لیکن وہی ایک حسن ہے جو مختلف سانچوں میں ڈھلتا چلا آ رہا ہے، وہی ایک ٹھوس حقیقت ہے جس کی کئی

تعبیریں ہو چکی ہیں، وہی نپے تلے خیالات ہیں جنہیں الفاظ وعبارات کے مختلف قالب عطا کئے جا چکے ہیں، وہی زمین ہے جسے بار بار جوتا جا رہا ہے، وہی لقمہ ہے جسے ہر شخص چباتا چلا آتا ہے۔ زمین ہزار زرخیز سہی لیکن آخر کب تک، لقمہ ہزار لذیذ سہی مگر تا کے۔ غنیمت کے لئے اس عام ڈگر سے ہٹ کر چلنا ممکن نہ تھا۔ وہ نہ بیدل تھا، نہ عرفی، نہ غالب، نہ اقبال، کہ اہل زمانہ کا مذاق اور زمانے کی روش کو بدل سکتا، لیکن پھر بھی جو کچھ کہہ گیا اس لائق ہے کہ فارسی ادب کے قابل قدر ذخیرے میں جگہ پا سکے اور اہل ذوق سے خراج تحسین وصول کرے۔

غزل پر تبصرہ:

ہم ذیل میں اس کی ایک غزل پر قارئین کو مختصر تبصرے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ غزل سات اشعار پر مشتمل ہے، جو اس عہد کی شاعری کا بلاشبہ عمدہ نمونہ ہے، پہلا شعر ہے:

کشم ز دیدہ گریان چو بی حجاب انگشت
کند چو ماهی بی آب اضطراب انگشت (۱۷)

عاشق فراق یار میں روتا ہے تو اشک ریز آنکھوں پر انگلی دھر لیتا ہے، روتے روتے برسوں گزر گئے، نہ رونا بند ہوا نہ انگلی ہٹی۔ چنانچہ آنسوؤں کے اس سیلاب میں رہتے رہتے انگلی کو آنکھوں سے ہٹایا تو وہ یوں سراپا اضطراب بن گئی۔ جیسے کوئی مچھلی کو دریا سے اٹھا کر باہر پھینک دے۔ انگلی کے اضطراب میں ایک لطیف سا اشارہ ان آنسوؤں کی دل آویزی کی طرف بھی ہے جو عاشق کہ آنکھوں سے فراق محبوب میں بہتے رہے۔ بلاشبہ یہ تشبیہ غیر واقعاتی ہے اور اس میں حد درجہ مبالغہ ہے لیکن جو چیز اوروں کے لئے ناروا ہے اسے شاعر کی دنیا میں گوارا کر لیا جاتا ہے:

به چشم مست تو کردم شبی اشاره ز دور
مرا چو گردن میناست پر شراب انگشت (۱۸)

محبوب کی نشہ ریز آنکھوں کو شعراء نے جام شراب، سبوئے مے، خم صہبا اور خدا جانے اور کس کس چیز سے تشبیہ دی ہے۔ کسی نے جھوم جھوم کر پی تو کسی نے لہرا لہرا کر، ایک نے جام پر جام چڑھایا تو دوسرے نے سبو کے سبو خالی کر دیئے، غرض بہ قدر ظرف واستعداد بھی نے اس چشمۂ حیات سے پی اور خوب جی بھر کر پی۔ غنیمت کے محبوب کی آنکھیں بھی سرمستی وکیف کا ایسا ہی نہ ختم ہونے والا میکدہ ہیں، لیکن ان میں نشے اور بے خودی کی کیفیت ہے کہ ایک دن اس نے دور سے ان کیف پرور آنکھوں کی طرف اشارہ ہی کیا تھا کہ انگلی میں یوں نشہ بھر گیا جیسے گردن مینا میں شراب بھری ہوتی ہے۔ وہاں آپ نے آنکھوں کو آنکھوں سے سیراب ہوتے دیکھا یہاں چشم زدن میں انگلی کو شاداب ہوتے دیکھئے۔

۱ شمار سوزش پروانہ مشربان نکنی
که همچون شمع گدازد درین حساب انگشت (۱۹)

عشاق کی آتش نفسی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ کبھی سوز عشق سے شمع صفت جلتے اور پگھلتے ہیں تو کبھی شمع حسن پر پروانہ وار جان دیتے ہیں۔ غرض جلنا ان کا اوڑھنا بچھونا اور مرنا ان کی زندگی کا تار و پود ہے۔ غنیمت کا محبوب عشاق شماری کا ارادہ رکھتا ہے، مگر شاعر اسے ایک خطرناک مہم جان کر محبوب کو منع کرتا ہے، اور کہتا ہے:

میری عاجزانہ گزارش ہے کہ اس مہم کا خیال ترک کر دیجئے کیونکہ ایک ایک جان نثار بھڑکتی ہوئی آگ کا تنور اور دھکتے ہوئے کوئلوں کا لاوا ہے۔ ادھر آپ نے انگلی اٹھائی ادھر وہ موم کی طرح پگھلی۔

اگلے شعر میں اسی مضمون کو دوسرے پیرائے سے ادا کرتا ہے:

زدم بہ سینۂ سوزان خویشتن دستی
به رنگ سیخ فرو رفت در کباب انگشت (۲۰)

عشق کی سوزش اور محبت کی تپش میں جو گرمی ہے وہ جہنم کو بھی میسر نہیں، مگر باوجود اس کے عاشق زندہ ہے، چلتا پھرتا ہے، اٹھتا بیٹھتا ہے۔ غنیمت اسے فریب نظر جانتا ہے، چنانچہ کہتا ہے کہ میں نے ایک دن اپنے سینے پر ہاتھ مارا تو انگلیاں اس طرح اندر دھنس گئیں جیسے کباب میں لوہے کی سیخ۔

پانچواں شعر ہے۔

بہ رنگ غنچہ دهد بوی گل سر انگشتم
شبی کہ باز کند بند آن نقاب انگشت (۲۱)

نامراد عاشق کی زندگی میں ایک آدھ دن ایسا بھی آتا ہے جب اسے وصال یار نصیب ہوتا ہے۔ حسن اتفاق سے غنیمت کو بھی وہ دن نصیب ہوا، اور اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر محبوب کے نقاب کے بند کھول ڈالے۔ ذرا اس فردوسی لمحے کا تاثر ملاحظہ فرمایئے:

"جب سے مجھے محبوب کا نقاب الٹنے کا موقع ملا ہے میری انگلی گلاب کی خوشبو سے اس طرح بھر گئی ہے۔ جیسے کہ غنچہ بوئے گل سے لبریز ہوتا ہے"۔

چھٹا شعر ہے:

ورق دل و رقم از آہ شعلہ انشا شد
بہ سہو تا نہ گذاری برین کتاب انگشت (۲۲)

دل کو کتاب تو سبھی کہتے ہیں، غنیمت نے اس پر آہ شعلہ سے کچھ لکھ بھی دیا۔ اب شاعر محبوب کو خبردار

کرتا ہے کہ دیکھئے آپ اس کتاب پر انگلی نہ رکھئے گا۔ آپ کی نزاکت اس شعلۂ آہ کی حریف نہیں ہو سکے گی جو ان حروف کی سیاہی ہے۔

مقطع ہے:

چو التماس نگاه کرم غنیمت کرد
گذاشت یار بر آن چشم نیم خواب انگشت [۲۳]

غنیمت کے سنگ دل محبوب کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ادھر عاشق نے نگاہ کرم کی التجا کی ادھر اس نے آنکھوں پر انگلی رکھ کر منہ پھیر لیا۔

اس غزل کے تجزیے سے آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ قافیے کی تبدیلی اور ردیف کی تکرار سے غنیمت نے خیال آفرینی کا کیا عمدہ نمونہ پیش کیا ہے۔

شعراء سے موازنہ

فغانی:

غنیمت نے اپنے دیوان میں جن لوگوں کے تتبع کا دعویٰ کیا ہے اس میں تاریخی لحاظ سے بابا فغانی شیرازی کا نمبر پہلا ہے۔ فغانی نویں صدی ہجری کے دوسرے نصف میں شیراز میں پیدا ہوا۔

غنیمت نے شعر کہنا شروع کیا تو فغانی فارسی زبان کا صاحب طرز استاد تسلیم کیا جا چکا تھا، چنانچہ جو آدمی بھی شعر کہنے لگتا، فغانی کی طرز اپنانے کی کوشش کرتا۔ حسب دستور غنیمت نے بھی ایسا ہی کیا [۲۴]۔ اور حسب استعداد کچھ غزلیں اس کی غزلوں کے تتبع میں کہیں۔ فغانی کی ایک غزل کا قافیہ شراب، آب اور کتاب وغیرہ اور ردیف تلخ ہے۔ یہ غزل سات اشعار پر مشتمل ہے۔ غنیمت نے اسی زمین میں چھ اشعار کی ایک غزل کہی ہے، اسے شاعر کی قادر الکلامی کا اعجاز کہنا چاہیے کہ وہ ایسے عظیم المرتبت استاد کے جواب میں ایسے عمدہ اور برجستہ اشعار نکالنے میں کامیاب ہو سکا، پہلے فغانی کا مطلع سنیے:

تا کی بہ زیر چشم کشیدن شراب تلخ
شیرین نمی شود دهن ما ز آب تلخ [۲۵]

غنیمت کا مطلع ہے:

دوش از لب پیالہ بہ جای شراب تلخ
بی لعل دلکش تو کشیدم عتاب تلخ [۲۶]

فغانی کے پہلے مصرعے میں بزیرِچشم کشیدن کا ٹکڑا واضح نہیں، اس کے مقابلے میں غنیمت کا شعر بالکل صاف ہے۔ فغانی کے دوسرے شعر میں عتاب کا قافیہ استعمال ہوا ہے، چونکہ اس کا مفہوم کسی حد تک غنیمت کے شعر سے ملتا ہے، اسی لئے وہ بھی سن لیجئے:

تلخی مکن کہ بر دل ما تلخ می کنی
شیرینی کرشمہ بہ ناز و عتاب تلخ [۲۷]

اس شعر میں تلخ کی تکرار سے جو بے کیفی پیدا ہوئی، ناز تلخ کی ترکیب نے اسے اور ناگوار بنا دیا ہے۔
فغانی کا تیسرا شعر ایک عامیانہ خیال ہے، جس میں شاعر کا صرف اتنا حصہ ہے کہ اسے شعر کے قالب میں ڈھال دیا ہے اور طرفہ یہ کہ طرز ادا میں بھی کوئی جدت نہیں کہ ناگواری کسی حد تک کم ہو جاتی ہے، کہتا ہے:

ما بوسہ خواستیم و تو دشنام می دھی
شیرین نماید از لب شیرین جواب تلخ [۲۸]

غنیمت نے اس عام خیال کو کہ صوفیوں اور واعظوں کے دل کینے اور حسد کی برائی سے اس وقت تک صاف نہیں ہو سکتے جب تک وہ اس جامۂ ریا سے دست کش نہ ہو جائیں، جدت ادا کے زور سے زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے:

صوفی ز درد کینہ دلت صاف کی شود
تا آنکہ نگذری ز نمد چون شراب تلخ [۲۹]

چوتھا شعر ہے:

عشاق راست در پی ھر ساغر فراق
از دیدہ نقل شور و ز دل ھا کباب تلخ [۳۰]

غنیمت نے یہ قافیہ تو نہیں، اس کی بجائے خواب کا قافیہ استعمال کیا ہے، سنئے کیا کہتا ہے:

غیرت اگر فسانۂ فرھاد سر کند
شیرین شود بہ دیدۂ پرویز خواب تلخ [۳۱]

فرہاد کی رقابت سے پرویز کی نیند حرام ہو گئی تھی، وہ اکثر وحشتناک خواب دیکھتا اور راتوں کو جاگ اٹھتا۔ شاعر کو پرویز کی اس بے خوابی سے ضرور ہمدردی ہے، لیکن اسے اس کا رنج بھی ہے کہ تصویر کا دوسرا رخ اس کی آنکھوں سے کیوں اوجھل ہے اور فرہاد کی عبرت ناک ناکامی سے کیوں اس نے سبق نہیں لیا۔ جو کچھ اس بے نصیب پر گذری، کیا اس میں پرویز کے لئے سامان بصیرت نہیں، کہ حسن اتفاق سے اسے تلخ نتائج کا نشانہ نہ

بنا پڑا۔ چنانچہ کہتا ہے کہ اگر پرویز فرھاد کی سرگذشت کو سن پائے تو رقابت کی تمام تلخیوں کو بھول جائے۔ فلسفیوں کے اس نظریے کی کہ ہر شر میں خیر کا پہلو موجود ہوتا ہے اور انسان کو دنیا میں جو تکلیف بھی پیش آتی ہے، اکثر اس کا رد عمل نہایت عمدہ ہوتا ہے، اس سے بہتر مثال اور کونسی ہو سکتی ہے، اس میں شبہ نہیں کہ فغانی کا شعر بھی برا نہیں۔ بالخصوص دوسرا مصرعہ ضرور قابل داد ہے، لیکن اس میں وہ بات کہاں ہے، جو غنیمت کے یہاں پائی جاتی ہے۔

ہجر یار میں بدنصیب عاشق پر جو کچھ گزرتی ہے، اگر آپ اس دل دوز نظارے کی حد دیکھنا چاہیں تو تصور کی وسعتوں کو ذرا پھیلا دیجئے۔ آپ جھٹ سے اس سرزمین میں پہنچ جائیں گے جہاں یہ خانہ بر انداز مخلوق بستی ہے۔ اس کی قیامت خیز فضا میں سانپ کی زہرناکی اور جوہری بموں کی جھلسا دینے والی تابناکی پائی جاتی ہے۔ شاعر ہم سے زیادہ حساس مخلوق ہوتا ہے، اس کے احساسات لطیف تر اور اس کے جذبات مقابلتاً تندتر ہوتے ہیں، چنانچہ اس کے شب و روز جس تلخی سے دوچار ہوتے ہیں، اس کا عکس فغانی کے کلام میں دیکھئے:

شب جام بی خودی و سحر زهر نیستی
آه این چه زندگی بود و خورد و خواب تلخ [۳۲]

بلاشبہ فغانی کا یہ شعر غنیمت کے شعر کے مقابلہ میں جسے ہم پیش کرنے لگے ہیں۔ زیادہ جامع، واضح اور صاف ہے:

در امتحان بی خودی تلخ کام هجر
گردد روان ز چشمهٔ آئینه آب تلخ [۳۳]

اگرچہ چشمۂ آئینہ سے آنسوؤں کا رواں ہونا انتہائی مبالغہ ہے اور خوب ہے لیکن فغانی کا پہلا مصرعہ بہت بلند ہے۔

حسن اتفاق سے دونوں شاعروں کا اگلا شعر ہم قافیہ ہے، اس لئے اہل ذوق کے لئے باہمی موازنہ کا نہایت عمدہ موقع ہے، فغانی کا شعر ہے:

درد دلم ز بی خودی غم برون دهد
از کاسه های دیدهٔ گریان گلاب تلخ [۳۴]

شعر کا مفہوم واضح ہے، یعنی غم کی وجہ سے شاعر کے دل سے دھواں اُٹھ رہا ہے، جس کے اثر سے اس کی رونے والی آنکھوں سے تلخ گلاب کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ اب غنیمت کا الہام سماعت فرمایئے:

آید به سیر باغ به این زهر چشم اگر
ریزد برون ز دیدهٔ بلبل گلاب تلخ [۳۵]

آید کا فاعل محبوب ہے۔ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر محبوب ان قہر آلود آنکھوں سے باغ کی سیر کو گیا تو اس کی زہرناکی کے اثر سے بلبل کی آنکھوں سے تلخ گلاب ٹپکنے لگے گا۔ اس شعر میں صنعت مراعاۃ النظیر ہے، یعنی باغ اور بلبل کے ذکر نے ذکر گلاب کے لئے جواز پیدا کر دیا، جس کا فغانی کے یہاں پتہ نہیں۔ اب صرف مقطع کا لکھنا باقی رہ گیا ہے۔ فغانی کا مقطع بیت الغزل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سنیے اور لطف اٹھایئے:

از دل سواد صبر فغانی زگریه شست
در آب شور به ورق این کتاب تلخ (۳۶)

صبر کو سواد (سیاہی) کہہ کر شور بہ سے دھونا کتنا فطری عمل ہے، اور حق یہ ہے کہ دوسرا مصرع "در آب شور بہ ورق این کتاب تلخ" ساری غزل کی جان ہے۔

غنیمت کا مقطع بالکل بے کیف ہے۔ لیکن لکھے بغیر چارہ نہیں:

آنجا که حرف صائب شیرین سخن رود
شرط ادب نبود غنیمت جواب تلخ (۳۷)

نظیری:

فغانی کے بعد دوسرا نمبر نظیری کا ہے۔ اس بادشاہ سخن کی زندگی کا بیشتر حصہ خانخانان کی مصاحبت میں بسر ہوا، جو اپنے عہد کا حاتم تھا اور جس کی دریا بخشیوں نے شاعر کو این و آن کی دریوزہ گری سے بے نیاز کر دیا تھا۔ نیز درباری فضا میں فیضی اور ابوالفضل کا طوطی بول رہا تھا۔ نظیری کو ایک آدھ دفعہ بار کا موقع ملا۔ تو وہاں کی فضا سے جسے رقابت، حسد اور بے دینی کے بس نے مسموم بنا رکھا تھا دل برداشتہ ہو گیا۔ اور حق یہ ہے کہ دربار کی رقابتیں اور امرا کی چشمکیں اس بوریا نشین عافیت کے بس کا روگ نہ تھا۔ اکبری عہد شاھان ھند کا زرین زمانہ شمار ہوتا ہے۔ بڑے بڑے فضلا اور صاحب علم دربار میں جمع تھے۔ چاروں طرف ھن کی بارش ہو رہی تھی، مگر نظیری کے لئے اس شاہانہ ٹھاٹھ اور خسروانہ شان و شوکت میں کوئی کشش نہ تھی۔ وہ اپنے طور پر شعر و سخن کی خدمت میں مصروف رہا، اور ایسا لازوال ورثہ چھوڑ گیا، جس کی نظیر آج تک پیدا نہیں ہو سکی۔

غنیمت اور نظیری کے درمیان تقریباً پچاس برس کا زمانہ حائل ہے۔ نصف صدی کے اس عرصے میں بڑے بڑے اہل کمال وارد ہند ہوئے۔ کچھ واپس چلے گئے، اور کچھ یہیں کی دامن گیر خاک میں پیوست ہو گئے۔ کلیم اور صائب اسی دور کی پیداوار ہیں۔ ان صاحبان کمال کے باوجود شعرا نظیری کی استادی پر فخر کرتے۔ اس کی غزلوں کے تتبع میں غزلیں کہتے اور اسے اپنے لئے سرمایہ ناز خیال کرتے تھے۔ غنیمت بھی اس میدان کا مرد تھا، چنانچہ اس نے طبع آزمائی کی (۳۸)۔ اور شرط انصاف یہ ہے کہ جو کچھ کہا وہ سزاوار صد ستائش و آفرین ہے۔

نظیری نے ردیف میم میں نوشعر کی ایک غزل کہی ہے، جس کا مطلع ہے:

ساقی بہ زحمت آمدہ ام تا بہ پای خم
یک کاسہ می بیار و گر ہست لای خم (۳۹)

خیال اور طرز کے لحاظ سے شعر بالکل معمولی ہے۔ اب غنیمت کا مطلع سنیئے:

گر بشنوی بہ گوش دل ما صدای خم
سر برنگیری از در دولت سرای خم (۴۰)

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم دل کے کانوں سے سبوی شراب کی آواز سنو تو تم کبھی شراب خانے کی دہلیز سے سر اوپر نہیں اٹھاؤ گے۔ غنیمت کا مطلع ہر لحاظ سے نظیری کے مطلع سے زیادہ صاف اور بلند ہے۔ بالخصوص دوسرے مصرع میں ''در دولت سرای خم'' کا ٹکڑا از بس لطیف ہے۔

چونکہ دونوں غزلوں میں نہ تو اشعار کی تعداد مساوی ہے اور نہ سب اشعار ہم قافیہ ہی ہیں، جن سے موازنہ بہ آسانی ہو سکتا، اس لئے ترتیب اشعار سے قطع نظر کر کے پہلے ہم قافیہ اشعار کو تبصرے کے لئے پیش کیا جاتا ہے اور بعد میں ہم مضمون اشعار کو تاکہ ہر دو اساتذہ سخن کے زور طبع کا اندازہ ہو سکے۔ نظیری کا شعر ہے:

گر خم شکست محتسبم غم نمی خورم
کافی است یک کرشمۂ ساقی بہ جای خم (۴۱)

غنیمت اسی خیال کو یوں ادا کرتا ہے:

از یاد چشم مست تو لبریز بادہ ام
مستانہ می روم کہ نشینم بہ جای خم (۴۲)

سبوی شراب کے ٹوٹنے سے جسے محتسب کی کارستانی کہنا چاہیے، نظیری کو کوئی پریشانی نہیں، کیونکہ محبوب کی نرگسی آنکھ میں شراب کی تاثیر ہوتی ہے۔ عاشق کو اسی میخانہ مستی کی یاد آنے کی دیر تھی کہ بدمستی سے جھومنے لگ گیا۔ غنیمت کی کوشش بہت عمدہ ہے، بالخصوص دوسرے مصرع کی خوبی ادا اور جدت خیال کی تعریف ممکن ہی نہیں۔

نظیری کا شعر ہے:

تا ہست باغ و می کدہ از غم پناہ ہست
یا زیر گل شویم نہان یا قفای خم (۴۳)

غالباً اس غزل میں یہ بہترین شعر شمار ہو سکتا ہے۔ غنیمت کی غزل کا دوسرا شعر ہے:

بوسیدنی است همچو لب جام در بهار
دست سبوی و گردن مینا و پای خم (۴۴)

بلاشبہ یہ شعر تعریف سے قطعاً بے نیاز ہے اور ایسے ہی اشعار کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک شعر سارے دیوان پر بھاری ہے۔

نظیری پیرمی فروش کا شکر گزار ہے کہ شراب کے طفیل اس کی طبیعت سے خست اور تنگ دلی کا مرض دور ہو گیا، چنانچہ کہتا ہے:

چشم غنی شد از کرم پیر می فروش
طبعم کریم شد زدم دل کشای خم (۴۵)

افلاطون کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ مشکل اور ادق فلسفی مسائل کے متعلق سوچنا چاہتا، تو مٹکے میں بیٹھ جاتا اور اوپر سرپوش رکھ دیتا تاکہ خیالات کو یکسوئی میسر آسکے۔ غنیمت کہتا ہے کہ ہمارے دور کی رسوم قطعاً اس سے مختلف ہیں۔ اب تو اگر کوئی خم شراب کے پاس سے بھی گزر جائے تو وہ دانا تر ہونے کی بجائے الٹا ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے۔ ایسا عام خیال اور ایسا پیارا انداز بیان:

برعکس روزگار فلاطون به عهد ما
بیگانه می شود از خرد آشنای خم (۴۶)

نظیری بھی بدمست ہے اور حریف بھی۔ ظاہر ہے کہ جب اس کیف کا نشہ اتنا عام ہے کہ شاعر کے حریف بھی جنہیں وہ خاطر میں بھی نہیں لاتا۔ اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، تو خود اس کی کوئی خصوصیت نہ رہی، اس لئے اس کا اترانا بیجا اور حریفوں کو بنظر حقارت دیکھنا بے محل ہے۔ شاعر کو خود اس امر کا احساس ہے، چنانچہ کہتا ہے کہ گو بظاہر میرے حریف بھی سرشار دکھائی دیتے ہیں، لیکن دونوں کیفیتوں میں فرق ہے، ان کی بدمستی خم بادہ کی مرہون ہے تو میرے کیف کا سرچشمہ ماورائے خم:

مستی من زجنس حریفان دور نیست
نوشم می از قرابهٔ دیگر ورای خم (۴۷)

بہار کی ہوا کچھ اس طرح کی کیف آور اور جنون انگیز ہوتی ہے کہ بڑے بڑے زاہدان مرتاض کا دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ بعض لوگ موسم کی دلچسپیوں میں شراب کا پیوند لگا کر اسے دو آتشہ بناتے ہیں تو کچھ شباب کی آگ کو بھڑکانے کے لئے اس کا جواز پیدا کرتے ہیں۔ غنیمت کا زاہد بھی گوشت پوست کی مخلوق ہے۔ بہار کی گھٹا جھوم کر اٹھی، آخر آدمی تھا لہرا گیا اور دیکھتے دیکھتے پارسائی کی قبا تار تار ہو گئی:

امشب رطوبتی است هوا را که زهد خشك
شد تہ نشین خاطر زاهد چو لای خم [۴۸]

نظیری کا شعر ہے:

پیمانگی کند فلکم مہر قطرگی
گردون صلای جام زند من صلای خم [۴۹]

نظیری آسمان کو جام کہہ کر آفتاب کو قطرے سے تشبیہ دیتا ہے، اور پھر آسمان سے موازنہ کر کے خود کو اس سے بہتر خیال کرتا ہے کہ آسماں لوگوں کو صلائے جام دے رہا ہے، تو میں صدائے خم دے رہا ہوں۔

شاعرانہ روایات کی رو سے بادہ، خم بادہ اور میکدہ کو جو خاص احترام حاصل ہے اس کی ایک جھلک غنیمت کے مندرجہ ذیل شعر میں ملاحظہ کیجئے۔ جس دن سے کہ خاک کو خم بادہ کی قدم بوسی کا موقع ملا ہے اس دن سے اس کا سرِ افتخار آسماں سے جا لگا ہے:

می بود خاك را بہ فلك سر ز افتخار
روزی کہ می نمود ارادت بہ پای خم [۵۰]

نظیری کا مقطع ہے:

در حرص نان چو مور نظیری چہ ماندہ ای
طاؤس می شود مگس اندر ھوای خم [۵۱]

غنیمت کہتا ہے:

سر ناورد فرو چو غنیمت بہ ھیچ رو
بیمار چشم یار بہ دار الشفای خم [۵۲]

نظیری کی غزل میں دو شعر اور بھی ہیں، لیکن ان کی حیثیت اتنی معمولی ہے کہ نقل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

آپ نے اس سرسری تبصرے سے دیکھ لیا ہوگا کہ کم از کم اس ایک منزل میں غنیمت کا پلہ ہر لحاظ سے بھاری رہا، بلکہ حسن اتفاق سے اس کا ہر شعر کسی نہ کسی خوبی کا حامل ہے۔ اس کے مقابلے میں نظیری کی غزل اتنی معمولی پایہ کی ہے کہ اس کا انتساب بھی ایسے جلیل القدر اہل فن کی طرف درست نہیں معلوم ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ غنیمت نے اس زمین میں طبع آزمائی کرتے وقت بہت زیادہ غور و غوض کیا ہو یا عمداً غزل ہی ایسی انتخاب کی ہو، جس کی دروبست ڈھیلی اور جس کے خدوخال معمولی ہیں۔

صائب:

مرزا صائب، شاہ جہان کے عہد میں ہندوستان آیا اور مرزا ظفر خان گورنر کابل کی وساطت سے شاہی دربار تک رسائی ہوئی لیکن جلد ہی ایران واپس چلا گیا۔ چونکہ بلند پایہ صاحب طرز شاعر تھا، اس لئے شہرت کے پر لگا کر اُڑا اور ہندوستان اور ایران کی فضا پر چھا گیا۔ ایران کی حکومت ان دنوں صفوی خاندان کے بادشاہ عباس دوم کے زیر نگیں تھی۔ صائب کی واپسی ایک اچھا فال تھا۔ دربار میں طلبی ہوئی، ملک الشعرائی کا منصب انتظار میں تھا۔ اس سے پہلے ایران کئی باکمالوں سے محروم ہو چکا تھا۔ عباس دوم کی عاقبت اندیشی نے اس صاحب کمال کو روک لیا اور صفوی خاندان کی پیشانی شہرت پر کلنک کا ٹیکہ لگتے لگتے رہ گیا۔

غنیمت نے جہاں اپنے اور کئی پیشرو شاعروں کے تتبع میں غزلیں کہیں وہاں صائب کی طرز بھی اپنانے کی کوشش کی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باکمال کا بہت سا کلام ضائع ہو گیا ہے [۵۳]۔ اور اہل ہندوستان تک اس کے بہت کم اجزا پہنچ سکے ہیں۔ ہمارے سامنے اس وقت صائب کا جو نسخہ ہے اس کے کل ایک سو پچاس صفحے ہیں۔ اکثر و بیشتر غزلیں ناتمام ہیں۔ ممکن ہے ایران میں اس دیوان کی وہ صورت نہ ہو جو یہاں ہے [۵۴]۔ یہ نسخہ کانپور میں ۱۸۹۳ میلادی میں چھپا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان مجموعۂ کلام نہیں، بلکہ انتخاب کلام ہے۔ جس میں صرف ایسے اشعار جمع کر دیئے گئے ہیں جن کا تعلق یا تو اخلاقیات سے ہے اور یا روحانیت سے اور جن میں شباب کی سرخوشی اور عشق کی بدمستی کا یا تو قطعاً ذکر نہیں اور اگر کہیں ہے تو ایسے آدمی کی زبان سے جو اس کوچے سے بہت کم واقف ہے۔ ہم نے کوشش کی کہ کوئی ہم طرح غزل مل جائے تو قارئین کو دو استادان سخن کی جولانی فکر کا تماشا دکھائیں، لیکن افسوس کہ کامیابی نہ ہو سکی۔ ممکن ہے، صائب کے دیوان میں ایک یا چند غزلیں ایسی ہوں جن کے تتبع میں غنیمت نے خامہ فرسائی کی ہو، لیکن دیوان صائب کے مطالعہ سے اس حقیقت کے باور کرنے میں تامل ہوتا ہے، کیونکہ مجھے ان دو شاعروں کے رنگ تغزل میں زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوا۔ صائب اخلاق، پرہیزگاری اور پارسائی کا مبلغ ہے۔ اس کے مطبوعہ دیوان میں چاروں کھونٹ انہی خیالات کا پرچار ہے۔ بلکہ اگر آپ یوں کہیں کہ قصائد سعدی کو غزل کے قالب میں ڈھال دیا گیا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس کے مقابلے میں غنیمت عالمگیری عہد کا شاعر ہوتے ہوئے بھی عام انسانوں کا شاعر ہے۔ محبت کے اونچ نیچ، عشق کے نشیب و فراز سے آشنا ہے۔ اگر فراق کی زہرناک تلخیوں سے واسطہ پڑا ہے، تو وصال کی حیات بخش لذتوں سے بھی محروم نہیں رہا۔ آہ کی بے اثری اور نالہ کی نارسائی اس سے مخفی نہیں۔ آرزوئیں ارمانوں میں اور خواہشیں حسرتوں میں تبدیل ہوتے دیکھی ہیں۔ ہجر کی طول طویل راتیں جو دامن قیامت سے دامن باندھے تھیں، رو رو کر بسر کی ہیں، تو وصل کی راتیں بھی رقیب کے ڈر اور محتسب کے خوف سے آنکھوں میں گزار

دیں اور یقین مانیئے کہ یہ دو وہ مقام محمود ہیں جہاں پہنچ کر شاعر کا کلام الہام بن جاتا ہے۔

قاسم دیوانہ:

قاسم دیوانہ مشہدی مرزا صائب کا شاگرد تھا۔ غنیمت (۵۵) نے اس دیوانہ بکار خویش ہوشیار کے تتبع کا بھی دعویٰ کیا ہے، اور دونوں اہل فن کے دیوانوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غنیمت اور قاسم کی طبائع میں اتنی ہم آہنگی اور طرز ادا میں ایسی مکمل یکسانیت ہے کہ اگر دونوں شاعروں کے تخلص کو علیحدہ کر کے دیوان کو ملا دیا جائے، تو یہ دو قالب ویسے یک جان ہو جائیں کہ بڑے سے بڑا نقاد بھی شاید ہی امتیاز کر سکے۔ آیئے اس مجذوب کی ایک آدھ بڑ سن لیجئے:

چنین اگر آتشین سیلاب اشکم با شتاب آید
زمین خانه ام نازک تر از بام حباب آید
نباشد خالی از دود جگر پیغام مشتاقان
کشایی چون سر مکتوب ما بوی کباب آید
مرا با یاد او آسوده نگذارند یك ساعت
رود گر آفتاب از خانۀ من ماهتاب آید
ز تاثیر فغان آتشن بر عکس شد کارم
کنم در کوه اگر فریاد از دریا جواب آید (۵۶)

اب چار شعر غنیمت کے بھی اس زمین میں گوش گزار کرتا ہوں:

شبی کز یاد چشم مست او دل کامیاب آید
چو نام خویش گیرم از دهن بوی شراب آید
کند گر بر لب جو جلوۀ انعام دیدنها
هوا نور نظر گر دیده در چشم حباب آید
ز جام اتحاد عالمی می خورده ام گویی
دل هر کس که می سوزد ز من بوی کباب آید
به کهساری که از شوق گل روی تو می گردم
اگر سازند مینای ز سنگش بر گلاب آید (۵۷)

آپ نے دیکھ لیا کہ دونوں فنکار کس طرح ایک ہی طریق پر سوچتے اور ایک ہی طرز پر اظہار خیال

کرتے ہیں۔ دونوں ایک ہی تیر کے زخم خوردہ اور ایک ہی شمشیر کے گھائل ہیں، دونوں کا فیضان ایک ہی سرچشمہ کا ممنون اور ایک ہی منبع فیض کا مرہون ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہمارا فن کار بار بار ایرانی جادو نگار کا ذکر کرتا ہے۔ کچھ رجحان طبع کا تقاضا تھا، تو کچھ پیہم عشق کا کہ ہمارے ہیرو نے خود کو اس طرح اس ایرانی سانچے میں ڈھال لیا کہ ما و تو کی تمیز اٹھ گئی۔ یہی مکمل غنیمت اور بہمہ وجوہ ہم آہنگی ہی وہ مقام جلیل ہے جس کے لئے برسوں کی محنت شاقہ اور سالہا سال کی خامہ فرسائی بھی بعض اوقات دل خواہ نتائج پیدا کرنے میں پورے طور پر کامیاب نہیں ہوسکتی۔

ناصر علی سرہندی:

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں (صفحہ ۱۰۰۶ پر) ناصر علی سرہندی کا سال پیدائش ۶ رمضان ۱۱۰۸ ہجری مطابق ۱۹ مارچ ۱۶۹۷ میلادی درج ہے، اور غنیمت کی وفات جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں، بالاتفاق اس سال سے پہلے ہو چکی تھی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ غنیمت ناصر علی کا ہم عصر ہونے کی بجائے اس کا پیش رو ہے، جو کسی طرح بھی درست نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ دیوان غنیمت میں ایسی شہادت موجود ہے جس کی بنا پر ہم بہ وثوق کہہ سکتے ہیں کہ غنیمت نے ناصر علی کے تتبع میں بھی غزلیات کہیں، جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ ناصر علی کو غنیمت پر تقدم زمانی حاصل تھا، یہ اور بات ہے کہ اس تقدم کی مدت دس بارہ برس سے زیادہ نہ ہو اور اگر دونوں کو معاصر تسلیم کیا جائے، جب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ جب غنیمت نے شعر کہنا شروع کیا، یقیناً یہ وہی زمانہ ہوگا جب ناصر علی کی استادی کی شہرت اوج کمال پر ہوگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ناصر علی کی سال پیدائش کے بارے میں مقالہ نویس کو سخت اشتباہ ہوا[۵۸]۔ آیئے ہمارے بیان کی تائید خود غنیمت کی زبان سے سنیئے۔

نیست ہم طرح علی بودن غنیمت قدرتم
معصرعی رنگین نشد تاخون نشد اندیشہ ھا[۵۹]

ایک دوسری جگہ کہتا ہے:

پرسش حال علی کردم غنیمت دوش گفت
"کشتۂ وضع خودم از طبع آزادم مپرس"[۶۰]

ایک اور شعر سنیئے۔

غنیمت دل بر احوال علی سوزد کہ می گوید
"درون بیضہ چون پروانہ، فانوس می تابم"[۶۱]

یہ یقینی ہے کہ جب غنیمت نے نغمہ سرائی شروع کی تو ناصر علی کی شاعری کی گونج ہر طرف سنی جا رہی تھی

اور اہل ذوق اس معجز بیان کی زمزمہ پردازی سے مسحور ہو چکے تھے۔ ایک نوآموز کے لئے ایسی گھٹی گھٹی فضا میں زبان کھولنا ہی بڑے دل گردہ کا کام تھا۔ ایسے تجربہ کار اور کہنہ مشق استاد کی ہمسری کا دعویٰ کرنا بذات خود ہی ایک قابل تعریف جرأت ہے۔ قاسم دیوانہ اور ناصر علی میں کئی امور قدر مشترک کا حکم رکھتے ہیں۔ ہاں یہ فرق ہر جگہ محسوس ہوتا ہے کہ ناصر کا رنگ زیادہ شوخ اور خیالات میں زیادہ سنجیدگی اور گہرائی پائی جاتی ہے۔ غنیمت ان دونوں کے بین بین ہے۔ قاسم دیوانہ کے مقابلے میں غنیمت یقیناً زیادہ پختہ کار اور شیریں نوا ہے۔ ادھر ناصر علی اور غنیمت میں تقریباً یہی نسبت ہے۔ ہاں اس سے گنجائش انکار نہیں کہ بعض اشعار میں غنیمت کی بلندی فکر اسے بہت اونچا لے جاتی ہے۔

ناصر نے ''مخمورم ھنوز'' اور ''ناسورم ھنوز'' کے قافیہ و ردیف کی پابندی سے سولہ شعروں کی ایک غزل کہی ہے۔ غنیمت نے اس کے جواب میں دس شعر کہے ہیں۔ یہ غزل غنیمت کی طویل غزلوں میں شمار ہوتی ہے۔ عموماً اس کی غزلیں سات آٹھ اشعار پر مشتمل ہوتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ناصر کے سولہ اشعار نے اس سے دس شعر کہلوائے اور کم و بیش وہی قافیے استعمال کئے جو ناصر کی غزل میں استعمال ہوئے تھے۔

اب ہم ذیل میں دونوں استادان فن کے ہم قافیہ اشعار کو قارئین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کرتے ہیں۔ ناصر کا مطلع ہے:

یار در آغوش دل می جوشد و دورم هنوز
صد تجلی ساقی بزم است و مخمورم هنوز [۲۲]

غنیمت نے اسی قافیہ کو یوں سمویا ہے۔

می توانم کشتۂ تیغ نگاهت را شناخت
حلق بسمل می نماید چشم مخمورم هنوز [۲۳]

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ میں محبوب کے کشتۂ نگاہ کو اس طرح پہچان لیتا ہوں کہ مقتول کا حلق یار کی مست نگاہوں کی تاثیر سے چشم مخمور کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ غنیمت بلاشبہ دور کی کوڑی لایا ہے لیکن ناصر کے مطلع اور بالخصوص دوسرے مصرع کے خط و خال اتنے تیکھے ہیں کہ غنیمت کی کوشش خالص بھرتی معلوم ہوتی ہے۔

دوسرا شعر ہے:

شوخی بویش صبا را از طپیدن کرد خون
دام دارد در غبار سینه ناسورم هنوز [۲۴]

شعر کا مطلب یہ ہے کہ محبوب کی خوشبو میں اتنی شوخی ہے کہ باد صبا کا دل بے قراری سے خون ہو گیا۔

(صبا کا تڑپنے سے خون ہونا محل نظر ہے) چنانچہ اسی خوشی کو زیر دام لانے کے لئے میں نے سینے میں ناسور کا دام بچھا رکھا ہے۔ غنیمت نے اس قافیے کو یوں باندھا ہے:

نگهت زلف که مشك افشان داغم کرد و رفت
در طواف خویش گردان است ناسورم هنوز (۶۵)

اگر کستوری کو زخم پر چھڑکا جائے تو تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے یہ کس کی زلفوں کا اعجاز ہے کہ جب سے اس نے میرے داغ پر مشک افشانی کی ہے، ناسور سینہ گرداب کی طرح شدت سرور سے خود اپنا طواف کر رہا ہے۔ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ غنیمت کا شعر بہت اعلیٰ درجہ کا ہے۔

ناصر کہتا ہے:

شیشهٔ دل رفت از دستم نمی دانم چه شد
بزم لبریز است از فریاد منصورم هنوز (۶۶)

یعنی بے خودی عشق نے مجھ پر ایسا غلبہ پایا کہ عنان اختیار ہاتھ سے نکل گئی، چنانچہ اب یہ حالت ہے کہ ہر طرف سے انا الحق کی آواز آ رہی ہے۔

غنیمت کا شعر ہے:

توتیای دیدۂ گرداب شد خاکسترم
راستی ها می کشد تا دار منصورم هنوز (۶۷)

مطلب شعر یہ ہے کہ گو زمانے نے مجھے پیس کر چشم گرداب کا سرمہ بنا دیا ہے لیکن پھر بھی راست گوئی کی سزا میں مجھے دار منصور پر لٹکانے لئے جا رہے ہیں۔ ہماری رائے میں بنیادی خیال اور طرز ادا کے لحاظ سے ناصر کا شعر بہت بلند ہے۔

اگلا شعر ہے:

رفت گرد سایه از فرش جهان سیلاب صبح
خاك بر سر می فشاند شام دیجورم هنوز (۶۸)

یعنی گو تمام دنیا آفتاب کی روشنی سے جگمگا اٹھی ہے لیکن میری شب دیجور کی حالت بدلنے کا نام نہیں لیتی۔

بالکل اسی خیال کو غنیمت نے انوکھے پیرائے میں یوں ادا کیا ہے:

دیدۂ صبح قیامت شد سفید از انتظار
سرمه ریزد چشم انجم شام دیجورم هنوز (۶۹)

یہ کتنا غضب ہے کہ صبح قیامت کی آنکھیں تو انتظار یار میں سفید ہوگئیں، لیکن میری شام دیجور کی نوک پلک میں کوئی فرق نہیں آیا، اور اس کی سرمئی سیاہی میں ستارے اسی طرح چمک رہے ہیں۔ غنیمت کا پیرایۂ بیان ضرور انوکھا ہے لیکن خیال کی ندرت نہ وہاں ہے نہ یہاں۔

ناصر کا شعر ہے:

در سفر هر چند چون ریگ روان عمرم گذشت
از وصال کعبه چون سنگ نشان دورم هنوز (۷۰)

جس طرح ریت کا ذرہ ذرہ اور دانہ دانہ ہر وقت سفر میں رہتا ہے، شاعر کی زندگی کا سیلاب بھی اسی طرح آہستہ آہستہ انجام پر جا پہنچا، لیکن منزل مقصود جتنی دور پہلے دن تھی اتنی ہی دور آج ہے، کیونکہ انسان کے مقاصد حیات کچھ اس طرح دامن قیامت سے دامن باندھے ہوتے ہیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتے۔

غنیمت کہتا ہے:

گرچه مشت خاک من از ناله ام برباد رفت
آسمان بوسد زمین عجز را دورم هنوز (۷۱)

اگرچہ حوادث زمانہ کے ہاتھوں میری مشت خاک غبار بن کر اڑ گئی، لیکن پھر بھی آسمان میری غفلت کے سامنے ادب سے پیشانی زمین پر گھستا ہے۔ حافظ نے کیا خوب کہا ہے:

سرم به دنیا و عقبی فرو نمی آید
تبارک الله ازین فتنه ها که در سر ماست (۷۲)

ہماری رائے میں غنیمت کا پلہ بھاری رہا۔

ذیل کے دو شعروں میں انگور کا قافیہ باندھا گیا ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں شعروں میں تعقید معنوی ہے اور دونوں شعر صوری اور معنوی لحاظ سے ایک ہی پایہ کے ہیں۔

ناصر کا شعر ہے:

بادۂ پیمانه ریز لاله از جام من است
کوچه گرد ریشۂ تاکی است انگورم هنوز (۷۳)

اب ذرا غنیمت کا شعر بھی سنئے:

صیرفی ساقی بزم طرب شد یك نظر
گریۂ مستانه دارد تاك انگورم هنوز (۷۴)

اب صرف ایک مشترک قافیہ رہ گیا ہے، اسے بھی سن لیجئے۔

ناصر:

چاك پیراهن قسم بر پاکی من می خورد
یوسفم رسوای عالم گشت و مستورم هنوز (۴۵)

اس شعر میں یوسف و زلیخا کے اس واقعہ کی تلمیح ہے جس میں زلیخا نے حضرت یوسف پر نعوذ باللہ ناجائز اقدام کا الزام لگایا تھا اور پھر اسی خاندان کے ایک بچے نے حضرت یوسف کی پاک دامنی کی شہادت دی تھی۔ شاعر کہتا ہے کہ میرا چاک دامن ہی میری پاک دامنی کا نا قابل تردید ثبوت ہے، چنانچہ اس واقعے کا یہ کتنا افسوس ناک پہلو ہے کہ میرا یوسف (ظاہر) اس ظاہری چاک دامنی کی وجہ سے رسوائے عالم ہو چکا ہے، مگر میرے باطن کی کیفیت لوگوں سے مخفی ہے۔ غنیمت اسی قافیہ کو یوں باندھتا ہے:

طرح صحرای قیامت کرد عشق از خاك من
در خیال خود غنیمت راز مستورم هنوز (۴۶)

پیرایۂ بیان مختلف ہے، ورنہ خیال کی نوعیت تقریباً وہی ہے، یعنی عشق نے میری مشت خاک میں وہ طوفانی خاصیت بھر دی کہ سینکڑوں فتنے اس کے پہلو میں اور ہزاروں قیامتیں اس کے جلو میں ہیں، لیکن سوء فہم سے ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہماری حیثیت ابھی راز مستور سے زیادہ نہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

عالم همه افسانۂ ما دارد و ما هیچ

قارئین نے اس مختصر سے تبصرے سے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ ہر دو صاحبان فن کا سمند قلم جب جولانی پر آتا ہے تو جوش مسابقت میں کس طرح ان کی ذہانت خداداد کے جوہر کھلتے ہیں اور کس جوش و خروش سے وہ ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جلال اسیر:

جلال اسیر اصفہانی بھی انہیں لوگوں سے ہے جن کے تتبع میں غنیمت نے غزلیں کہیں۔ جلال عباس دوم کا ندیم تھا۔ چنانچہ اسی تعلق نے اسے ایرانی دربار سے علیحدہ نہ ہونے دیا اور ہندوستان نہ آسکا۔ لیکن کمال فن کسی سیاسی آئین کا پابند نہیں۔ ہر چند ان دنوں آمد و رفت میں اتنی آسانیاں موجود نہیں تھیں جتنی کہ موجودہ سائنسی ایجادات کے طفیل آج کل میسر ہیں، لیکن باوجود رسل و رسائل کی دقتوں کے ایران اور ہندوستان میں ان دنوں اتنا بعد نہیں تھا جتنا کہ اب ہے۔ ہندوستان کی مثال اس خوان یغما کی طرح تھی جس سے ہر شخص بہ قدر استعداد و ظرف

فائدہ اٹھا رہا تھا، اس لئے علمی اور ادبی تحریکیں جو وقتاً فوقتاً سرحد کے آر پار رونما ہوتیں ان کے اثرات قافلوں کی آمدورفت کی وجہ سے بدیر وزود ہمسایہ ملک میں محسوس ہونے لگتے تھے۔

جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں نہ تو غنیمت کا سال پیدائش متعین کیا جا سکا ہے اور نہ سال وفات ہی۔ ہاں اتنا یقینی ہے کہ جب ۱۱۰۸ ہجری میں مرزا سرخوش نے اپنا تذکرہ مکمل کیا تو غنیمت بقید حیات نہیں تھا، مرزا جلال اسیر کا سال وفات بالاتفاق ۱۰۴۹ ہجری ہے اور احتمال ہے کہ اسی عشرہ میں یا کچھ بیشتر غنیمت پیدا ہوا ہوگا۔ گویا جب غنیمت نے شعر کہنا شروع کیا تو جلال اسیر کو مرے کم وبیش بیس پچیس برس گذر چکے تھے۔ مرزا یقیناً ان لوگوں سے نہیں تھا جن کے فکری کارنامے ان کے ساتھ ہی دفنا دیئے جاتے ہیں۔ ناصر کم وبیش اس کا معاصر تھا، تو جلال پیش رو۔ غنیمت جس طرح مذکورہ بالا پانچ شعرا سے متاثر ہوا اسی طرح جلال کے تتبع میں اس نے غزلیں کہیں، چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے:

از جان اسیر طرز جلالم کہ گفتہ است
"ماییم و یاد دوست" غنیمت کجا بریم [۷۷]

اس سلسلے میں زیادہ تفصیل سے لکھنے کا موقع تو نہیں لیکن ضرورت مقام کا تقاضا ہے کہ ایک آدھ غزل کا موازنہ کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ مرزا نے ایک مختصر غزل "پیشۂ ما، تیشۂ ما" کے قافیہ اور ردیف کی پابندی سے لکھی ہے، جس کا تتبع غنیمت نے اپنے دیوان میں کیا ہے۔ ہم ذیل میں دونوں غزلوں کے ہم قافیہ اشعار نقل کر کے قارئین کو دعوت تبصرہ دیتے ہیں، جلال کا مطلع ہے:

شیشہ برخارہ بہ صد رنگ زدن پیشۂ ما
بیستون معدن الماس جگر تیشۂ ما [۷۸]

مصیبتوں اور تکلیفوں کے ہمت شکن سنگین پہاڑوں سے شیشۂ دل کو ٹکرانا عشاق کا دلچسپ ترین مشغلہ ہے۔ چنانچہ کہتا ہے، کہ اگرچہ بیستوں معدن الماس ہے، جو سخت ترین پتھر شمار ہوتا ہے پھر بھی ہم جفاکش اسے تیشۂ جگر سے کھود رہے ہیں۔

غنیمت کہتا ہے:

اندران سوختہ کہسار کہ ما کوہ کنیم
چشمہ ای نیست بہ جز آب دم تیشۂ ما [۷۹]

غنیمت جس سرزمین میں مشغول کوہ کنی ہے وہاں کی بربادی اور ویرانی کا یہ عالم ہے کہ سوائے دم تیشہ کے پانی کی ایک بوند بھی میسر نہیں آسکتی اور ظاہر ہے کہ دم تیشہ سے بھی صرف پانی کا تصور ہی ممکن ہے،

ورنہ پانی کہاں۔

دوسرا شعر ہے:

سنگ طفلان چہ خوش آیندہ بہاری دارد
وقت آن است کہ گل بانگ زند شیشۂ ما [۸۰]

بچوں کی سنگ باری جنون کے لوازمات سے ہے۔ آپ نے گلی کوچوں میں دیکھا ہوگا کہ ان ننھے ننھے رضا کاروں کا لشکر دیوانوں کی پذیرائی کے لئے ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔ شاعر اس ستم ظریفی کو جو بہار خوش آیندہ سے تشبیہ دیتا ہے اور پتھر کی چوٹ سے جو آواز پیدا ہو رہی ہے، اسے گل بانگ کہہ کر بہار کا پورا سماں دکھاتا ہے۔

غنیمت نے اس قافیہ کو یوں باندھا ہے:

زاھد این روی ترش گر بہ خرابات رود
سر کہ رنگی بشود پیرھن شیشۂ ما [۸۱]

تیسرا شعر ہے:

از گل نالۂ زنجیر بہ بار آمدہ ایم
مگر ابریشم این ساز بود ریشۂ ما [۸۲]

بار کے معنی شاخ کے ہوتے ہیں۔ بہ بار آمدن: سرسبز ہونا، کامیاب ہونا کے معنی دیتا ہے، نالۂ زنجیر کو پھول سے تشبیہ دینا طرفہ تشبیہ ہے، یعنی ادھر زنجیر کی آواز ہمارے کانوں میں آئی، ادھر جان میں جان آئی اور فوراً جی اٹھے۔ ''این ساز'' سے مراد زنجیر ہے۔

غنیمت کا شعر ہے:

نخل صحرای جنونیم ز بیتابی خویش
در فغانست چو زنجیر رگ و ریشۂ ما [۸۳]

مفہوم شعر واضح ہے۔

چوتھا شعر ہے:

سوخت در پردۂ دل خون تمنا و ھنوز
سبزہ رنگین دمد از گلشن اندیشۂ ما [۸۴]

غنیمت کا شعر ہے:

هر نیاز آیینۂ جلوۂ ناز دگر است
بس کہ لبریز خیالت شده اندیشۂ ما [۸۵]

دونوں بھرتی کے شعر ہیں، ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے کوئی معقول وجہ موجود نہیں۔

پانچواں شعر ملاحظہ کیجئے:

گردش چشم تو صیادی دیگر دارد
شیر را سایۂ آهو شمرد بیشۂ ما [۸۶]

یعنی تیری گردش چشم کے انداز ھائے صید گیری ایسے عجیب اور انوکھے ہیں (محبوب کی آنکھوں میں جو کشش ہے اسے صیادی کہہ رہا ہے) ان کی گرفت کے سامنے شیر سایۂ آہو کی طرح بے دست و پا معلوم ہوتا ہے۔

غنیمت کا شعر ہے:

بس کہ مست آمده صیاد ستم پیشۂ ما
همسر گردن میناست نی بیشۂ ما [۸۷]

اب مقطع بھی سن لیجئے:

کشته از بس که به دشمن دل ما صاف اسیر
می خورد سنگ قسم ها به سر شیشۂ ما [۸۸]

غنیمت کا مقطع ہے:

در نظر نیست غنیمت به جز از طفل سرشك
دلبر زنگ زدای دل غم پیشۂ ما [۸۹]

دونوں غزلیں مجموعی طور پر ایسی بے کیف ہیں کہ ترجیح کے لئے کوئی وجہ جواز پیدا نہیں ہو سکی۔ ان شعرا کے علاوہ غنیمت نے ابو طالب کلیم کے تتبع کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے:

شب غنیمت مصرعی ناخن به دل زد از کلیم
"گر قدم در ره نمی فرسود منزل دور بود" [۹۰]

دیوان غنیمت کے مختلف نسخے [۹۱]:

زیر نظر دیوان غنیمت کی ترتیب کے دوران مندرجہ ذیل چار نسخے پیش نظر رہے۔ ان میں سے ایک مطبوعہ اور تین خطی تھے۔

مطبوعہ نسخہ محمد مصطفیٰ علی اور محمد تیغ بہادر کے اہتمام سے تیغ پریس لکھنؤ میں چھپا۔ سال طباعت مرقوم

نہیں۔ کل غزلیں ۲۶۳ ہیں۔ آخر کتاب میں چند فرد اور کچھ اشعار کے ٹکڑے بھی مذکور ہیں۔ اس نسخے میں وہ تمام نقائص موجود ہیں جو لیتھو پریس کے لوازمات سے ہیں۔ بہ مشکل ہی کوئی ایسی غزل ہو گی جس میں ایک آدھ فاش غلطی نہ پائی جائے۔ پسند کو شنید اور شراب کو سراب و بالعکس لکھا گیا ہے۔ اور اسی طرح کے اغلاط اس کثرت سے ہیں کہ کسی ایک غزل کے متعلق بھی شاید یہ مشکل ہی یہ کہا جا سکے کہ یہ عین بین غنیمت کی فکری تخلیق ہے۔ ایڈٹ کرنے کے دوران میں بارھا جی چاہا کہ مطبوعہ نسخے کی اغلاط شماری بھی ساتھ ساتھ ہوتی جائے، لیکن چونکہ ایسی غلطیوں کی تعداد بہت ہی زیادہ تھی اس لئے نباہ مشکل ہوا، اور ارادہ ترک کرنا پڑا۔ اس سے مجال انکار نہیں کہ بعض اوقات اسی نسخے کے مطالعہ سے مشکل اشعار کے سمجھنے میں سہولت بھی پیدا ہوئی۔ اس لئے تقریباً ہر شعر پر غور کرتے وقت چاروں نسخے دیکھنا پڑے۔ بارہا ایسا ہوا کہ جب باقی تینوں نسخے جواب دے گئے تو مطبوعہ نسخے نے مشکل کشائی کی۔ چنانچہ اس افادیت کے پیش نظر یہ نسخہ بھی آخر تک زیر مطالعہ رہا۔ یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی ملکیت ہے۔

خطی نسخوں میں سے نسخۂ الف، پنجاب یونیورسٹی لائبریری سے مستعار لیا گیا تھا۔ یہ نسخہ کشمیری طرز کتابت کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس کے لکھنے والے کوئی صاحب بخت بلند نامی ہیں، جنہوں نے اسے بہ مقام لاہور، ۷- ذی القعد ۱۱۴۲ھ میں ختم کیا۔ کتابت صاف اور خوانا ہے۔ اس میں مطبوعہ نسخہ کی طرح صرف غزلیات ہیں، جن کی تعداد ۲۲۴ ہے۔ قصائد، رباعیات اور فرد کا کہیں ذکر نہیں۔ شمارہ اوراق ایک سو چوبیس ہے۔ ایک مہر بھی آخر میں ثبت ہے، جو کوشش کرنے کے باوجود پڑھی نہیں جا سکی۔

دوسرا خطی نسخہ بھی پنجاب یونیورسٹی سے لیا گیا تھا۔ نسخۂ ''ب'' نسخہ ''الف'' کے مقابلے میں مختصر اور نامکمل ہے۔ اس میں غزلیات کی کل تعداد ۱۹۶ ہے۔ نسخہ ''الف'' کی طرح اس میں نہ تو قصائد ہیں، اور نہ قطعات۔ البتہ کچھ رباعیات ضرور پائی جاتی ہیں۔ فرد کی تعداد بھی کافی ہے۔ خط کشمیری قسم کا ہے اور خوانا ہے۔ اس میں اور نسخہ ''الف'' میں بہت اختلاف ہے۔ کئی ایسی غزلیں ہیں جو صرف نسخہ ''الف'' میں ہیں اور ایسی بھی کئی غزلیں ہیں جو صرف نسخہ ''ب'' میں ہیں۔ نیز ردیف ''ن'' کے بعد اس میں کوئی غزل نہیں۔

تیسرا خطی نسخہ محمد حسن صاحب صدیقی کا ہے۔ آپ کٹرہ حاکم رائے گوجرانوالہ کے رہنے والے ہیں۔ یہ نسخہ ڈاکٹر محمد باقر صاحب کی وساطت سے مجھ تک پہنچا۔ صدیقی صاحب کے پاس قلمی کتب کا ایک نایاب ذخیرہ ہے، جسے وہ دوست، احباب کی نظروں سے بچا بچا کر رکھتے ہیں۔ وہ بہ مشکل اس بات پر آمادہ کئے جا سکے کہ میں ان کے اس قیمتی نسخے سے استفادہ کر سکوں، اور حق یہ ہے کہ اگر وہ مطالعے کی اجازت نہ دیتے تو دیوان غنیمت موجودہ صورت میں شائقین کے ہاتھوں تک نہ پہنچ سکتا۔ دیوان کی تصحیح میں جو قابل قدر امداد اس نایاب نسخے کے طفیل میسر آئی، اس کی اور کوئی صورت ہی نہ تھی۔

یہ نسخہ ایرانی کتابت کا بہترین نمونہ ہے۔ نہایت خوش خط اور واضح ہے، جو کاتب کے حسن ذوق اور لطف طبع کی دلیل ہے۔ شمارۂ اوراق ۹۷ ہے۔ کتابت کی تاریخ مذکور نہیں۔ ہاں البتہ پہلے اور آخری صفحہ پر ایک مہر ثبت ہے جس میں مصرع: ''غنیمت ای غلام غوث اعظم'' کے علاوہ ۱۲۹۲ بھی مرقوم ہے۔ ممکن ہے کہ یہی سال کتابت ہو۔ کاتب کا نام درج نہیں۔

مواد کے لحاظ سے بھی نسخۂ صدیقی کو مکمل ترین نسخہ کہنا چاہیے، گو صحیح ترین کہنے میں مجھے تامل ہوگا۔ اس کے سوا قصائد اور قطعات کا اور کہیں ذکر تک نہیں۔ رباعیات اور فرد نسخہ ''ب'' میں ضرور مزکور ہیں، مگر نسخہ صدیقی میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس نسخے میں غزلیات بھی کہیں بیشتر ہیں اور ان کی تعداد کم وبیش ۳۲۱ ہے۔ نیز باقی تینوں نسخوں کے مقابلے میں اسے صحیح تر نسخہ کہا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ غنیمت کا تمام کلام بہ استثنائے مثنوی و انشائے غنیمت اس مجموعہ میں نہ آ سکا ہو اور بلاشبہ اس کے شواہد موجود ہیں کہ قبل الذکر مجموعوں کی طرح یہ مجموعہ بھی مکمل نہیں، لیکن یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اکادمی نے اپنے محدود وسائل کے پیش نظر صدیقی صاحب سے یہ نسخہ حاصل کر کے اہل ذوق کی قابل قدر خدمت سرانجام دی ہے۔ مجھے اس بات کی بھی از حد مسرت ہے کہ صدیقی صاحب اس بیش بہا کتاب کو وقتی طور پر جدا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس کے لئے راقم الحروف بالخصوص اور اکادمی بالعموم ان کی شکرگزار ہے۔

پیش نظر نسخے کی ترتیب میں کچھ نقائص ایسے تھے، جن کا دور کرنا بہ غرض سہولت ضروری تھا۔ مثلاً رباعیات اور تین تین چار چار اشعار کے ٹکڑے اور اسی طرح فرد، ردیف وار غزلیات کے ساتھ ساتھ مرقوم ہیں، جو بعض اوقات ذوق سلیم پر گراں گزرتے ہیں۔ راقم الحروف نے اس ترتیب میں صرف اتنی تبدیلی روا رکھی کہ اول مکمل غزلیات لکھی ہیں، بعد میں غیر مکمل غزلیات اور پھر فرد ترتیب وار لکھ دیئے، چونکہ رباعی ایک علیحدہ صنف نظم ہے، اس لئے تمام رباعیاں ردیف وار قصائد کے بعد نمبر دے کر جمع کر دی گئیں۔ اس ترتیب کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہر صنف شعر کو بالترتیب ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

راقم الحروف کو دیوان غنیمت کی ترتیب و تصحیح سے پہلے کسی خطی نسخے پر دیدہ ریزی اور کاوش کا موقع نہیں ملا تھا۔ جب اس علمی خدمت کا بارگراں مجھ پر ڈالا گیا تو میں اس راہ کی دشواریوں سے قطعاً نابلد تھا، لیکن جب پہلی غزل ہی اٹھا کر دیکھی اور تصحیح کتاب کی عملی دقتوں کا علم ہوا، تو گھبراہٹ سے پسینہ آ گیا اور جلد بازی پر ندامت ہوئی۔ پہلے صفحے کے مطالعہ ہی سے واضح ہو گیا کہ ہر نسخہ کئی مقام پر دوسرے سے مختلف ہے اور اڈیٹر کا کام یہ ہے کہ اختلاف نسخہ کے اس نقار خانے میں طوطی کی آواز کو پہچانے، اگرچہ بارہا مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی اور گوہر مقصود ہاتھ آ گیا، لیکن بارہا ایسا بھی ہوا کہ رسائی منزل میسر نہ آ سکی، اور ادھر اُدھر بھٹکتا پھرا۔ کبھی ایسا بھی

ہوا کہ جب باقی تمام وسیلے جواب دے گئے تو اصل مفہوم تک پہنچنے کے لئے صرف حدس اور ذوق سلیم کا سہارا لینا پڑا، جسے اصطلاح میں اندھیرے میں تیر مارنا کہتے ہیں، جو اکثر نشانے پر نہیں بیٹھتا۔ کچھ مقامات ایسے بھی تھے، جہاں مجھے اختلاف نسخ سے قطع نظر کر کے اپنی طرف سے کوئی لفظ لگانا پڑتا۔ ظاہر ہے کہ یہ حرکت علمی دیانت داری کو کھلا چیلنج ہے اور غالباً کوئی اڈیٹر کسی حالت میں بھی اس خود رائی کا مجاز نہیں قرار دیا جا سکتا، لیکن اس غلط روش کے ہولناک نتائج کا ٹھیک اندازہ اس وقت ہوا، جب میری جاہلانہ جسارت نے غزل کے ایک اچھے خاصے شعر کا حلیہ بگاڑ دیا اور جب وہ جزو چھپ کر تیار ہو گیا تو اپنی کج فہمی کا احساس ہوا، لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اب سوائے ندامت اور قارئین سے معذرت کے اور کوئی چارۂ کار باقی نہیں تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں ہے کہ اسی طرح اور شعروں کے سمجھنے میں بھی اشتباہ ہوا ہوگا۔ اس لئے اہل علم سے درخواست ہے کہ اگر کوئی ایسی کوتاہی ان کے علم میں آئے تو بجائے ایڈیٹر کی تضحیک کے اگر رہنمائی فرما سکیں تو جہاں مجھے اس سے فائدہ ہوگا وہاں میں ان کی کرم فرمائی کا ممنون بھی ہوں گا۔

وہ شعر یہ ہے:

حسنی بہ جلوہ بود کہ نظارہ گرد شد
برداشتند پردہ چو از کار زشتہا

نسخہ ''ب'' میں یہ غزل ہے ہی نہیں۔ یہی شعر مطبوعہ نسخے میں بطریق ذیل ہے:

حسنی بہ جلوہ بود کہ نظارہ کردہ شد
برداشتند پردہ جو از کار زشتہا

صدیقی نسخے میں عین بین نسخہ ''الف'' کی طرح ہے۔ اس شعر میں محل نظر صرف ''نظارہ کردہ'' یا ''نظارہ گرد شد'' کا ٹکڑا ہے۔ میں غلطی سے یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ جونسی صورت بھی درست کی جائے مفہوم شعر واضح نہیں۔ جب صدیقی نسخہ سے بھی یہ گتھی نہ سلجھ سکی تو مجبوراً مجھے اختلاف نسخہ سے بے نیاز ہو کر آزادانہ غور کرنا پڑا، چنانچہ کئی گھنٹوں کی سوچ بچار کے بعد خیال آیا، کہ کہیں یہ ٹکڑا ''نظارہ گر'' نہ ہو، جسے کاتبوں کے تصرف ناجائز نے ''نظارہ گرد'' اور پھر ''نظارہ کردہ شد'' بنا دیا ہے، چنانچہ لفظ ''گرد'' کی تبدیلی سے میں یہ سمجھا کہ شعر با معنی ہو گیا، لیکن باوجود اس غیر مشروع اجتہاد کے خلش باقی رہی، اور اگرچہ کتاب طباعت کی منزل سے گزر چکی تھی، لیکن جستجو ختم نہ ہوئی تھی۔ یہ سوئے اتفاق ہے کہ فارسی میں تاحال کوئی ایسا جامع لغت نہیں مل سکتا جس سے یہ تشنگی بجھائی جا سکے۔ میرے دماغ میں یہ الجھن اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ نظارہ کے عام مفہوم کے علاوہ مجھے نہ تو کسی اور معنی کا علم تھا اور نہ خیال ہی آیا تھا کہ اس لفظ کے کوئی اور بھی معنی ہو سکتے ہیں۔ میرا معمول ہے کہ اکثر بطور شغل بے کاری کے لغت دیکھتا

رہتا ہوں۔ خلش تو باقی تھی ہی، خیال آیا کہ چلو نظارہ کے معنی ہی دیکھ لیں۔ دیکھا تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ صاحب لغت نے نظارہ کے معنی دیکھنے والے بھی لکھے تھے۔ گویا مفہوم شعر واضح تھا کہ ''جونہی کار زشت سے ظاہری پردہ سرکایا گیا تو ایک ایسی تجلی دکھائی دی کہ تماشائیوں کا جمگھٹا لگ گیا'' اتنی سی بات تھی، جسے ہم نے افسانہ کر دیا۔ اب سوائے اس کے اور صورت نہ تھی کہ غلط نامہ میں تصحیح کر دی جائے۔ اس حادثے کے بعد میں نے تصحیف متن سے توبہ کر لی، نیز بعض مقامات کافی غور و خوض کے بعد بھی حل نہ ہو سکے، اور طبیعت رہنمائی نہ کر سکی۔ اس کی ذمہ داری صرف غلط نویس کاتبوں پر نہیں بلکہ میری کوتاہی فہم بھی برابر کی حصہ دار ہے۔ اس کتاب کی تصحیح کے دوران بارہا اس امر کا تجربہ ہوا کہ اگر کوئی شعر اٹک گیا تو جتنا زیادہ طبیعت پر زور دیا الجھن بڑھتی گئی، لیکن پھر کسی موقع پر دیکھنے کا اتفاق ہوا تو عقدہ خود بخود کھل گیا، اور بات پیش پا افتادہ معلوم ہوئی، بلکہ تعجب ہوا کہ کیوں ایسا سادہ خیال دماغ میں نہ آ سکا تھا، اس لئے احتمال غالب یہی ہے کہ جو مقام حل طلب رہ گئے ہیں ان میں بذات خود ممکن ہے، کہ کوئی دقت نہ ہو، البتہ میرے فہم کا قصور ضرور ہے۔

ان تین خطی نسخوں کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ شاید ہی کسی کتاب کا خطی نسخہ (بہ استثنائے قرآن حکیم) ایسا مل سکے جو اغلاط سے مبرا ہو۔

اسے سوئے اتفاق ہی کہنا چاہیے کہ آہستہ آہستہ سرزمین پنجاب فارسی ادب کے ذوق سے بیگانہ ہوتی جارہی ہے، اور کوئی دن جاتا ہے کہ ہزاروں جواہر ریزے صرف الماریوں کی زینت بن کر رہ جائیں گے۔ غالب کا کلیات فارسی، اس درد انگیز داستان کا ایک ورق ہے۔ اقبال کا فارسی کلام بھی اس ابتلا سے دوچار ہے۔ مکتب اور مدرسے جہاں سے بڑے بڑے فضلا اٹھے تھے، تقویم پارینہ ہو چکے ہیں۔ سکولوں اور کالجوں میں فارسی کے چند کتابچے ضرور پڑھائے جاتے ہیں، مگر چونکہ ان کی حیثیت صرف امتحانی ہے، اس لئے ان کے مطالعہ سے طالب علم میں کوئی استعداد نہیں پیدا ہوتی۔ اگر کوئی فطری ذوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر ادھر متوجہ ہو بھی تو کس برتے پر:

آن قدح بشکست و آن ساقی نماند

اسی وقت کے پیش نظر میں نے اکثر مشکل اشعار کا مطلب حاشیے میں بیان کر دیا ہے تاکہ بیزاری کے لئے اسی بات ہی کو بہانہ نہ بنا لیا جائے۔

حواشی

(۱) غنیمت کنجاہی، دیوان غنیمت، بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۲۶۴ (مرتبین)۔

(۲) ایضاً، ص ۲۶۴ (مرتبین)۔

(۳) ایضاً، ص ۲۶۴ (مرتبین)۔

(۴) ایضاً، ص ۲۶۵ (مرتبین)۔

(۵) ایضاً، ص ۲۶۵ (مرتبین)۔

(۶) ایضاً، ص ۲۶۵ (مرتبین)۔

(۷) ایضاً، ص ۲۶۵ (مرتبین)۔

(۸) ایضاً، صص ۹۰-۹۱ (مرتبین)۔

(۹) سرخوش کا بیان ہے کہ یہ شعر محمد حسین جلی کے ہیں۔ (کلمات الشعرا، ص۳۴) اور غالباً یہ حقیقت کہ غنیمت کے کسی دیوان میں یہ شعر موجود نہیں (محمد باقر)۔

(۱۰) دیوان غنیمت، ص ۱۳۶ (مرتبین)

(۱۱) ایضاً، ص ۲۵۵ (مرتبین)۔

(۱۲) ایضاً، ص ۱۱۷ (مرتبین)۔

(۱۳) ایضاً، ص ۱۲۵ (مرتبین)۔

(۱۴) ایضاً، ص ۱۰۵ (مرتبین)۔

(۱۵) ایضاً، ص ۲۲۳ (مرتبین)۔

(۱۶) سرخوش، محمد افضل، کلمات الشعراء، بہ تصحیح صادق علی دلاوری، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۴۲ء، ص ۸۲ (مرتبین)۔

(۱۷) دیوان غنیمت، ص ۷۶ (مرتبین)۔

(۱۸) ایضاً، ص ۷۶ (مرتبین)

(۱۹) ایضاً، ص ۷۶ (مرتبین)

(۲۰) ایضاً، ص ۷۶ (مرتبین)

(۲۱) ایضاً، ص ۷۶ (مرتبین)

(۲۲) ایضاً، ص ۷۶ (مرتبین)

(۲۳) ایضاً، ص ۷۷ (مرتبین)

(۲۴) غنیمت کا ایک مطلع ہے:

غنیمت چشم مست او نشد روزی طبیب من
فغانی وار ورنہ درد خود را چارہ می کردم

متن دیوان میں اس شعر کا پہلا مصراع یوں درج ہے:

غنیمت چشم بیمارش طبیب من نشد روزی

دیوان غنیمت، ص ۲۳۱ (مرتبین)۔

(۲۵) فغانی شیرازی، دیوان فغانی، بہ تصحیح و تطبیق متن و انضمام مقدمہ منوھن لال ماھر، شیخ مبارک علی بک سیلرز، لاہور، ص ۸۷ (مرتبین)۔

(۲۶) دیوان غنیمت، ص ۱۰۱ (مرتبین)۔

(۲۷) دیوان فغانی، ص ۸۷ (مرتبین)۔

(۲۸) دیوان فغانی، ص ۸۷ (مرتبین)۔

(۲۹) دیوان غنیمت، ص ۱۰۲ (مرتبین)۔

(۳۰) دیوان فغانی، ص ۸۷ (مرتبین)۔

(۳۱) دیوان غنیمت، ص ۱۰۲ (مرتبین)۔

(۳۲) دیوان فغانی، ص ۸۷ (مرتبین)۔

(۳۳) دیوان غنیمت، ص ۱۰۲ (مرتبین)۔

(۳۴) دیوان فغانی، ص ۸۷ (مرتبین)۔

(۳۵) دیوان غنیمت، ص ۱۰۲ (مرتبین)۔

(۳۶) دیوان فغانی، ص ۸۷ (مرتبین)۔

(۳۷) دیوان غنیمت، ص ۱۰۲ (مرتبین)۔

(۳۸) غنیمت کا مطلع ہے:

تا رسانم نشهٔ طرز نظیری در غزل		باعلی امشب غنیمت می به یک ساغر زدم

(۳۹) نظیری نیشاپوری، دیوان نظیری، بہ تصحیح مظاہر مصفا، انتشارات کتابخانہ امیر کبیر و زوار، تہران، ۱۳۴۰ ہجری شمسی، ص ۲۸۲ (مرتبین)۔

(۴۰) دیوان غنیمت، ص ۲۱۸ (مرتبین)۔

(۴۱) دیوان نظیری، ص ۲۸۳ (مرتبین)۔

(۴۲) دیوان غنیمت، ص ۲۱۹ (مرتبین)۔

(۴۳) دیوان نظیری، ص ۲۸۳ (مرتبین)۔

(۴۴) دیوان غنیمت، ص ۲۱۸ (مرتبین)۔

(۴۵) دیوان نظیری، ص ۲۸۳ (مرتبین)۔

(۴۶) دیوان غنیمت، ص ۲۱۹ (مرتبین)۔

(۴۷) دیوان نظیری، ص ۲۸۳ (مرتبین)۔

(۴۸) دیوان غنیمت، ص ۲۱۹ (مرتبین)۔

(۴۹) دیوان نظیری، ص ۲۸۳ (مرتبین)۔

(۵۰) دیوان غنیمت، ص ۲۱۹ (مرتبین)۔

(۵۱) دیوان نظیری، ص ۲۸۳ (مرتبین)۔

(۵۲) دیوان غنیمت، ص ۲۱۹ (مرتبین)۔

(۵۳) غنیمت کا ایک مقطع جس میں میرزا صائب کے تتبع کا ذکر ہے ہم فغانی سے موازنہ کرتے وقت لکھ آئے ہیں۔ دو اور شعر سنیے:

گر دلی داری غنیمت پند صائب گوش کن
حفظ دولت در پریشان کردن سیم و زر است
(دیوان غنیمت، ص ۶۵)

غنیمت از زبان گوشۂ ابروی ہر مصرع
برای میرزا صائب جواب ساکنی دارم
(دیوان غنیمت، ص ۲۱۶)

(۵۴) ڈاکٹر محمد باقر کی زبانی معلوم ہوا کہ صائب کا دیوان ایران میں چھپ گیا ہے اور کئی سو صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کا ایک نسخہ ان کے پاس بھی ہے۔ ہر چند ڈاکٹر صاحب نے کتاب مستعار دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن افسوس وہ بر وقت وعدہ ایفاء نہ کر سکے اور میں اس سے زیادہ تاب انتظار نہ لا سکا۔

(۵۵) در خیالم بود ساقی قاسم دیوانہ
شب کہ در دست غنیمت در دفتر اشعار بود
(دیوان غنیمت، ص ۱۱۱)

غنیمت با تجلی دوش فکر شعر می کردند
پریشان گشت مضمون قاسم دیوانہ پیدا شد
(دیوان غنیمت، ص ۱۳۹)

نالۂ زنجیر از ہر مصرع من شد بلند
تا غنیمت ہم زمین قاسم دیوانہ ام
(دیوان غنیمت، ص ۲۲۵)

(۵۶) قاسم دیوانہ، دیوان قاسم، مطبع منشی نول کشور، ص ۳۲ (مرتبین)۔

(۵۷) دیوان غنیمت، ص ۱۲۷ (مرتبین)۔

(۵۸) ڈاکٹر عارف نوشاہی غنیمت کی مثنوی گلزار محبت، مطبوعہ گجرات ۲۰۰۸ء، کے مقدمہ کی حواشی (صفحہ نمبر ۴۵-۴۶) پر اس بحث سے متعلق یوں رقم طراز ہیں: ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لائیڈن) کے مقالہ نگار E.Berthels نے ''ناصر علی سرہندی'' پر اپنے مقالہ میں واضح طور پر اس کی تاریخ وفات ۶ رمضان ۱۰۰۸ھ لکھی ہے۔ پروفیسر غلام ربانی عزیز کو غص بصر ہوا اور انہوں نے اسے ناصر علی کی تاریخ پیدائش قرار دیا اور اس سے الجھن کا شکار ہو گئے اور غنیمت اور ناصر علی کی باہمی تقدم زمانی کی ایک لاحاصل بحث چھیڑ دی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ناصر علی کو غنیمت پر زمانی فوقیت حاصل ہے اور غنیمت کا ناصر علی سے متاثر ہونا زمانی اعتبار سے کوئی اشکال نہیں رکھتا''۔

(۵۹) ایضاً، ص ۳۴ (مرتبین)۔

(۶۰) ایضاً، ص ۱۸۵ (مرتبین)۔

(۶۱) ایضاً، ص ۲۲۳ (مرتبین)؛ ناصر علی کا مشہور شعر ہے:

فروغ شمع رویی در ازل بریده زد آبم
درون بیضه چون پروانه از فانوس می تابم
(دیوان ناصر، ص ۱۸۵)

(۶۲) ناصر علی سرہندی، دیوان ناصر علی سرہندی، بہ تصحیح رشیدہ حسن ھاشمی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۹ (مرتبین)۔
(۶۳) دیوان غنیمت، ص ۱۸۳ (مرتبین)۔
(۶۴) دیوان ناصر علی سرہندی، ص ۱۵۹ (مرتبین)۔
(۶۵) دیوان غنیمت، ص ۱۸۳ (مرتبین)۔
(۶۶) دیوان ناصر علی سرہندی، ص ۱۶۰ (مرتبین)۔
(۶۷) دیوان غنیمت، ص ۱۸۳ (مرتبین)۔
(۶۸) دیوان ناصر علی سرہندی، ص ۱۶۰ (مرتبین)۔
(۶۹) دیوان غنیمت، ص ۱۸۳ (مرتبین)۔
(۷۰) دیوان ناصر علی سرہندی، ص ۱۶۰ (مرتبین)۔
(۷۱) دیوان غنیمت، ص ۱۸۳ (مرتبین)۔
(۷۲) حافظ شیرازی، خواجہ شمس الدین محمد، دیوان غزلیات حافظ، بہ کوشش خلیل خطیب رہبر، انتشارات صفی علیشاہ، تہران، ۱۳۷۸ ھجری شمسی، ص ۳۳ (مرتبین)۔
(۷۳) دیوان ناصر علی سرہندی، ص ۱۶۰ (مرتبین)۔
(۷۴) مصحح نے یہ شعر دیوان کے مقدمہ میں لکھ دیا ہے لیکن متن دیوان میں درج نہیں کیا (مرتبین)۔
(۷۵) دیوان ناصر علی سرہندی، ص ۱۶۰ (مرتبین)۔
(۷۶) دیوان غنیمت، ص ۱۸۳ (مرتبین)۔
(۷۷) دیوان غنیمت، ص ۲۳۴ (مرتبین)۔
(۷۸) جلال اسیر، میرزا، کلیات مرزا جلال اسیر، مطبع نول کشور، ص ۱۱۵ (مرتبین)۔
(۷۹) دیوان غنیمت، ص ۲۳ (مرتبین)۔
(۸۰) کلیات میرزا جلال اسیر، ص ۱۱۵ (مرتبین)۔
(۸۱) دیوان غنیمت، ص ۲۲ (مرتبین)۔
(۸۲) کلیات میرزا جلال اسیر، ص ۱۱۵ (مرتبین)۔
(۸۳) دیوان غنیمت، ص ۲۲ (مرتبین)۔
(۸۴) کلیات میرزا جلال اسیر، ص ۱۱۵ (مرتبین)۔
(۸۵) دیوان غنیمت، ص ۲۲ (مرتبین)۔
(۸۶) کلیات میرزا جلال اسیر، ص ۱۱۵ (مرتبین)۔
(۸۷) دیوان غنیمت، ص ۲۲ (مرتبین)۔

(۸۸) کلیات میرزا جلال اسیر، ص ۱۱۵ (مرتبین)۔

(۸۹) دیوان غنیمت، ص ۴۲ (مرتبین)۔

(۹۰) ایضاً، ص ۱۱۲ (مرتبین)

(۹۱) بقول ڈاکٹر عارف نوشاہی: ''پاکستانی کتب خانوں میں موجود دیوان غنیمت کے ۸ قلمی نسخوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے: احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان، ج ۸، صص ۱۰۱۶-۱۰۱۷۔ ان میں ۵ نسخے قدیم اور ۳ نسخے جدید ہیں۔ ان میں سید نور محمد قادری مرحوم، چک ۱۵ شمالی، ضلع منڈی بہاء الدین کا مملوکہ وہ نسخہ شامل نہیں ہے، جس کا تعارف انہوں نے اپنے مندرجہ ذیل دو مضامین میں کروایا ہے:

(۱) ''دیوان غنیمت کے ایک مخطوطے کا تعارف''، سہ ماہی فنون، لاہور، اپریل-مئی ۱۹۷۵ء۔

(۲) ''دیوان غنیمت کا ایک نادر مخطوطہ''، ماہ نامۂ نقوش، لاہور، سالنامہ، جون ۱۹۸۵ء۔

اس وقت یہ نسخہ سید نور محمد قادری کے صاحبزادہ، سید محمد عبدالقادری، مقیم واہ چھاؤنی کے پاس ہے۔ ۲۰۰۶ء میں راقم السطور (عارف نوشاہی) نے ان کے پاس دیکھا تھا اور اچھی حالت میں تھا (حواشی مقدمہ گلزار محبت، ص ۴۲) (مرتبین)۔

شیخ اکرام الحق

غنیمت ☆

''غنیمت از خاکیانِ ہند غنیمت است''[1]۔ مرزا محمد افضل سرخوش مصنف کلمات الشعراء نے یہ فقرہ کہہ کر مولانا غنیمت کے لئے ہندی فارسی شعراء کے تذکرہ میں ہمیشہ کے لئے جگہ بنا دی۔ اہل زبان غیر ملکی زباندانوں پر اکثر ہنستے رہے اور ان کی شاعری کو خاطر میں نہ لایا گئے۔ پھر اگر کوئی ایرانی کسی ہندی کے کلام کی داد دینے پر مجبور ہو جائے تو وہ شخص واقعی خوش نصیب سمجھنا چاہیے اور تذکرہ کے قابل۔

محمد اکرم غنیمت کنجاہ ضلع گجرات پنجاب کے رہنے والے تھے اور اواخر عہدِ عالمگیری میں بساطِ سخن کی زینت بنے، حالاتِ زندگی کے متعلق سوائے ایک دو روایات کے اور کچھ معلوم نہیں۔ نہ سن پیدائش معین ہے نہ سنِ وفات۔ ان کی نسبت مشہور ہے کہ بچپن سے جوانی تک کا زمانہ جہالت میں گذرا مگر عالم شباب میں کسی اہلِ دل کی توجہ سے دل آگاہ ہو گئے۔ مگر ڈاکٹر ریو[2] لکھتے ہیں کہ قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے، اور میر محمد زماں راسخ لاہوری (المتوفی ۱۱۰۷ھ) کے شاگرد تھے اور کچھ عرصہ میر محمد اسحٰق مکرم خاں سے وابستہ رہے جو ۱۱۰۶ھ تک اورنگ زیب کے عہد میں ناظم لاہور تھا۔ دیوان کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ علمی دستگاہ کافی تھی اس لئے اچانک علوم سے بہرہ ور ہو جانے کی روایت خوش عقیدتی کا کرشمہ ہے، اور کچھ نہیں۔

پنجابی ادبی اکادمی لاہور نے حال ہی میں غنیمت کا دیوان چھاپا ہے، جس کے پیش لفظ میں غنیمت کے والد کا نام نذر محمد مفتی کنجاہ دیا ہے[3] مگر حوالہ مذکور نہیں، سن وفات ۱۱۵۸ھ کے قریب معین کیا گیا ہے[4] مگر استدلال کی بنیاد محمد افضل سرخوش کے مشہور مقولہ پر رکھی گئی ہے۔ جن میں لفظ ''است'' کی بجائے ''بود'' بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ''غنیمت از خاکیانِ ہند غنیمت بود'' اخذ یہ کیا گیا ہے کہ چونکہ کلمات الشعراء ۱۱۵۸ھ میں مکمل ہوئی اس لئے غنیمت اس سے پہلے مر چکے تھے، جس وجہ سے ''بود'' استعمال ہوا۔ ممکن ہے ایسا ہو مگر استدلال مضبوط نہیں کیونکہ متداول فقرہ ''است'' سے ہے، ''بود'' کی کوئی سند نہیں دی گئی[5]۔

غنیمت کے مطبوعہ اشعار میں بھی ان کی زندگی کے واقعات کا اشارۃً یا بداہتہً کوئی ذکر نہیں، دو جگہ انہوں نے پیری کے متعلق کہا:

قامتِ خم گشتہ ام شد دست غم را ناخنی   تا خراشد داغهای حسرتِ عهدِ شباب[6]

☆ شعر العجم فی الہند، لاہور، ۱۹۶۱ء، صفحات ۱۷۹–۲۰۰

پیریم را همچنان نور جوانی در سر است   از پی بزمِ وصالش شمع کافورم هنوز (۷)

جس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے عمر طبعی پائی مگر چونکہ بنائے استنباط صرف دو شعر ہیں اس لئے یہ نتیجہ بھی حتمی نہیں، البتہ یہ چیز ظاہر ہے کہ اگر سرخوش کے مقولہ میں "است" استعمال ہوا ہے تو ۱۱۵۸ھ میں غنیمت بقید حیات ہوگا اور چند سال بعد ہی فوت ہوئے ہوں گے اور اگر "بود" ہے تو ۱۱۵۸ھ سے پہلے مر گئے اور اس کے ساتھ اگر پیری کے متعلق اشعار کو بھی ملحوظ رکھ لیا جائے تو یہ مسلم ہوتا ہے کہ غنیمت نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ بارہویں صدی کے پہلے پچاس سال میں ہی گذارا۔

پیش لفظ مذکور میں دو قصص بھی درج کئے گئے ہیں (۸)، جن میں ایک غنیمت کی ملاقات سرخوش کے متعلق ہے اور دوسرا ملاقات اورنگ زیب کے متعلق ہے، حوالہ اسناد دونوں میں نہیں، پہلا قصہ مختصراً یوں ہے کہ سرخوش کی شہرت سن کر غنیمت ان سے ملنے گئے اور جب رسائی پائی تو ان کی مجلسِ احباب میں ایک کونے میں بیٹھ رہے۔ کچھ بولے نہیں، جب کسی نے کہا کہ بھئی تم بھی منہ سے کچھ کہو تو ان کی زبان سے نکلا۔

کردہ ام از مہر لب نقد بیانہا در گرہ   بستہ ام چون غنچہ سوسن زبانہا در گرہ (۹)

شعر برجستہ تھا، سامعین پھڑک اُٹھے اور ابھی داد دینا ہی چاہتے تھے کہ غنیمت نے ارتجالاً غزل مکمل کر دی جس نے ان کی شاعری کو نمایاں کر دیا۔ اس کے بعد ایک دو غزلیں اور ہوئیں جنھوں نے غنیمت کی شاعری کا سکہ منوا دیا۔

دوسرا قصہ اس طرح پر لکھا ہے کہ غنیمت کو غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سے اس قدر عقیدت تھی کہ جب ان کا نام آتا تو غنیمت سجدہ میں گر پڑتے۔ اورنگ زیب کو اس کی خبر ہوئی تو غنیمت کو طلب کیا اور جب پیش ہوا تو پوچھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ جب غوث الاعظم کا نام لیا جائے تو تم سجدہ میں گر پڑتے ہو۔ سوال کا جواب نہ ملا کیونکہ غنیمت سجدہ میں چلا گیا۔ عالمگیر یہ دیکھ کر چپ ہو رہا، اس قصہ کا بھی کوئی جواز نہیں۔ اول تو یہ مستبعد ہے کہ عالمگیر کے سامنے ایسا واقعہ ہوا اور اس کی مذہبی عصبیت نے کوئی مواخذہ نہ کیا ہو۔ دوسرے غنیمت نے اورنگ زیب کی مدح میں ایک مثنوی لکھی ہے جس میں اس کی شرع پرستی کی تعریف کی ہے، اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو غالباً مذکور ہوتا اور بادشاہ کی وسعتِ قلب قابلِ ستائش ہوتی نہ کہ شرع پرستی۔ مثنوی کے چند شعر ہیں۔

مثنوی:

شہِ اورنگ زیب کامرانی   چراغ دودہ صاحب قرانی
سر افراز جناب بی نیازی   پناہ شرعِ عالمگیر غازی
بہ تختِ سلطنت ہم شوکتِ جم   بود در خلوت ابراہیم ادہم

دلش از نورِ عرفان شمع محفل   می جامش شکست شیشۂ دل [10]

ولی بایں ہمہ معلوم ہوتا ہے کہ غنیمت کو غوث الاعظم کی ذات سے شغف ضرور تھا، جس کی وجہ سے یہ روایت پیدا ہوئی۔ غنیمت نے ان کی شان میں دو قصائد لکھے ہیں، جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

غوث الاعظم شہِ شاھانِ زمان محی الدین   قطب اقطاب جہان مظہرِ فیضِ یزدان [11]

قدسیان را بہ تمنای جنابت بادا   سجدہ مانندِ غنیمت بہ جبین سجدہ کنان [12]

من و خاک جناب قبلۂ جان شاہ گیلانی   کہ می نازد بہ نامش اسمِ اعظم عشق پنہانی [13]

غنیمت کے مزید حالات جو اس کے اشعار سے اخذ ہوتے ہیں صرف اس قدر ہیں کہ سیاحت کے شائق تھے، کشمیر کی سیر کو گئے:

بیا بلبل اگر داری گلی نذرِ تماشا کن   غنیمت بہرِ سیرِ گلشنِ کشمیر می آید [14]

اور حسینانِ کشمیر کو دل دے بیٹھے۔

بہار آشوب جنت جلوۂ ہر شوخ رعنائی است   دلی داری غنیمت نذرِ کشمیری نگاران کن [15]

مگر پھر بھی گھر کی یاد ستاتی رہی۔

آب شد کشمیر در چشمِ غنیمت از حجاب   تا کہ ندانستہ نام خطۂ پنجاب بُرد [16]

زیارتِ بغداد کا شوق بہت رہا۔

ای خوش آندم کہ غنیمت زسرِ عجز و نیاز   سر قدم کردہ بہ طوفِ شہِ بغداد رود [17]

اور سیرِ کابل کی تمنا تھی۔

شوق فایز می کند تکلیف سیر کابلم   شد غنیمت دیدۂ ما عرصۂ سرخاب ازو [18]

مگر دونوں آرزوئیں پوری نہ ہوئیں اور پنجاب کی محبت میں ہی منہمک رہے۔

ندیدم کشوری غارت گرِ تاب   بہ خوبی ھای حسن آباد پنجاب [19]

چہ پنجاب انتخاب ہفت کشور   قسم خوردہ بہ خاکش آبِ کوثر

ان قلیل واقعات سے تو غنیمت کی سخن سرائی کے محرکات کا پتہ نہیں چلتا، ان کے کلام سے اتنا اخذ ہوتا ہے کہ شعر گوئی کا مادہ وھبی تھا اور ان کی شاعری ان کے دل کے واردات اور گرد و پیش کے تجربات کا عکس تھی، اس نظریہ کی تائید ان کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے۔

در محفلی که شعر غنیمت شنیده ایم	بانگِ شکست دل غزلِ عاشقانه بود (۲۰)

غنیمت نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ شعر گوئی میں کسی کے متبع نہیں۔

نشـودِ طبع بــه اقبــال تتبع راضــی	در زمین دگری خانه بنا نتوان کرد (۲۱)

مگر اس ادعا کی اساس تعلّی سے زیادہ استوار نہیں، کیوں کہ انہوں نے متعدد شعراء اور اکثر ہمعصر شعراء کی زمین میں غزلیں کہی ہیں، مثلاً:

ناصر علی کے متعلق یہ اعتراف ہے:

تــا رســانـم نشـهٔ طرزِ نظیری در غـزل	با علی اشسب غنیمت می بیك ساغر زدم (۲۲)

غنیمت دل به احوال علی سوزد که می گوید	درونِ بیضه چون پروانه فانوس می تابم (۲۳)

پرسشِ حال علی کردم غنیمت دوش گفت	کشتهٔ وضع خودم از طبع آزادم مپرس (۲۴)

نیست هم طرح علی بودن غنیمتؔ قدر تو	مصرعی رنگین نشد تا خون نشه اندیشه ها (۲۵)

مگر یہ تتبع صرف زمینِ شعر میں ہے، نفسِ مضمون میں نہیں کیونکہ ناصر علی کا کلام تصوف سے مملو ہے جو صورت غنیمت کے ہاں نہیں۔

قاسم دیوانہ مشہدی کو اس طرح یاد کیا ہے:

در خیــالــم بــود حــالِ قــاسم دیــوانــهٔ	شب که در دست است غنیمت دفترِ اشعار بود (۲۶)

غنیمت با تجلی دوش فکر شعر می کردم	پریشان گشت مضمون قاسم دیوانه پیداشد (۲۷)

غنیمت گر بهار این است کز کلكِ تو گل کرده	به پای قاسم دیوانه هم زنجیر خواهد کرد (۲۸)

صیدی طہرانی کا حوالہ اس طرز پر ہے:

زان حریفانه غنیمت من که صیدی گفته است	بـازوی طبعِ حریفان را خدا نیرو دهد (۲۹)

این غزل طرحی صیدی است غنیمت هشدار	چه ضرور است شدن این همه ابرام فروش (۳۰)

یہ وہی صیدی ہیں جن کا شعر جہان آرا بیگم دخترِ شاہجہاں کی تعریف میں ہے:

برقع به رخ فگنده برود ناز به باغش تا نگهت گل بیخته آید به دماغش (۳۱)

ابو طالب کلیم کے کلام کو یوں خراج پیش کیا ہے:

شب غنیمت مصرعه ناخن به دل زد از کلیم "گر قدم در ره نمی فرسود منزل دور بود" (۳۲)

اور فغانی کا تتبع دو غزلوں میں ہوا ہے:

غنیمت چشم بیمارش طبیب من نشد روزی فغانی وار ورنه درد خود را چاره می کردم (۳۳)

غنیمت سوی خود می خواهد امشب یار عاشق را "فغانی گر دلی داری تو باش اینجا که من رفتم" (۳۴)

صائب کے متعلق تو بہت ہی عقیدتمندی کا اظہار ہے:

غنیمت دل فدای مشرب صائب که می گوید "کمر بستن به خون خلق از ناز است می دانم" (۳۵)

غنیمت دل شهید مصرعهٔ صائب که می گوید "گناه خویش ای بی درد از قاتل چه می پرسی" (۳۶)

یك بار بفرموده صائب چو غنیمت "کام دل ازان چهره افروخته بر گیر" (۳۷)

گر دلی داری غنیمت پند صائب گوش کن "حفظِ دولت در پریشان کردن سیم و زراست" (۳۸)

اور حافظ کے ضمن میں تو توارد تک نوبت پہنچ گئی ہے:

حافظ کا مشہور شعر ہے۔

هر گز نمیرد آنکه دلش زنده شد به عشق ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما (۳۹)

غنیمت اسی مضمون کو اصطلاحی رعایتوں کی امداد سے اس طرح پیش کرتے ہیں:

زندهٔ جاوید شد نامش ز فیض زخم عشق آب حیوانی مگر در تیشهٔ فرهاد بود (۴۰)

اورنگ زیب کے اقتدار نے شاعری کو خارج از دربار کیا تو شعر گوئی بادشاہ اور امراء کی ضیافتِ طبع کا سامان نہ رہی بلکہ عوامی تحریکات کا سرمایہ بن گئی۔ غنیمت کا عام آدمی کے اور مستزاد یہ کہ گاؤں کے رہنے والے تھے، اس لئے ان کی شاعری عامیانہ ماحول میں پلی اور اپنے زمانہ کی سماجی خصوصیات سے ہم آہنگ ہو کر رنگین الفاظ میں سموئی گئی۔ یہی وجہ ان کی اہمیت کی ہے۔

غنیمت کا تخیل رنگین تھا اور مشاہدہ تیز تر، مگر اتنی قدرت نہیں تھی کہ فکر کی بھی راہیں نکالتے اس لئے روایات سے گھرے رہے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلیہ تہذیب تیزی سے زوال پذیر ہوئی، لطیف اقدار مبتذل ہونے لگے۔ غنیمت کا عشق بھی شاہد پرستی میں ڈھل گیا، ان کی ایک تصنیف جو نہ صرف ان کی شاعری کی آئینہ دار ہے بلکہ ان کی شہرت کی بھی ذمہ دار ہے مثنوی نیرنگ عشق ہے۔

یہ مثنوی ارضِ ہندو پاکستان میں بہت مقبول ہوئی حتیٰ کہ بعض اشعار تو ضرب الامثال کا درجہ پا گئے۔ منشی نول کشور کے مشہور چھاپہ خانہ لکھنؤ مین ۱۲۶۳ھ میں طبع ہوئی اور پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے اور یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہے۔

مثنوی ''نیرنگِ عشق'' عشق کی داستان ہے اور سوزِ قلب وجگر کا بیان، بات چونکہ دل سے نکلی تھی۔ اس لئے اثر کرگئی، مگر روایات کے بندھنوں نے عشق بازی کے غیر فطری پہلوؤں سے الگ نہ ہونے دیا اور امرد پرستی کی روش نے جو عجمی اور ترکی تمدن کے زیرِ اثر زندگی کی چاشنی بن چکی تھی داستان کے کرداروں کو لڑکوں کے روپ میں پیش کیا جنہیں شاہد (معشوق) اور عزیز (عاشق) کا نام دیا گیا۔

قصہ یوں ہے کہ ایک لڑکا حسن و جمال میں یکتا پیدا ہوتا ہے اور شاہد کہلاتا ہے، اتفاق سے طوائفوں کے گروہ میں گھر جاتا ہے اور مطربی انداز سے آشنا ہو جاتا ہے۔ انہی اربابِ نشاط کے ساتھ ایک شہر میں پہنچتا ہے جہاں عزیز رہتا ہے۔ شاہد کا حسن ایک ہنگامہ برپا کر دیتا ہے۔ لوگ اس کے عشق میں از خود رفتہ نظر آتے ہیں، محتسب شہر اس ہنگامہ کو فرو کرنے کے لئے چاہتا ہے کہ شاہد کو شہر سے نکال دے، اس ارادہ سے جاتا ہے مگر اس کی خبر نہیں ہوتی، جب شاہد کے پاس پہنچتا ہے تو وہ سو رہا ہوتا ہے، شور سن کر جاگتا ہے مگر پہلی ہی نگاہ کام کر جاتی ہے، اور محتسب بے اختیار شاہد پر مرنے لگتا ہے۔ شاہد شہر میں رہ جاتا ہے اور اس دوران میں اس کی عزیز سے ملاقات ہوتی ہے، عزیز اس پر عاشق ہو جاتا ہے اور شاہد سے رابطہ پیدا کرتا ہے، شاہد عزیز کے ساتھ رہنے لگتا ہے، عزیز اسے تعلیم دلوانے کی خاطر مکتب میں بٹھا دیتا ہے، مکتب میں اور لڑکے بھی ہیں جو بہت خوبصورت ہیں، مگر شاہد کا جواب نہیں۔ شاہد کے حسن سے مکتب میں آگ سی لگ جاتی ہے، استاد تک بسمل ہو جاتے ہیں اور یہ کیفیت ہوتی ہے کہ شاہد مکتب سے گھر کو جاتا ہے تو متعلمین اور مدرسین کا جدائی میں بُرا حال ہو جاتا ہے، شہرت سن کر مولانا غنیمت بھی مکتب میں تشریف لے جاتے ہیں اور دل دے آتے ہیں۔ شاہد کو عزیز کے ساتھ رہتے عرصہ گزر جاتا ہے، اس عرصہ میں ہجر کی گھڑیاں بھی آتی ہیں، مگر زیادہ اہم حادثہ جو پیش آتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ شاہد خود ایک لڑکی پر عاشق ہو جاتا ہے اور اپنے عشق کے وفور میں عزیز کو بھلا دیتا ہے۔ عزیز کو یہ دردِ دل عشق مجازی سے نکال کر عشق حقیقی کی حدود میں لا کھڑا کرتا ہے اور اس طرح سے عزیز منتہائے عشق پا لیتا ہے۔

اشعار چونکہ عشق کی کیفیات اور روزمرہ کے واردات سے وابستہ ہیں اس لئے ان میں حلاوت اور شیرینی، اثر و جذب پیدا ہوگیا ہے۔ غنیمت خود کہتے ہیں:

قلم ننوشت خبر بیتابی دل   دواتم بود حلقِ مرغ بسمل
نمودم چون حدیث عاشقی سر   پر پروانہ شد اوراق دفتر (۴۱)

یعنی میرے قلم نے اضطراب دل کے بغیر اور کسی چیز کی نگارش نہیں کی، میں نے بلبل نیم کشتہ یعنی عاشق مضطرب کے حلق کے خون کی روشنائی کام میں لی اور پروانہ کے عشق اندوز پروں کے اوراق بنائے، تب کہیں جا کر عاشقی کی داستان بیان ہوئی۔

مثنوی کا اندازِ بیان برجستہ ہے، بندشیں چست اور تراکیب معنی خیز ہیں اور کئی اشعار رعایت لفظی و معنوی کے عمدہ نمونے ہیں۔ مثنوی کا مطلع صنعت براعۃ الاستہلال کا مظہر ہے، حمدِ خداوندی کا مضمون اور مثنوی کا یکجا ہو۔

بہ نامِ شاہدِ نازک خیالان   عزیزِ خاطرِ آشفتہ حالان (۴۲)

یعنی ''اس نام سے آغاز ہے جو نازک خیال سخنوروں کا محبوب اور پریشاں حال لوگوں کا مداوا ہے''۔ یہ حمد کا مضمون ہے اور شاہد اور عزیز داستان کے دو کردار معشوق اور عاشق کے نام ہیں۔ مثنوی کے ابتدائی اشعار حمد خداوندی میں ہیں اور کہیں کہیں فصاحت کے حامل مثلاً:

خرد در فکر او مجنون و مدھوش   جبین از سجدہ اش لیلیٰ در آغوش (۴۳)

عقل خدا کو سمجھنے میں پاگل ہوگیا، مگر جبین کو سجدہ سے اس قدر شغف ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ محبوب آغوش میں آ گیا۔

داستان شاہد کی پیدائش سے شروع کی جاتی ہے اور جب وہ اربابِ نشاط کی صحبت میں مطربانہ انداز سے روشناس ہو جاتا ہے تو کیفیت کا بیان بلاغت کی جان ہے۔

نبودہ در کفِ آن ناز پرور   بہ جز عاشق نوازی سازِ دیگر (۴۴)

یعنی اس کے ہاتھوں میں عاشق نوازی کے بغیر ساز ہی کیا تھا، عاشق نوازی کو ساز سے تمثیل دینے میں ایک تو مطربی ساز کی رعایت بکار آتی ہے اور دوسری طرف حسن کے ساز و سامان کا تصور سامنے آ جاتا ہے، آگے چل کر وہ سماں جب شاہد کو شہر بدر کرنے کے لئے محتسب تشریف لاتے ہیں اور خود فریفتہ ہو جاتے ہیں جس زور اور انداز سے بیان ہوا ہے قابلِ ستائش ہے۔

جگر در سوختن دل در تپش ھا   رگ جان دست فرسود کشش ھا

چو زلفِ او سری افگنده درپیش — به پا بوسش تو گوی رفته از خویش
سرو سودا بهم در کاسه بازی — دل و جرأت شهیدِ جانگدازی
جنون، سر گرم عرض یك قدم پیش — خرد در التماس رخصتِ خویش (۴۵)

جگر جلنے لگا اور دل کو تپشِ عشق نے بھون ڈالا، رگِ زیست معشوق کی طرف اس طرح کھنچی جیسے کسی نے ہاتھ ڈال کر گھسیٹ لیا ہو، محتسب نے اپنا سر زلف دار معشوق کے قدموں میں ڈال دیا اور انہیں چومنے کے شوق میں آپے سے باہر ہو گیا، فرطِ سودائے عشق میں سر نے قربان ہو جانے کی ٹھانی اور دل و جرأت احتساب تو پہلے سے شہید ہو چکے تھے، جنوں کا تقاضہ یہ تھا کہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھے اور عقل رخصت کا طالب تھا۔

دست فرسود کشش ہا، کاسۂ بازی سر، اور التماسِ رخصتِ خویش ایسی تراکیب ہیں جو قابلِ تحسین ہیں۔

شاہد جب عزیز کے گھر جاتا ہے تو:

روان شد از پی عاشق نوازی — تبسم با لبش در بوسه بازی
پشیمان گشته چشم از کم نگاهی — زمژگان صد زبان در عذر خواهی (۴۶)

(یعنی معشوق نے عاشق پر مہربانی کی اور تبسم اس کے ہونٹوں سے کھیلتا ان کو چوم رہا تھا، جب وہ چلا نظریں نیچی تھیں، یوں معلوم ہوتا تھا کہ آنکھیں نگاہ کے بھرپور نہ ہونے پر پشیمان ہیں اور مژگاں سے سو بار معذرت خواہ) حیا کی کم نگاہی اور پھر مژگاں سے نگاہ کی عذر خواہی نفاستِ خیال ہے اور مژگاں کے ساتھ صد زبان کو یکجا کرنا لطافتِ ادا پر دال ہے۔

اسی طرح سے مکتب کا نقشہ کھینچا ہے:

سبق خوانانِ حرفِ بی وفایی — دمادم شیشه لوحِ آشنایی
یکی را ماند لب از حرف خاموش — سبق چون نام مشتاقان فراموش
به سرعت آن یکی خوانان سبق را — نخوانده صفحه گردانده ورق را
نظر کردند چون بر روی شاهد — شدند آشفته تر از موی شاهد
زطفلان هر طرف برخاست فریاد — که یاران آتشی در مکتب افتاد (۴۷)

(مکتب کے لڑکے تھے جو بے وفائی کا سبق پڑھ رہے تھے اور آشنائی کی تختی کو دھونا سیکھ رہے تھے، کسی کی زبان کسی مشکل لفظ پر رُک جاتی، کسی کو عاشق کے نام کی طرح سبق بھول جاتا۔ کوئی سبق اس جلدی سے پڑھتا کہ ابھی پورا نہیں ہوا اور ورق اُلٹ دیا۔ شاہد ان کے درمیان پہنچا تو انہوں نے نظریں اٹھائیں، سخت پریشان ہوئے، کہنے لگے لو بھائی اب تو مدرسہ میں بھی آگ لگ گئی)۔

ادھر شاہد حجاب کی وجہ سے خاموش ہو رہا، حضرت استاد کا ٹھکانا نہیں تھا، گوش کیا دل بر آواز تھے، شاہد بولا تو بس گھائل ہو گئے۔

چون از مردی حجابش لب به لب ماند | شنیدم من که استادش همی خواند
الهی غنچهٔ امید بکشا | گلی از روضهٔ جاوید بنما
اثر جوشید یعنی غنچه واشد | دهان بسته اش حرف آشنا شد
شد اول از سر بیتابی دل | به یك بسم الله اش استاد بسمل (۴۸)

شہرتِ شاہد غنیمت تک پہنچ جاتی ہے اور انہیں مکتب تک کھینچ لاتی ہے، اس کا بیان غنیمت کی اپنی زبان سے سنئے:

مرا روزی به دل شوق آشنا شد | کتابِ صبر را شیرازه واشد
به امید تماشای نگاری | نمودم جانب مکتب گذاری
برآمد بردری مکتب خروشم | که من سیپارهٔ دل می فروشم
مرا از مهربانیها درون خواند | خرد از همرهی بیرونِ در ماند
زسر پا کرده رفتم یك قدم بیش | بلا گردانِ لطفِ طالع خویش
بگفتا پیشتر آ پیش رفتم | تکلف بر طرف از خویش رفتم
زدستِ من به صد اعزاز برداشت | غلط گفتم به چندین ناز برداشت
پسندش کرد گفتا من خریدار | بگفتم ار شود طالع مددگار
بگفتا قیمتش، گفتم نگاهی | بگفتا کمترك گفتم که گاهی (۴۹)

فرمایا ہے کہ مجھے جو شوق چڑھا میں صبر نہ کر سکا اور اس خوبرو کو دیکھنے کے لئے مکتب کا راستہ لیا، ابھی دروازہ پر تھا کہ صدا نکلی "میں دل کی قاشیں بیچتا ہوں ہے کوئی لینے والا"۔ شاہد نے بھی سن لیا، مہربانی فرما کر اندر بلا لیا، عقل نے باہر ہی رفاقت سے جواب دے دیا اور میں سر کے بل اپنے بخت پر نثار ہوتا اندر گیا، بُت نے کہا آگے آؤ، میں آگے ہوا تو اپنے آپ سے باہر تھا، دل کا تحفہ ہتھیلی پر رکھ کر پیش کیا۔ اس نے اٹھا لیا، دیکھا، پسند کیا، کہا میں خریدار ہوں، کیا قیمت لو گے؟ میں نے کہا، ایک نگاہ، اس نے کہا کچھ کم کرو، میں نے کہا وہ نگاہ بھی کبھی کبھی۔

مثنوی "نیرنگِ عشق" میں لفظی تصویر کشی جا بجا ہے، چند نمونے اوپر آ چکے، ایک جگہ جہاں رنگ قدرتی حسن آفرینی کے ہم آہنگ ہے عورت کا سراپا ہے جو محبوب مثنوی کی محبوب ہے۔

نهـان در گیسوی اُو لیلة القدر　　　عیـان از جبهٔ او مـطـلـع الفجر (۵۰)

نه مژگان، چنگلِ شاهین تقدیر　　　ربوده دل زدست مرغ تدبیر (۵۱)

دهن گفتم رسید از غنچهٔ بوی　　　ندیدم من شنیدم گفتگوی (۵۲)

به روی سینه اش سیب دو پاره　　　علاجِ قوتِ ضعفِ نظاره (۵۳)

یعنی اس کے گیسو کی سیاہی رات کے مشابہ، مگر وہ رات جو لیلۃ القدر کی طرح سعد اور طویل ہو اور اس کی پیشانی پر صبح کی سفیدی نمایاں، پلکیں ایسی جیسے تقدیر کے شاہین کا چنگل جس کے سامنے دل کے بچنے کی تدبیر نہیں، دہن غنچہ کی مانند اس قدر تنگ کہ نظر نہ آسکے البتہ اس کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جائے اور جب وہ بولے تو دہن کے وجود کا اظہار ہو، سینہ کیسا جیسے سیب کے دو حصے چھاتی پر چسپاں کر دیئے گئے ہوں، جو سیب کی طرح اپنی قوت بخش خاصیت سے ضعفِ نظر کا علاج کر دیں۔

نسوانی حسن کا یہ بیان جملۂ معترضہ کے طور پر آیا ہے، وگرنہ غنیمت کا عشق امرد پرستی سے متصف ہے، وہ دل و جان اُن لڑکوں کی نذر کئے ہیں جو سر کنڈے کے گھوڑوں پر سوار نظر آتے ہیں۔

جان زدستِ ایں طفلان کی توان سلامت برد
هر طرف که می بینی فوجِ نی سواران است (۵۴)

جن کے لب ہائے نازک اس وقت تک شیریں ہیں جب تک ان پر بال نہیں آئے۔

خط در لبت نیافته راهِ سخن هنوز　　　شیرین بود زحرفِ تو چندین دهن هنوز (۵۵)

اور اس وقت کے معاشرہ پر یہ افسوسناک تبصرہ ہے کہ تمام لاہور میں غنیمت کو اگر کوئی دلکش شخصیت نظر آئی تو وہ ایک کمانگر کا لڑکا تھا۔

زان بتانی که به لاهور غنیمت دیدم　　　درجگر تیر کمانگر پسری کارگر است (۵۶)

اور اس شعر نے تو حد ہی کر دی کہ:

درین گلشن کدامین طفلِ بلبل باز می آید　　　که رنگِ گل چو بلبل بر سرِ پرواز می آید (۵۷)

امیال و عواطف سے قطع نظر فن شعر میں غنیمت کا کمال لفظی صناعی، ندرتِ تشبیہ اور جدتِ اسلوب پر مبنی ہے، اکثر پرانے مضامین کو نئے سانچے میں ڈھالا گیا ہے یا نئی تشبیہات کے زیور سے آراستہ کیا گیا ہے اور

بارہا اشعار کی بنیاد لفظی رعایت پر رکھی ہے اور تخیل روایات سے محدود ہے، پھر بھی تازگی بیان اور عمدگی تخیل کے خوب نمونے ملتے ہیں۔

پرانے مضامین کو لیجئے دہن جس قدر تنگ ہو اسی قدر خوبصورت سمجھا جاتا ہے اور اسی وجہ سے اور سرخ لبی کی رعایت سے اسے غنچہ سے تشبیہ دیتے ہیں اور فارسی شعراء کے ہاں فرسودہ مضمون ہے۔ غنیمت اس کو چھوڑ نہیں سکے البتہ نیا جامہ دینے کی کوشش کی ہے:

شب سخن غنچه گوش کردم   از دهنت داشت گفتگو ها(۵۸)

دہنِ معشوق کے ساتھ ہونٹ محلِ ستائش رہے ہیں اور ہونٹوں کی شیرینی کی شکر اور شہد سے مشابہت تو ابتدائی اظہار کا حصہ تھی، تخیل کی ترقی نے آبِ حیات کا تصور اس پر چسپاں کیا۔ غنیمت نے اس سے آگے بڑھنا چاہا مگر ڈگر وہی تھا، نئی راہ نہ نکل سکی۔

آبِ حیات شد عرقِ شرم خویشتن   هر جا غنیمت از لبِ او گفتگو کنند(۵۹)

چشم معشوق کے سامنے عاشق کی زبان بستگی عام خیال ہے اور اس کا اظہار پرانا مضمون ہے۔ آنکھوں میں سرمہ لگانا بھی عام رواج ہے اور باعثِ افزائش حسن متصور ہوتا ہے، سرمہ کھانے سے آواز پر گھگی بندھ جاتی ہے، اس سہ گانہ کیفیت کو شعراء نے ہمیشہ موادِ شعر سمجھا ہے۔ غنیمت نے بھی اسے مختلف پہلوؤں سے باندھا ہے مگر بات وہی پرانی ہے۔

هست چشم سرمه رنگی در پی آزارِ ما   چون نگه بی صوت باشد نالهٔ بیمارِ ما(۶۰)

حدیث چشم که شد دل نشین گفتن ها   که سرمه ایست زبانم به رنگِ سوسن ها(۶۱)

پیش آن چشمِ سخن گوی همچو میل سرمه ناك   خاك گشته بر زبان ها قوتِ گفتار ما(۶۲)

غنیمت کی روایت گرفتاری کا بین ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ انہوں نے زاہد کو بُرا بھلا کہنے میں رسوماتِ سخن کی پابندی کی ہے، صوفی شعراء کو چونکہ ظاہری مذہب سے گریز تھا اس لئے زاہد کو رسمی عقیدہ کا مظہر سمجھ کر اس کے مخالف تھے، متصوفانہ نقطۂ نظر سے یہ قابلِ فہم تھا مگر غنیمت کو تصوف سے کوئی لگاؤ نہیں تھا، انہوں نے زاہد کو اس لئے گالیاں دیں کہ یہ روایات میں داخل تھا، اس موضوع پر اُن کے متعدد شعر ہیں مگر ایک مثال کافی ہوگی:

ناتوانی راه در میخانه زاهد را مده   چغد خواهد کرد ویران خانهٔ آباد ما(۶۳)

روایات کی حدود کے اندر رہ کر بھی غنیمت نے نادر تشبیہات سے مضامین سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

مثلاً عاشق معشوق کی اداؤں کا شکار ہوتا ہے۔ ادائیں کیا ہوتی ہیں، ایک جال کی مانند جس سے شکار یعنی عاشق بچ کر نہیں جا سکتا، مگر عاشق جب خود اس عاقبت کا خواہش مند ہو تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ خود صید نے جال کی گانٹھوں کو آتشِ شوق پر حرمل کے دانہ کی طرح نثار کر رہا ہے کہ صیاد (معشوق) کو نظرِ بد سے کوئی گزند نہ پہنچے۔ گرۂ دام کو سپند سے تشبیہہ دینا ندرتِ تخیل ہے:

در راه صیدش از پی دفع گزند ها دام از گره فشاند بر آتش سپند ها [۶۴]

گریہ کو بارش سے تشبیہہ دینا عام ہے۔ غالب نے اس کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا ہے:

میری طرح نہ اک دن ابرِ بہار رویا وہ لاکھ بار رویا میں ایک بار رویا [۶۵]

غنیمت نے اسی تشبیہ سے نادر مضمون ایجاد کیا ہے کہ رونے کا شوق اس قدر لاحق اور آنسو ایسے امڈے کہ ملکِ ہندوستان میں برکھا رُت آ گئی:

از بسکه هوای گریه غنیمت به سرفتاد در هند تیره روزی ما بر شگال بود [۶۶]

گریہ نہ صرف تاسف کا ردِعمل ہے بلکہ اس سے تزکیۂ نفس کا فائدہ بھی مرتب ہوتا ہے۔ غنیمت اسے دانۂ کاشتہ سے تشبیہ دیتے ہیں جو بالکل انوکھی تشبیہ ہے:

نیفشاندی سرشک از دیده جمعیت چه می خواهی؟ نکردی دانه از خاک از حاصل چه می پرسی؟ [۶۷]

پرانے زمانے کے میخانوں میں دستور تھا کہ شراب کے شیشہ پر پیالہ اوندھا کر کے رکھ دیتے جو ڈھکنے کا فرض بھی ادا کرتا اور پینے کا کام بھی آتا، مختلف شکل اور ساخت کے بلوری گلاس بعد میں رائج ہوئے، غنیمت کو سفید شیشہ میں سرخ شراب کی جھلک نے فرنگی زادوں کے سرخ و سفید رنگ کی یاد دلائی اور سبو پر جام انگریزی ٹوپی کے مشابہ دکھائی دیا۔ بالکل نئی تشبیہ ہے:

ساغری دیدم نگون بر شیشه هر باده ای چون کلاهِ برسرِ شوخِ فرنگی زاده ای [۶۸]

رندوں کو زاہد سے چشمک رہی ہے اور غنیمت نے زاہد کو اسی زاویہ سے دیکھا ہے کہ ایک مردہ دل خشک نفسی کا لبادہ اوڑھے دنیا اور دنیا والوں سے الگ تھلگ اپنے صومعہ میں بیٹھا شیخی بگھار رہا ہے اور ایسا معلوم دیتا ہے جیسے کوئی شخص قبر میں حکومت کر رہا ہو اور اس کا تفاخر ایک پرانی قبر پر پُرتکلف غلاف ہو۔

در خانقاه زاهد بود است میر مجلس در گور اگر ببینی هر مرده کد خدایی است [۶۹]

عبث این مرده دلان خرقه شیخی پوشند چون غلافی به تکلف سر گوری کهنی [۷۰]

غنیمت کے کلام کی اہم ترین خصوصیت اسلوبِ بیان کی تازگی ہے، ان کے بیان میں ایسی مثالیں

بکثرت ہیں اور کہیں کہیں تو بہت عمدہ ہیں۔ مثلاً قاصد معشوق کا خط لایا ہے، اس پر جو خوشی ہوئی ہے اس کا کس قدر سادہ اور مؤثر بیان ہے:

نشاطی کز وصول نامۂ پیغامِ او دیدم نہ در تحریر می گنجد، نہ در تقریر می آید (۴۱)

قاصد خط دے چکا تو اس نے سفر کا حال اور ملاقاتِ معشوق کی داستان سنائی، ساتھ ہی زبانی پیغام جو لایا تھا وہ دیا، بس کیا تھا معشوق کے ہونٹوں کے تصور نے سینکڑوں بوسوں کی لذت اس کے پیغام میں بھر دی۔

حدیثِ جانفزا قاصد زلب هایی که می گوید
که دل صد بوسه لذت می کند حاصل زپیغامش (۴۲)

"صد بوسہ لذت" کی ترکیب نفیس اور بالکل نیا انداز ہے، آگے چلئے۔ پیغام میں آنے کا وعدہ تھا، معشوق کی عظمت اور محبت کئی گنا بڑھ گئی، شعر زبان پر آیا، جسے الفاظ کی موزونیت نے پُر لطف کر دیا:

ندارد آسمان ماه این چنین ماهی که من دارم
رخش صبحِ سعادت می کند شامِ غریبان را (۴۳)

آمد کے تصور نے دل کی رفتار تیز کر دی تھی کہ:

ع: ہم اپنے دل کی دھڑکن کو تری آوازِ پا سمجھے

غنیمت کا اسلوبِ ادا نرالا ہے:

معلوم توان کرد که جولانگه شوخی است فریاد دل از جنبش پای خبرم داد (۴۴)

اگلا سین محبوب کے سامنے آنے کا تھا، ہوش اُڑ گئے، غنیمت کا نقشہ بیدل کے مرغوب طرز میں خاصہ عمدہ ہے:

رمیده هوش از سر تماشا بدیده ماهی که می خرامد
پریده رنگ از رخِ تمنا غبارِ راهی که می خرامد (۴۵)

اور جب غور سے دیکھا تو قیامت کا نظارہ تھا۔ غنیمت کا بیان سنئے اور غالب کے انداز سے مقابلہ کیجئے، صرف دو چار ہاتھ ہی کم رہ گیا ہے۔

غنیمت:

زدیوان قیامت انتخابی مصرعی کردم نظر افتاد چون بر جلوۂ سرو خرامانش (۴۶)

غالب:

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا (۴۷)

یہ معشوق کے التفات کا مضمون تھا، اس کی بے پروائی کا تذکرہ بھی غنیمت کے ہاں دلچسپی سے خالی نہیں۔
انسانی چہرہ میں سرخی اور سفیدی کی آمیزش لوازماتِ حسن سے ہے اور چونکہ سرخی آتش سے متعلق ہے، اس لئے معشوق کو آتشیں رُو کہتے ہیں۔ حرمل کا دانہ آگ سے لگ کر جلنا شروع کرتا ہے تو آواز نکلتی ہے، اب دیکھیے معشوق سامنے آیا مگر عاشق کی طرف ملتفت نہ ہوا، حالانکہ عاشق جلوہ کے لئے تڑپ رہا تھا مگر کیا کرتا چپ ہو رہا۔ مولانا غنیمت نے اسے تمثیلاً یوں کہا ہے کہ ''آتشیں رُو'' نے توجہ نہ کی اور سپند کی طرح فریاد و فغاں کا شور اندر ہی اندر رہ گیا۔ شعر ہے:

(۷۸)
آتشین روی نظر بر جلوه محتاجی نکردِ   چون سپندم ماند آشوبِ فغان ها در گره

''فغانہا در گرہ'' اور ''جلوہ محتاجی'' کی تراکیب قابلِ داد ہیں۔
عاشق اور معشوق کے معاملات لاتعداد ہیں، عشق کی منزلیں آسان نہیں اور نہ ہی مختصر ہیں۔ ابتداء میں سہل دکھائی دیتی ہیں تو بعد میں مشکل، صرف یہی نہیں، جس قدر راستہ طے ہوتا ہے اتنا لمبا ہو جاتا ہے۔ غنیمت نے اسے خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔

نگردد قطع هرگز جاده عشق از دویدن‌ها
که می بالد به خود این راه چون تاك از بریدن‌ها (۷۹)

یہ دل کے عوالم تھے، دنیاوی زندگی کے موضوع پر بھی غنیمت کے بلیغ اشعار ہیں۔ دنیاوی رقابتوں کے سلسلے پر غور کیا جائے تو شطرنج کا نقشہ سامنے آتا ہے، شطرنج کی بساط پر مہرے چلتے ہیں، جنگ کرتے ہیں، مرتے ہیں، مگر کوئی مقصد پورا نہیں ہوتا، البتہ یہ سبق اخذ ہوتا ہے کہ دنیاداری کی مناقشات بے سبب ہیں۔

(۸۰)
درین بساط بود بی سبب حریفان را   بسانِ مهره شطرنج خانه جنگی‌ها

مگر متعدد بے کار افراد سے ایک پختہ کار اچھا، اس حقیقت کی دلیل غنیمت لشکر آرائی سے پیش کرتے ہیں، اگر جرنیل یا سپہ سالار کی ہدایت مشعلِ راہ نہ ہو تو ہجوم سپاہ بے زمام اور ہرزہ گرد رہ جائے۔

(۸۱)
یك مردِ كار به زهزاران نكرده كار   این نكته با سیاهی لشكر نوشته اند

دنیا میں جہاں مردانِ کار رہتے ہیں وہاں رند بھی رہتے ہیں، اور غنیمت رند کی حیثیت سے محتسب کے ساتھ اپنی جنگ کا حال پر لطف پیرایہ میں بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم میخانے میں بیٹھے پی رہے تھے کہ تھانیدار صاحب (محتسب) آ پہنچے، نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، ڈنڈا چلانا شروع کر دیا کہ بھاگو یہاں سے، شراب پینا منع ہے، ہمیں کوئی چارہ کار نظر نہ آیا، لاٹھی کی ضرب کھا کر چلے آئے، مگر بدلہ لے لیا کہ جا کر اور پی لی، اچھوتا خیال ہے۔

(۸۲)
انتقامِ می پرستان هم به نوعی دیگر است   محتسب گرزد مرا من رفتم و ساغر زدم

رند پیتے ہیں تو کیف کی تلاش میں پیتے ہیں۔ غنیمت ان کی جام بدست حالت سے نہایت عمدہ اور حسین تعلیل ڈھونڈتے ہیں۔

هر شب متاعِ گم شدهٔ عیش خویش را　　　مستان چراغ جام به کف جستجو کنند [۸۳]

غنیمت دنیا دار تھا، متصوفانہ نکات سے سروکار نہ تھا، توحید کے مضمون پر معدودے چند شعر، ایک نعتیہ قصیدہ اور دو چار نعتیہ اشعار ہی اس پہلو کے عکاس ہیں، مگر پیرایہ گوارا ہے مثلاً توحید کا مضمون ہے، کہا ہے:

از بس خیال من شده لبریز جلوه اش　　　هر جا که سر به سجده نهم نقشِ پای اوست [۸۴]

اور اگر سجدہ خلوص سے پُر ہو تو مٹی کا داغ جو ماتھے پر رہ جائے گا اس قدر قیمتی ہوگا کہ اہلِ وفا اسے مکارم اخلاق کا عنوان سمجھیں گے۔

بود مسوده سر نوشت اهل وفا　　　زسجدهٔ تو غباری که بر جبین باشد [۸۵]

قربِ خداوندی کے مضمون نے غنیمت کو دو نہایت عمدہ شعر دیئے ہیں، ایک میں ترک دنیا کے وسیلہ سے اس کے حصول کا نیا پیرایہ ہے۔

دست شستن ز الفت کونین　　　هم وضو گشت هم دوگانهٔ ما [۸۶]

اور دوسرے شعر میں آستانہ ربوبیت پر حاضری کے تذکرہ میں بیدل سے ٹکر لی ہے۔ بیدل کا شعر ہے:

نگه هر جا رسد چو شبنم ز شرم می باید آب گردد
اگر بداند که بی محابا به جلوه گاهی که می خرامد [۸۷]

اب غنیمت کا شعر سنئے۔

نهاده پا برسرِ دو عالم گذشت از خود به گام اول
خبر ندارد کسی غنیمت به جلوه گاهِ که می خرامد [۸۸]

نعتیہ نمونہ ملاحظہ ہو، کسی خصوصیت کا حامل نہیں:

ای بهار هشت جنت در عرق ازروی تو　　　قبلهٔ روحانیان طاقِ خم ابروی تو [۸۹]

غنیمت میں تنوعِ بیان کی قابلیت کا ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ غنیمت نے فراق کے مضمون پر بہت طبع آزمائی کی ہے۔ اول ہر غزل میں نہیں تو ہر دوسری غزل میں ''بی تو'' (تیرے بغیر) کے تصور کے ماتحت شعر کہے گئے ہیں، مگر ہر بار نیا اسلوب ہے، صرف ایک ردیف ''ذ'' میں ایک درجن ایسے شعر ہیں جن میں سے دو شعر ایک ہی مضمون اور ایک ہی قسم کے تخیل سے مزین پیش کئے جاتے ہیں، جن سے قدرتِ بیان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

دور از تو بر چمن چه قیامت گذشت دوش　　هر غنچه در فغان دهنِ داد خواه بود[90]

بی تو در صحنِ گلستان بال ها برهم زدن　　بلبلان را دست برهم سودن افسوس بود[91]

مضمون آفرینی اور تخیل:

مضمون آفرینی اور تخیل بھی اسلوب بیان سے ہم آغوش ہوتے ہیں۔ غنیمت نیا مضمون کم پیدا کرتے ہیں، البتہ تخیل اور واقعیت نگاری کو ملا کر اس میں نئی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش بہت کرتے ہیں۔

مثلاً اس زمانے میں روش تھی کہ صاحب جاہ لوگ حفظ ناموس کے لئے اپنی مہر کے نگینے کے نیچے زہر بھر دیتے تھے تا کہ اگر ضرورت پیش آئے تو اس سے زندگی ختم کر دی جائے، چونکہ ہر شخصی حکومت میں حالات کا بقا مزاجی تلون پر ہوتا ہے، اس لئے نام کی برتری بدنامی سے ہمہ وقت ہمکنار رہتی ہے کہ کس وقت نگاہِ حاکم بدلے اور عزت خاک میں مل جائے۔ غنیمت کا بیان دادطلب ہے:

زهر در زیرِ نگینی دارند ارباب دول　　خوبی این نا مها را ننگ باشد در بغل[92]

دولت والوں کے ساتھ ساتھ ملائیت کے ارکان بھی دولت فراہم کرنے کے در پے ہوتے ہیں اور اسی میں خوش نظر آتے ہیں۔ غنیمت ان کے افعال سے دلچسپ دلیل پیش کرتے ہیں۔

زاهدانِ خشك از دولت به خود بالیده اند　　شربتِ دینار نافع شد به این بیمار ها[93]

رقابت کے مضمون پر غنیمت نے نیا خیال پیش کیا ہے۔ یار کی اغیار سے آمد و رفت باعثِ آشفتگی عاشق ہوتی ہے مثلاً عرفی کا بلیغ شعر ہے:

می روی با غیر و می گویی بیا عرفی تو هم　　لطف فرمودی برو کین پای را رفتار نیست[94]

غنیمت کا تخیل اس سے آگے بڑھتا ہے، غیر کی محبت تو درکنار غیر کا کوچہ یار کی طرف فقط عزم ہی پریشانی خاطر کے لئے کافی ہے۔

کدام منزل مقصود بود مدنظر　　که غیر عزمِ سفر کرد و هوش من می رفت[95]

گلاب کی مہک نے غنیمت کو اچھوتا خیال دیا ہے کہ اس میں خوشبو کی تیزی اس لئے آ گئی ہے کہ رات بھر معشوق کے گریبان میں کھلے ہوئے گلاب کا ہاتھ رہا:

می دهد بویی که طاقت رنگ می بازد ازو　　دستِ گل پنداری امشب در گریبان تو بود[96]

حقائق زندگی کا بیان ہے۔

از پی اظهار غفران معصیت در کار بود　　نام شمع از دود مان شام روشن می شود[97]

یعنی دنیا میں ہر چیز اضافی ہے، مغفرت ربانی بھی تب ظاہر ہو سکتی ہے جب گناہ موجود ہوں۔ غنیمت اسے یوں پیش کرتے ہیں کہ شمع کو دیکھئے، اس کی قدر و قیمت شام سے پہلے نمایاں نہیں ہوتی، جب تک شام کی سیاہی پس منظر میں نہیں ہوگی، شمع کی روشنی اور سفید روشنی کا پتہ کیونکر چلے گا۔ دودمان کے معنی خانوادہ کے ہیں مگر شمع کی رعایت سے دود کا لفظ آیا ہے، ملک شام کی شمعیں مشہور تھیں تو اس رعایت سے دودمان شام سج گیا۔ ش اور م کے حروف کا تکرار نے رنگینی پیدا کر دی، خواہ خیال آرائی کا اظہار ہو خواہ مضمون بندی کی سعی، غنیمت ہر رنگ میں اپنے شعر کی عمارت کو لفظی رعایت پر استوار کرنے کے بہت شوقین ہیں اور ان کا دیوان ایسے اشعار سے بھرا ہوا ہے اور بسا اوقات اس شغف کی بدولت ان کا شعر محض لفظی نسبتوں کا مجموعہ رہ جاتا ہے۔ چنانچہ مثالیں کافی ہوں گی، شعر ہے:

خانۂ ما جلوہ گاہ کیست کز آشوب حسن　　　می پرد ہوش پری در سایۂ دیوارِ ما [۹۸]

چونکہ "دیوار" قافیہ کی گردان میں تھا اور دیوار خانہ سے متعلق ہے اور اس کا سایہ ہوتا ہے۔ اور سایہ کو پری سے مناسبت ہے اس لئے پری کے ہوش پراں ہو گئے، وگرنہ شعر میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔

طاقت بر خاستن چون گرد نمناکم نماند
خلق می داند که می خورد است و مست افتاده است [۹۹]

گرد اگر گیلی ہو جائے تو اُٹھنے کی طاقت کھو بیٹھتی ہے، انسان مٹی کا پتلا ہے اور اگر اس میں اٹھنے کی طاقت نہ رہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ اس نے شراب پی لی اور مست ہو گیا، انسان خاکی نژاد ہونے سے گیلی مٹی کی تشبیہ کا مورد ہوا مگر الفاظ بندی کے سوا مدعا عنقا ہے، اپنے عالم تحریر کا۔

پیش من دیدۂ آھوست چراغ خاموش
بسکه صیادم ازین بادیه چون باد گذشت [۱۰۰]

اس شعر میں الفاظ، صیاد، آہو، دیدہ، چراغ، بادیہ، باد، ایک دوسرے کی رعایت سے مجتمع ہونے کے سوا کوئی کیف پیدا نہیں کرتے۔

تا سرم در بند آن صد افگن بی باک بود
ذوق آغوش پری در حلقۂ فتراک بود [۱۰۱]

یہاں پھر وہی رعایتِ لفظی ہے، معنی یہ کہ جب سے میرا سر شکاری (اصطلاحاً معشوق) کے قبضہ میں آتا ہے، فتراک میں جانگزیں ہونا ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے آغوشِ پری میں آ گیا ہو، صیاد کو بیبا کی اور فتراک کو پری سے کوئی مناسبت نہیں، صرف قوافی کی مناسبت سے شعر پیدا کیا گیا ہے۔

به این ابروی محرابی چون در بیت الصنم آیی
قضا ها لازم آید سجدهٔ سهو برهمن را (۱۰۲)

ابرو معشوق کو خمدار ہونے کے سبب محراب سے تشبیہ دی جاتی ہے اور محراب سجدہ کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ غنیمت اس استعارہ کو ایسا پھیلاتے ہیں کہ اضداد جمع ہو جاتے ہیں، یعنی معشوق محرابی بھویں لے کر جب بتخانہ میں آتا ہے تو برہمن اس قدر بوکھلا جاتا ہے کہ بجائے اپنے بت کے معشوق کو سجدہ کرنے لگتا ہے، اور اس سجدۂ سہو پر قضا کا کفارہ لازم آتا ہے۔ سجدۂ سہو اور لزومِ قضا خالص اسلامی اصطلاحات ہیں، اور ایک برہمن کو ان سے کوئی نسبت نہیں، مگر اصطلاحی رعایت سے شعر کا ڈھانچہ قائم ہے۔

بہ ہیئت مجموعی غنیمت کی شاعری میں شگفتگی اور رجائیت، ابھار اور شنا کی کیفیت پائی جاتی ہے، جس کا ذکر انہوں نے خود ایک عمدہ شعر میں کیا ہے۔

در مذهب غنیمت منع است نا امیدی
هر رنج را طبیبی، هر درد را دوائیست (۱۰۳)

ان کی شاعری کی خصوصیات ذیل کی غزل میں مل سکتی ہیں:

غزل

چراغِ نالهٔ مجنون که روشن کرده بود امشب
که صحرا از شکست رنگ لیلی داشت مهتابی
صدایی ریزش خون دلم مدهوش می دارد
زخون نابِ کباب خویشتن دارم می نابی
چو چشمم بود امشب خواب گاهِ یار آغوشم
نمی دانم به خوابش دیده ام یا دیده ام خوابی
ز قتلِ بی قراران آن چنانش شاد می بینم
که پنداری غنیمت کیمیا گر گشته سیمابی (۱۰۴)

حواشی

(۱) سرخوش، محمد افضل، تذکرہ کلمات الشعرا، بہ تصحیح صادق علی دلاوری، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۴۲ء، ص ۸۲ (مرتبین)۔

(۲) Rieu, Charles, Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum, Vol: i-iii, London, 1879-83, Supplement London, 1895, 700/2.(مرتبین)

(۳) غنیمت کنجاہی، دیوان غنیمت، بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص الف (پیش لفظ) (مرتبین)۔

(۴) ایضاً، ص ط (پیش لفظ) (مرتبین)۔

(۵) کلمات الشعرا کے مطبوعہ نسخہ میں عبارت اس طرح درج ہے۔ ''غنیمت از خاکیان ہند، غنیمت بودہ'' کلمات الشعراء، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۴۲ء، ص ۸۲ (مرتبین)۔

(۶) دیوان غنیمت، ص ۵۷ (مرتبین)۔

(۷) ایضاً، ص ۱۸۳ (مرتبین)۔

(۸) ایضاً، صص ب-و (پیش لفظ) (مرتبین)۔

(۹) ایضاً، ص ۲۶۴ (مرتبین)۔

(۱۰) غنیمت کنجاہی، مثنوی نیرنگ عشق، بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۶ (مرتبین)۔

(۱۱) دیوان غنیمت، ص ۳۰۱ (مرتبین)۔

(۱۲) ایضاً، ص ۳۰۷ (مرتبین)۔

(۱۳) ایضاً، ص ۳۱۲، مطبوعہ نسخے میں دوسرا مصراع یوں درج ہے:

که می بازد به نامش اسم اعظم عشق پنهانی

(مرتبین)

(۱۴) ایضاً، ص ۱۲۵ (مرتبین)۔

(۱۵) ایضاً، ص ۲۴۱ (مرتبین)۔

(۱۶) ایضاً، ص ۱۰۵ (مرتبین)۔

(۱۷) ایضاً، ص ۱۳۶ (مرتبین)۔

(۱۸) ایضاً، ص ۲۵۵ (مرتبین)۔

(۱۹) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۸، اصل مقالہ میں پہلا مصراع یوں درج ہے:

ندیدیم کشوری غارت گر پنجاب

(مرتبین)

(۲۰) دیوان غنیمت، ص ۱۱۹ (مرتبین)۔

(۲۱) ایضاً، ص ۱۴۰ (مرتبین)۔

(۲۲) ایضاً، ص ۲۲۲ (مرتبین)۔

(۲۳) ایضاً، ص ۲۲۳ (مرتبین)۔

(۲۴) ایضاً، ص ۱۸۵ (مرتبین)۔

(۲۵) ایضاً، ص ۳۴ (مرتبین)۔

(۲۶) ایضاً، ص ۱۱۱ (مرتبین)۔

(۲۷) ایضاً، ص ۱۳۹ (مرتبین)۔

(۲۸) ایضاً، ص ۱۶۴ (مرتبین)۔

(۲۹) ایضاً، ص ۱۶۸ (مرتبین)۔

(۳۰) ایضاً، ص ۱۹۵ (مرتبین)۔

(۳۱) شعر العجم، شبلی، جلد چہارم، صفحہ ۱۴۷، ''جہان آرا بیگم دختر شاہجہان ایک دن باغ کی سیر کو نکلی۔ باغ کے چاروں طرف پردہ کرایا، صیدی تہرانی چھپ کر بالا خانہ سے تماشا دیکھ رہا تھا۔ سواری سامنے آئی تو بے ساختہ مطلع پڑھا۔ بیگم نے سُن لیا تو حکم دیا شاعر کو سامنے لائیں، جب سامنے آیا تو شعر بار بار پڑھوایا اور پانچ ہزار روپیہ دے کر شہر بلا بدر دیا''۔

مولفِ دیوان غنیمت کو صیدی کے سعدی کے اشتباہ میں سہو ہوا ہے۔

(۳۲) دیوان غنیمت، ص ۱۱۲ (مرتبین)۔

(۳۳) ایضاً، ص ۲۳۱ (مرتبین)۔

(۳۴) ایضاً، ص ۲۳۷ (مرتبین)۔

(۳۵) ایضاً، ص ۲۳۸ (مرتبین)۔

(۳۶) ایضاً، ص ۲۶۷ (مرتبین)۔

(۳۷) ایضاً، ص ۱۷۶ (مرتبین)۔

(۳۸) ایضاً، ص ۶۵ (مرتبین)۔

(۳۹) حافظ شیرازی، شمس الدین محمد، دیوان غزلیات حافظ، انتشارات صفی علیشاه، تهران، ۱۳۷۸ شمسی، ص ۱۷ (مرتبین)۔

(۴۰) دیوان غنیمت، ص ۱۰۵ (مرتبین)۔

(۴۱) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۵۴ (مرتبین)۔

(۴۲) ایضاً، ص ۱ (مرتبین)۔

(۴۳) ایضاً، ص ۱ (مرتبین)۔

(۴۴) ایضاً، ص ۱۰ (مرتبین)۔

(۴۵) ایضاً، ص ۱۳ (مرتبین)۔

(۴۶) ایضاً، ص ۲۱ (مرتبین)۔

(۴۷) ایضاً، ص ۳۱: اصل مقالہ میں تیسرے شعر کا پہلا مصراع یوں درج ہے:

بسرعت آن دگر خوانان سبق را

(مرتبین)

(۴۸) ایضاً، ص ۳۱: اصل مقالہ میں چوتھے شعر کا پہلا مصراع یوں درج ہے:

شد اول از پیشانی دل

(مرتبین)

(۴۹) ایضاً،ص۳۳ (مرتبین)۔

(۵۰) ایضاً،ص۴۱ (مرتبین)۔

(۵۱) ایضاً،ص۴۱ (مرتبین)۔

(۵۲) ایضاً،ص۴۲ (مرتبین)۔

(۵۳) ایضاً،ص۴۲ (مرتبین)۔

(۵۴) دیوان غنیمت،ص۶۶ (مرتبین)۔

(۵۵) ایضاً،ص۱۸۰ (مرتبین)۔

(۵۶) ایضاً،ص۸۷ (مرتبین)۔

(۵۷) ایضاً،ص۱۲۵ (مرتبین)۔

(۵۸) ایضاً،ص۱۰ (مرتبین)۔

(۵۹) ایضاً،ص۱۰۷ (مرتبین)۔

(۶۰) ایضاً،ص۷ (مرتبین)۔

(۶۱) ایضاً،ص۱۸ (مرتبین)۔

(۶۲) یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے (مرتبین)۔

(۶۳) یہ شعر مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے (مرتبین)۔

(۶۴) دیوان غنیمت،ص۳۵ (مرتبین)۔

(۶۵) یہ شعر غالب کے دیوان میں موجود نہیں ہے (مرتبین)۔

(۶۶) دیوان غنیمت،ص۱۱۶ (مرتبین)۔

(۶۷) ایضاً،ص۲۶۷ (مرتبین)۔

(۶۸) ایضاً،ص۲۶۱ (مرتبین)۔

(۶۹) ایضاً،ص۸۷ (مرتبین)۔

(۷۰) ایضاً،ص۲۸۱ (مرتبین)۔

(۷۱) ایضاً،ص۱۲۴ (مرتبین)۔

(۷۲) ایضاً،ص۱۲۰ (مرتبین)۔

(۷۳) ایضاً،ص۴ (مرتبین)۔

(۷۴) ایضاً،ص۱۵۹ (مرتبین)۔

(۷۵) ایضاً،ص۱۵۱ (مرتبین)۔

(۷۶) ایضاً،ص۲۰۳ (مرتبین)۔

(۷۷) غالب، اسد اللہ خان، دیوان غالب اردو، ترتیب و تصحیح امتیاز علی عرشی، انجمن ترقی اردو، علی گڑھ، ۱۹۵۱ء، ص۱۵۳ (مرتبین)۔

(۷۸) دیوان غنیمت،ص۲۶۴ (مرتبین)۔

(۷۹) ایضاً، ص ۳ (مرتبین)۔

(۸۰) ایضاً، ص ۱۴ (مرتبین)۔

(۸۱) ایضاً، ص ۱۵۴ (مرتبین)۔

(۸۲) ایضاً، ص ۲۲۲ (مرتبین)۔

(۸۳) ایضاً، ص ۱۰۶ (مرتبین)۔

(۸۴) ایضاً، ص ۶۰ (مرتبین)۔

(۸۵) ایضاً، ص ۱۳۳ (مرتبین)۔

(۸۶) ایضاً، ص ۴۵ (مرتبین)۔

(۸۷) بیدل، عبدالقادر، کلیات دیوان، بہ تصحیح خال محمد خستہ و خلیل اللہ خلیلی، بہ اہتمام حسین آہی، تہران، ۱۳۶۶ ہجری شمسی، ص ۴۷۳ (مرتبین)۔

(۸۸) دیوان غنیمت، ص ۱۵۲ (مرتبین)۔

(۸۹) ایضاً، ص ۲۶۰ (مرتبین)۔

(۹۰) ایضاً، ص ۱۱۵ (مرتبین)۔

(۹۱) ایضاً، ص ۱۱۸ (مرتبین)۔

(۹۲) ایضاً، ص ۲۱۳ (مرتبین)۔

(۹۳) ایضاً، ص ۲۰ (مرتبین)۔

(۹۴) عرفی شیرازی، جمال الدین محمد، کلیات عرفی شیرازی، جلد اول، بہ کوشش و تصحیح ولی الحق انصاری، انتشارات دانشگاہ تہران، تہران، ۱۳۷۸ شمسی، ص ۴۱۱ (مرتبین)۔

(۹۵) دیوان غنیمت، ص ۷۵ (مرتبین)۔

(۹۶) ایضاً، ص ۱۰۳ (مرتبین)۔

(۹۷) ایضاً، ص ۱۴۷ (مرتبین)۔

(۹۸) ایضاً، ص ۸ (مرتبین)۔

(۹۹) ایضاً، ص ۹۱ (مرتبین)۔

(۱۰۰) ایضاً، ص ۷۳ (مرتبین)۔

(۱۰۱) ایضاً، ص ۱۱۴ (مرتبین)۔

(۱۰۲) ایضاً، ص ۱۴ (مرتبین)۔

(۱۰۳) ایضاً، ص ۸۸ (مرتبین)۔

(۱۰۴) ایضاً، ص ۲۷۶ (مرتبین)۔

گوہر نوشاہی

مولانا غنیمت کنجاہی ☆

مولانا غنیمت کنجاہی نوشاہی فارسی ادب کے ان معروف شعراء میں سے ہیں جن پر سرزمین پنجاب اس وقت تک فخر و ناز کرے گی جب تک یہاں فارسی ادب کا ذوق باقی ہے۔ انہوں نے غیر ملکی ہونے کے باوجود فارسی زبان پر وہ قدرت حاصل کی کہ اساتذۂ فن ان کے حضور میں تحسین پیش کرنے پر مجبور ہوئے۔ ایسی ہستیاں بظاہر دنیا سے روپوش ہو جاتی ہیں لیکن روحانی طور پر ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ ان کے اقوال اور ان کے کلام دنیا کے لئے مشعل راہ اور قندیل بزم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مولانا غنیمت کی سوانح حیات کا موضوع گذشتہ اڑھائی صدی سے فارسی زبان و ادب کے شائقین کے لئے ایک عقدہ سا بنا ہوا ہے۔ اسے جو کوئی بھی سلجھانے کی کوشش کرتا ہے خود اس میں الجھ جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس عظیم المرتبت اور قادر الکلام شاعر کی زندگی کے بہت سے پہلو ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں۔

ہمیں اس بات کا پورے طور پر اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس طویل عرصے میں بیسیوں تذکرہ نویسوں اور سوانح نگاروں نے مولانا کے حالات زندگی پر قلم اٹھائے لیکن وہ سب بعض بنیادی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر کوئی صحیح اور جامع حقیقت پیش نہ کر سکے۔ بالخصوص پچھلی نصف صدی سے وہ عجیب و غریب باتیں مولانا کے متعلق لکھی جا رہی ہیں جو نہایت درجہ حیرت انگیز اور مضحکہ خیز ہیں۔ یہ غلط فہمیاں متقدمین تذکرہ نگاروں کے معمولی سے الجھاؤ سے ظہور پذیر ہوئیں۔ بعد میں وقتاً فوقتاً ان میں اضافے ہوتے رہے ہیں، حتیٰ کہ دور حاضر میں یہ ایک اچھے خاصے من گھڑت افسانے کی شکل اختیار کر گئی ہیں۔

چونکہ ان دنوں مولانا غنیمت کے کلام کو از سر نو طبع کر کے عوام کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کی سوانح حیات کے متعلق چند ایک ایسی الجھنیں دور کر دوں جو اکثر اصحاب قلم کے لئے سنگ راہ بنی ہیں، تا کہ عوام آپ کے کلام سے روشناس ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے صحیح حالات زندگی سے بھی متعارف ہوں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کی وضاحت نہایت اہم ہے:

(۱) مولانا غنیمت کا مربی یا سرپرست　　(۲) مولانا کے اساتذہ

(۳) مولانا کا سفر دہلی　　(۴) مولانا کا سنہ وفات

☆ اورینٹل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۶۱ء، جلد ۳۸، عدد ۱، عدد مسلسل ۱۴۷، ص ۵۶-۷۹

(۵) یادگاریں (۶) اعتراف عظمت

آیئے! اب مختلف تذکرہ نویسوں اور سوانح نگاروں کی نگارشات سامنے رکھ کر مندرجہ بالا عنوانات کے متعلق صحیح رائے قائم کریں۔

مولانا غنیمت کا مربی یا سرپرست:

مولانا غنیمت کے حالات کے لئے ان معاصر کتابوں میں سے تذکرہ کلمات الشعراء مولفہ محمد افضل سرخوش زیادہ معتبر ہوسکتا تھا لیکن افسوس ہے کہ اس میں آپ کے معمولی سے تعارف کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ سرخوش مولانا سے آشنا تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلق آپ کے سفر دہلی کے دوران میں پیدا ہوا، لیکن یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ملاقات کب اور کس طرح ہوئی۔ تاہم مولانا غنیمت کی سرخوش کے ساتھ گہری دوستی یا شاید مکمل رسم و راہ تھی۔ کیونکہ مولانا کے کلام میں جہاں دوسرے ہم عصر شعراء کا ذکر ملتا ہے سرخوش کے متعلق کہیں کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا۔ ویسے سرخوش مولانا کی شخصیت سے ذاتی طور پر متاثر نہیں تھے۔ لیکن انہوں نے مولانا کے متعلق ''غنیمت از خاکیان ہند غنیمت بودہ''[1] پر ہی اکتفا کیا ہے۔

کلمات الشعراء کے بعد ہمارے سامنے جو دوسرا تذکرہ آتا ہے وہ ثواقب المناقب ہے یہ تذکرہ مولانا غنیمت کے برادر زادہ مولانا محمد ماہ صداقت کنجاہی نے ۱۱۲۶ھ میں لکھا۔ یہی سال سرخوش کا سنہ وفات ہے۔ یہ تذکرہ خاندان قادریہ نوشاہیہ کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی مولانا کے متعلق کوئی خاص معلومات نہیں ملتیں۔ مؤلف نے صرف اتنا اشارہ کیا ہے کہ مولانا میرے چچا تھے۔ یہ ذکر مولانا کے مرشد ارشد سید صالح محمد گیلانی نوشاہی سادہ چکی کے حالات میں ہے۔ لکھتے ہیں: ''یکے از یاران سید شیرازہ بند مجموعہ استقامت میاں محمد اکرم غنیمت عم مؤلف رسالہ کہ مثنوی نیرنگ عشق آن طاؤس گلزار بہشت شہرت دارد''[2]۔

ثواقب المناقب کے بعد تیسری کتاب تذکرہ حسینی ہے۔ جس میں کسی قدر مولانا کے حالات ملتے ہیں۔ تذکرہ حسینی کے مؤلف حسین دوست خاں سنبھلی ہیں۔ جنہوں نے یہ تذکرہ ۱۱۶۳ھ میں مکمل کیا اور اس کا قطعۂ تاریخ یوں کہا ہے:

این نسخه چون یافت زیب اتمام
تاریخ شدش "خجسته انجام"[3]

حسین دوست نے مولانا کے جو حالات لکھے ہیں ان میں اک گونہ تحقیقی جھلک پائی جاتی ہے۔ انہوں نے مولانا کا وطن معلوم کیا ہے اور آپ کے مربی اور سرپرست کے متعلق تحقیق کرنے کی زحمت بھی گوارا کی ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مرحلے کو پوری کامیابی سے طے نہیں کر سکے۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ اس بارے

میں لکھا ہے وہ قرین قیاس نہیں ہے۔ تذکرے کی عبارت یہ ہے:

شاعر مکرم محمد اکرم متخلص به غنیمت از مفتی زاده های قصبه کنجاه بوده، من مضافات گجرات شاه دولا۔ در عهد عالمگیر بادشاه به خدمت نواب مکرم خان بسر می برد و مثنوی متضمن عشق عزیز پسر نواب مذکور و حسین پسری رقاص شاهد نام بسیار به مزه گفته" (۴)

اس بیان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے غلط فہمی کا شکار ہو کر غنیمت کو نواب مکرم خاں کے دربار سے وابستہ کیا ہے۔ مؤلف مذکور کے ذہن میں شاید نواب مکرم خاں کا نام اس لئے آیا کہ وہ مولانا کا معاصر تھا اور ان ایام میں لاہور کا گورنر تھا۔ گجرات مغلیہ زمانے میں مضافات لاہور میں شمار ہوتا تھا۔ مغلیہ نظام حکومت میں لاہور ایک مستقل صوبہ تھا اور گجرات اس کا عمال تھا اور اسے بعض خاص وجوہ سے اچھی شہرت حاصل تھی (۵)۔ گجرات کی اہمیت اور لاہور سے تعلق کی بنا پر مؤلف کو لامحالہ یہ خیال گزرا ہوگا کہ مولانا غنیمت جیسا جلیل القدر شاعر یقیناً حاکم شہر کا مصاحب ہی ہوگا، مگر وہ عقیدت کے جوش میں اس بات کو فراموش کر گئے کہ نواب مذکور کے ماحول اور خانگی زندگی کا مطالعہ بھی ضروری ہے، انہیں چاہیے تھا کہ اس بارے میں کچھ لکھنے سے پہلے اچھی طرح تحقیق کر لیتے۔ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ مثنوی نیرنگ عشق کا ہیرو ''عزیز'' نواب مکرم خاں کا بیٹا ہے حالانکہ معاصر کتب تاریخ اور تذکرے یہ لکھتے ہیں کہ نواب مکرم خاں اولاد نرینہ سے محروم تھا۔ البتہ عبیداللہ اس کا متبنیٰ تھا۔ چنانچہ نواب شاہنواز خاں مآثر الامرا میں لکھتے ہیں کہ ''لا ولد بود'' آگے چل کر لکھتے ہیں ''عبیداللہ نامی متبنای او مشہور است'' (۶) اس واضح بیان کے بعد عبدالعزیز، جس کے عشق کی داستان مولف تذکرہ کے بیان کے مطابق مولانا غنیمت نے لکھی ہے، نواب مذکور کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ وہ پہلی غلطی تھی جس نے باقی سوانح نگاروں کو غلط راستے پر ڈال دیا اور وہ یکے بعد دیگرے اس بیان کو دہراتے چلے گئے۔ جس کی وجہ سے یہ داستان حقیقت بن گئی۔

اس کے بعد تذکرہ گل رعنا ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس کے مؤلف شفیق اورنگ آبادی ہیں۔ تذکرے کی تکمیل مولف کے اپنے بیان کے مطابق ۱۱۸۱ھ میں ہوئی۔ انہوں نے مؤلف تذکرۂ حسینی کے پیدا کردہ شبہات کو دور کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ انہوں نے مولانا غنیمت کا سرپرست اور مربی نواب مکرم خاں کی بجائے میرزا ارتق بیگ کو لکھا ہے جو اس زمانے میں فوجدار سیالکوٹ تھا:

"غنیمت محمد اکرم کنجاهی، کنجاه قصبه ای است از توابع

گجرات شاہ دولہ مضافات صوبہ لاہور۔ غنیمت از مغتنمات روزگار بود و مشق سخن بہ خدمت میر محمد زمان راسخ می گذرانید۔ او این حال بہ ہمراہی میرزا ارتق بیگ فوجدار سیالکوت بسر می برد۔ در آن ایام میرزا عبدالعزیز خلف میرزای مذکور بر شاہد نامی امرد پسری کہ از رقاصان بود تعشق بہم رساند، و کارش بہ رسوایی کشید۔ غنیمت کہ از ہم صحبتان و غمخواران آن عزیز مصر عشق بود، بہ موجب فرمایش میرزا ارتق بیگ این قصہ را کہ ہزار و پانصد بیت موافق اعداد غنیمت باشد مسمی بہ نیرنگ عشق موزون کرد، کہ غازۂ حسن قبول بہ جبین دارد۔ در مثنوی حرف بسیار بہ مزہ می زند"[۷]۔

اس اقتباس سے مولانا غنیمت کے متعلق مندرجہ ذیل امور کا اٹل فیصلہ ہو جاتا ہے:

(۱) مولانا غنیمت کا مربی اور سرپرست نواب مکرم خاں، گورنر لاہور نہیں بلکہ میرزا ارتق بیگ فوجدار سیالکوٹ تھا۔

(۲) مثنوی نیرنگ عشق کا ہیرو عزیز نواب مکرم خاں کا بیٹا نہ تھا بلکہ میرزا ارتق بیگ کا بیٹا تھا اور مثنوی نیرنگ عشق میرزا مذکور ہی کے اشارے سے لکھی گئی۔

(۳) مولانا غنیمت لاہور میں رہائش پذیر کبھی نہیں ہوئے بلکہ سیالکوٹ ہی میں رہے ہیں۔ لاہور میں تو وہ فقط سیر کے لئے آئے ہیں اور اس شہر کے حسن کی تعریف کی ہے:

زین بتانی کہ بہ لاہور غنیمت دیدم
در جگر تیر کمان گر پسری کارگر است[۸]

اس کے علاوہ جہاں ثواقب المناقب میں صداقت مولانا کی وفات کا واقعہ بیان کرتے ہیں، لکھتے ہیں: "ہر گاہ در راہ لاہور قصیدہ عمر آن زخمی خنجر شوق بہ مقطع نزع کہ ہیچکس طاقت گریز از آن ندارد، پیوست"[۹] یعنی (آپ اپنی جائے رہائش سے گاؤں کی طرف لائے جا رہے تھے) کہ "لاہور کے راستے میں آپ کے رشتہ زیست کو نزع کے خنجر نے جس سے کسی کو طاقت گریز نہیں کاٹ دیا"۔

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا غنیمت لاہور میں نہیں بلکہ سیالکوٹ میں سکونت پذیر تھے اور لاہور کے راستے گھر لائے جا رہے تھے۔

شفیق اورنگ آبادی کے تذکرے کے بعد جس معتبر تذکرے کا نام لیا جا سکتا ہے وہ نشتر عشق ہے۔ اس کے مصنف حسین قلی خاں ہیں۔ تذکرہ ۱۲۳۳ھ میں تالیف ہوا۔ حسین قلی خاں کی رائے بھی مولانا کے بارے میں تقریباً وہی ہے جو شفیق کی ہے۔ عبارت بھی شفیق سے ملتی جلتی ہے۔ انہوں نے بھی مولانا غنیمت کا مربی میرزا ارتق بیگ فوجدار سیالکوٹ کو قرار دیا ہے۔ مندرجہ ذیل عبارت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے:

"میرزا عبدالعزیز خلف والی سیالکوت به محبت امرد پسری رقاص دل از دست داده و به مرتبه فریفته به جمال او گردیده که انگشت نمای خاص و عام شد۔ غنیمت که به خدمت وی حاضر بود، مثنوی نیرنگ عشق بر احوال آن عشق موزون ساخت۔"[۱۰]

نشتر عشق کے علاوہ مندرجہ ذیل تذکرے ایسے ہیں جن میں مولانا کے حالات مجمل طور پر درج ہیں۔ عبارات کا تقریباً ایک سا مفہوم ہے اور کوئی نئی بات نہیں۔ مولانا کے بارے میں سب نے یہی لکھا ہے کہ آپ کنجاہ کے مفتی زادوں سے تھے۔ سید محمد زماں راسخ کے شاگرد تھے۔ مثنوی نیرنگ عشق جو رنگینی مضامین اور متانت کلام میں اپنی نظیر آپ ہے ان کے حسن تخیل کا ایک نمونہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان میں:

تذکرۂ مجمع النفائس قلمی	مولفہ علی خان آرزو	تالیف ۱۱۶۸ھ
تذکرہ مخزن الغرائب قلمی	مولفہ احمد علی ہاشمی	تالیف ۱۲۱۸ھ
تذکرہ ریاض الشعراء قلمی	مولفہ قلی والہ داغستانی	تالیف ۱۲۵۱ھ
تذکرہ سلسلۃ الاولیا قلمی	مولفہ مولوی محمد صالح کنجاہی	تالیف ۱۲۶۷ھ
تذکرہ انیس العاشقین (روٹوگراف)	مولفہ رتن سنگھ زخمی	تالیف ۱۲۳۰ھ تا ۱۲۴۰ھ غالباً
اور تذکرہ شمع انجمن مطبوعہ	مولفہ نواب صدیق حسن خاں	تالیف ۱۲۹۲ھ

ان میں سے صرف مولف مخزن الغرائب نے آپ کو محمد اکرم غنیمت لاہوری لکھا ہے[۱۱] اور اس کی وجہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔

ان کتابوں پر مولانا کے بارے میں ہمارا پرانا قلمی مواد ختم ہو جاتا ہے۔ تیرہویں صدی کے آغاز کے پچیس تیس برس میں لکھا ہوا مواد میری نظر سے نہیں گذرا اور مجھے غالب یقین ہے کہ اس عرصہ کی سوانحی تصانیف بہت کم ہوں گی کیونکہ یہ زمانہ بڑی افراتفری کا ہے۔

اب ہم سنہ ہجری کو چھوڑ کر سنہ عیسوی کو لیتے ہیں اور مولانا کی سوانح حیات پر دوسرے مواد کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۹۲۶ء میں نظامی بدایونی نے قاموس المشاہیر لکھی اس میں مولانا کا ذکر ملتا ہے[۱۲] لیکن برائے نام چند سطریں ہیں جو محض مدحیہ جملوں پر مشتمل ہیں۔

۱۹۲۷ء میں لیڈن سے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام شائع ہوا۔ اس کے مولفین کی مولانا کے متعلق عجیب و غریب رائے ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''محمد اکرم غنیمت فارسی شاعر جو ۱۱۰۶ھ سے ۱۱۰۸ھ تک لاہور کے گورنر رہے۔ وہ مثنوی نیرنگ عشق کے مصنف ہیں جو ہندوستان میں بہت ہر دلعزیز ہے''[۱۳]۔ مولفین نے مکرم کو اکرم پڑھا اور مولانا کو لاہور کا گورنر سمجھا۔

۱۹۳۷ء اور ۱۹۴۰ء کے درمیان مولانا شرافت نوشاہی (اولاد حضور سلطان العارفین حضرت نوشہ گنج بخش قدس سرہٗ) نے اپنی کتاب شریف التواریخ کی تالیف شروع کی۔ مولانا موصوف خاندان نوشاہیہ کے ایک بزرگ اور محقق ہیں۔ شریف التواریخ خاندان قادریہ نوشاہیہ کے مشائخ کا تذکرہ ہے۔ یہ تین جلدوں میں ہے (اگرچہ غیر مطبوعہ ہے لیکن چونکہ زمانہ تالیف کے اعتبار سے اسی مقام پر ذکر کے لائق تھا، لہٰذا قارئین سے معذرت خواہ ہوں)۔ تیسری جلد میں مؤلف موصوف نے حضرت نوشہ گنج بخش قدس سرہٗ کے بالواسطہ مریدوں کے حالات درج کیے ہیں۔ مولانا غنیمت چونکہ خاندان نوشاہیہ کے حلقہ بگوش تھے اس لئے ان کے حالات بھی اس حصے میں درج ہیں۔ شرافت صاحب نے اس سلسلے میں کسی معتبر کتاب یا مستند تذکرے کو استعمال نہیں کیا، بلکہ بیشتر سینہ بسینہ روایات ہی کو لکھنا کافی سمجھا۔ انہوں نے مولانا غنیمت کے وطن موروثی کنجاہ میں جا کر بڑے بوڑھوں سے باتیں سنی اور انہیں مستند سمجھتے ہوئے درج کتاب کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ان ذرائع سے لکھی ہوئی بات مستند نہیں ہو سکتی جب تک اس کا ثبوت تاریخ سے بھی نہ مل جائے۔ شرافت صاحب نے اپنی کتاب میں پوری پوری کوشش کی کہ مولانا غنیمت کو سرتا پا ایک صومعہ نشین صوفی اور ایک ملامتی درویش ثابت کیا جائے۔ لیکن غنیمت ایسے نہ تھے۔ مولانا غنیمت صوفی ضرور تھے لیکن صومعہ نشین ہرگز نہ تھے۔

۱۹۴۲ء میں شیخ صادق علی دلاوری ایم-اے کو، جو ان دنوں پنجاب یونیورسٹی میں ریسرچ سکالر تھے، مولانا غنیمت کے حالات جمع کرنے کا اشتیاق ہوا۔ وہ آپ کے وطن کنجاہ گئے اور وہاں سے انہیں مولانا شرافت نوشاہی کا پتا مزار غنیمت کے اندر پنسل سے لکھا ہوا ملا۔ چنانچہ دلاوری صاحب پتا نقل کر کے مولانا شرافت کی جائے سکونت موضع ساہنپال شریف بھی گئے (جو کنجاہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے) مولانا شرافت نے انہیں کتاب شریف التواریخ کے مسودات دکھائے۔ دلاوری صاحب نے اس میں درج شدہ حالات کو بعض تذکروں سے مختلف پایا، چنانچہ انہوں نے بلا تامل شریف التواریخ سے اقتباسات لینے شروع کیے اور لاہور آ کر ان اقتباسات میں چند اضافوں کے ساتھ اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۴۲ء میں ایک مقالہ بعنوان ''غنیمت کنجاہی'' لکھ

کر شائع کروایا(۱۴)۔ اس جگہ مجھے اس بات کا پورے طور پر اعتراف کرنا پڑے گا کہ مولانا غنیمت کی سوانح حیات کے متعلق بعض حقائق کی جستجو میں انہوں نے جتنی عرق ریزی کی ہے وہ انہیں کا حصہ تھا اور ان کی سعی فی الحقیقت قابل تحسین ہے۔ مولانا کے وطن کا تعین اور مولانا کے خاندان کے بارے میں مفصل معلومات ان تحقیقات میں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن مولانا کے سرپرست کے متعلق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دلاوری صاحب کو صحیح واقعات کا کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کی گرہ کشائی کی مزید کوشش نہ کی اور جب دیکھا کہ یہ مسئلہ اب زیادہ الجھ گیا ہے تو ناچار بحث کا اختتام ان الفاظ پر کر دیا:۔

''مذکورہ بالا بیانات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ مولانا کے چشم دید حالات پر مبنی ہے اور اس کا ہیرو عزیز ان کے محسن نواب مکرم خاں ناظم لاہور کا فرزند تھا۔ صرف نشتر عشق میں عزیز کو والی سیالکوٹ کا لڑکا لکھا ہے۔ باقی سب تذکرے اس پر متفق ہیں کہ عزیز نواب مکرم خاں ناظم لاہور کا بیٹا تھا۔ اس لئے نشتر عشق کا بیان غلط معلوم ہوتا ہے۔ جہاں تک مولانا کے چشم دید ہونے کا تعلق ہے۔ مثنوی میں اس کا کافی ثبوت ہے۔ عزیز کے سلسلے میں مثنوی کے مطالعے سے کوئی خاص واقفیت بہم نہیں پہنچتی صرف اس قدر آشکار ہوتا ہے کہ وہ حاکم وقت کا بیٹا تھا اور ولی عہد تھا۔

سر و سرخیل مجلس نوجوانی — بہ علم عشق بازی نکتہ دانی
بہ رنگ فکر خود صاحب تمیزی — چو نام خویش در دل ھا عزیزی
مہین فرزند والا شان امیری — سکندر شوکت افلاطون وزیری
دران فرمان روایی ھای موجود — ولی عہدش اگر بود آن پسر بود

ان اشعار سے تذکرہ حسینی کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ اس قصہ کا ہیرو عزیز نواب مکرم خاں کا بیٹا تھا مگر مآثر الامرا میں نواب موصوف کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آپ لاولد تھے ایک متبنیٰ آپ نے بنایا تھا جس کا نام عبیداللہ تھا: ''لاولد بود۔ عبیداللہ نامی متبنای او مشہور است''۔ مآثر الامراء کے اس بیان سے تذکرہ حسینی اور حاشیہ نگاروں کے بیان کی تردید ہو جاتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ والا شان امیر کون تھا جس کا عزیز فرزند اور ولی عہد تھا۔ خود مولانا نے مثنوی میں اس کا نام نہیں لیا اور نہ ہی اس جگہ کا نام لکھا ہے جس کا وہ فرمانروا تھا۔ ہاں البتہ یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ پنجاب میں رو پذیر ہوا۔

درین کشور کہ پنجابش بود نام
فقیری بود بس نیکو سر انجام

یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ مولانا غنیمت نواب مکرم خاں کے دربار کے ساتھ تعلق رکھتے تھے''(۱۵)۔

دلاوری صاحب کے مندرجہ بالا بیان سے ان کی ذہنی پریشانی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے مزید برآں اس سے چند ایک نہایت ہی عجیب وغریب اور پر مزاح باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے یہ کہتے ہیں کہ ''مولانا غنیمت نے مثنوی میں چشم دید واقعات لکھے ہیں'' حالانکہ یہ حقائق کے بالکل برعکس ہے کیونکہ سیر مکتب والا واقعہ تو مولانا کے عالم استغراق و وجدان سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس سے ان کی ذات کا عملی طور پر کوئی تعلق نہیں۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں ''صرف نشتر عشق میں عزیز کو والی سیالکوٹ کا لڑکا لکھا ہے۔ باقی سب تذکرے اس امر پر متفق ہیں کہ عزیز نواب مکرم خاں کا بیٹا تھا'' حالانکہ دلاوری صاحب نے چند ایک کتب کے سوا مولانا کے حالات پر کوئی اور مواد نہیں دیکھا جن میں ایک نے تو عزیز کو والی سیالکوٹ کا بیٹا لکھا ہے ایک نے ناظم لاہور کا اور دو تین بالکل خاموش ہیں۔

اب آگے ملاحظہ فرمائیے مثنوی کے چار اشعار دیئے ہیں، جن میں کہیں کسی نواب کا نام نہیں اور نیچے لکھتے ہیں۔ ''ان اشعار سے تذکرہ حسینی کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ اس قصہ کا ہیرو عزیز نواب مکرم خاں کا بیٹا تھا''۔

اس کے بعد مآثر الامراء کے مطالعے سے اس بات پر حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے ہیں ''پھر وہ والا شان امیر کون تھا جس کا عزیز فرزند اور ولی عہد تھا۔ خود مولانا نے مثنوی میں اس امیر کا نام نہیں لیا اور نہ ہی اس جگہ کا نام لکھا ہے جہاں کا وہ فرمانروا تھا'' اور خود ہی آخر میں فیصلہ دے دیتے ہیں کہ ''یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ مولانا غنیمت نواب مکرم خاں کی بارگاہ سے تعلق رکھتے ہیں'' غرض کہ دلاوری صاحب نے بات کو الٹا سیدھا کر کے مولانا غنیمت کو جبراً نواب مکرم خاں کے دربار سے منسلک کر ہی دیا۔ حالانکہ یہ بات قابل قبول نہیں ہے اور حقیقت وہی ہے جو میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ شفیق اورنگ آبادی کا یہ بیان کہ ''او این حال بہ همراهی میرزا ارتق بیگ فوجدار سیالکوٹ بسر می برد''(۱۶) درست ہے۔ اور مثنوی نیرنگ عشق کے ہیرو عبدالعزیز کو میرزا ارتق بیگ کا لڑکا تسلیم کرنے میں کچھ تامل نہیں ہو سکتا(۱۷)۔

دلاوری صاحب کا یہ مقالہ اورینٹل کالج میگزین میں اشاعت پذیر کیا ہوا، گویا پنجاب یونیورسٹی کی دنیائے تحقیق کے لئے ایک سند اور ایک ناقابل تردید حقیقت بن گیا۔ اب جو محقق بھی مولانا غنیمت کے متعلق

میدان تحقیق میں آتا ہے، دلاوری صاحب کے مقالے کے کچھ چربے اڑاتا ہے۔ کچھ واقعات لے کر اپنی دانست میں ایک طویل مقالے کا اضافہ کر لیتا ہے۔ اس کا ایک واضح ثبوت دیوان غنیمت مطبوعہ پنجابی ادبی اکادمی کا پیش لفظ ہے (اس پر مفصل تبصرہ روزنامہ آزاد، لاہور، ۱۸-اکتوبر ۱۹۵۹ء میں ملاحظہ فرمایئے)۔

مولانا غنیمت کے اساتذہ:

مولانا غنیمت کے اساتذہ میں نمایاں درجہ میر محمد زماں راسخ سرہندی کو دیا جاتا ہے۔

تذکرہ گل رعنا: ''وشق شعر بہ خدمت میر محمد زمان راسخ می گذرانید۔''[۱۸]

تذکرہ نشتر عشق: ''وشق سخن بہ خدمت میر محمد زمان راسخ تخلص کردہ۔''[۱۹]

تذکرہ مجمع النفائس: ''از بعضی مسموع است کہ شاگرد میر محمد زمان راسخ بود۔''[۲۰] وغیرہ۔

لیکن یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولانا غنیمت پختہ سال ہو چکے تھے اور مشق شعر کے لئے میر صاحب مذکور کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مولانا غنیمت نے ابتدائی تعلیم و تربیت کن سے حاصل کی۔ ان امور کے متعلق جو صحیح روایات ملتی ہیں ان میں کنجاہ کے تین مفتی اور قاضی ہیں: قاضی خوشی محمد نور، قاضی رضی الدین اور قاضی ابو البقا کنجاہی۔ قاضی خوشی محمد نور اور قاضی رضی الدین دونوں بھائی تھے۔ ان سے مولانا غنیمت نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ قاضی ابو البقا مولانا غنیمت کے حقیقی چچا تھے۔ جنہوں نے آپ کی تربیت میں کافی حصہ لیا۔ مولانا غنیمت کے والد ماجد اور یہ تینوں حضرات حضرت سلطان العارفین نوشہ گنج بخش قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ ان کے حالات خاندان نوشاہیہ کے تذکروں مثلاً الاعجاز، ثواقب المناقب، کنز الرحمۃ اور تحائف قدسیہ وغیرہ میں ملتے ہیں۔

مولانا کا سفر دہلی:

مولانا غنیمت کے سفر دہلی کا ثبوت دو ذرائع سے ملتا ہے۔ ان میں سے ایک تذکرہ کلمات الشعراء ہے جس میں سرخوش نے مولانا کے سفر کا ذکر کیا ہے اور دوسری برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست ہے جسے ریو نے مرتب کیا ہے۔ اس میں مثنوی نیرنگ عشق کے ایک مخطوطے کا تعارف کراتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ ''غنیمت کنجاہی، میر محمد زماں راسخ متوفی ۱۱۰۷ھ کے شاگرد تھے اور شہنشاہ عالمگیر کے محبوب شاعر تھے''[۲۱] (فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم، ص ۸۹۸)۔ اس عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا دہلی گئے اور اورنگ زیب عالمگیر کے دربار میں آپ کی رسائی ہوئی۔ حتیٰ کہ سلطنت کے بلند پایہ اور بادشاہ کے مقبول شعراء میں شمار ہوا۔ ان دو کے سوا کسی ذریعے سے مولانا کے سفر دہلی کے متعلق معلومات نہیں ملتیں۔ دلاوری صاحب اور مولانا شرافت

نوشاہی صاحب نے اس سفر کے متعلق جو جو افسانے تراشے ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں۔ یہی غیر محقق باتیں دیوان غنیمت کے فاضل مرتب نے اپنے پیش لفظ میں نقل کر دی ہیں۔ مقام غور ہے کہ ایک شخص جو ایک وقت میں کسی فوجدار کا درباری اور مقبول بارگاہ ہے اس کی حالت ایک بھکاری فقیر جیسی کیسے ہو سکتی ہے کہ سرخوش اس کی صورت دیکھ کر اسے ایک گداگر تصور کرے؟ ایک جگہ لکھتے ہیں "مولانا نے جامع مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے بیٹھ کر حقہ بھرا" ان کے اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ جامع مسجد دہلی اس زمانے میں ایک "ڈیرے" کا کام بھی دیتی تھی جس میں ہر وقت آگ سلگتی رہتی کہ لوگ آ کر حقے بھرتے تھے اور پھر اس بات کی تو وضاحت فرمائی ہی نہیں گئی کہ آیا مولانا غنیمت نے حقہ جامع مسجد کی سیڑھیوں کے دائیں طرف بیٹھ کر بھرا تھا یا بائیں طرف، تاکہ اس کونے کی اہمیت فارسی ادب پر واضح ہو۔ ان بزرگوں کی تحقیق تو ایک طرف یہ بات بھی مسلم نہیں کہ مولانا غنیمت حقہ پیتے تھے۔ بہر کیف باوجود ایں ھمہ ہم دلاوری صاحب کی بعض تحقیقات کے بدل و جاں معترف ہیں۔

سنہ وفات:

مولانا غنیمت کے سنہ وفات کے متعلق بھی دلاوری صاحب نے اپنے مقالے میں کوئی بات واضح نہیں کی۔ ان سے قبل تو کسی نے آپ کے سنہ وفات کا ذکر ہی نہیں چھیڑا تھا۔ دلاوری صاحب نے پہل کی لیکن بیان کو تشنہ وضاحت چھوڑ دیا۔ مولانا کے مزار پر جو کتبہ نصب ہے اس پر آپ کا سنہ وفات ۱۱۱۰ھ بالکل درست لکھا ہوا ہے یہ سنہ وفات آپ کے وطن کے لوگوں کی روایت با تحقیق کے مطابق ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ان کی سینہ بسینہ یادداشت کے مطابق ہو یا پھر یہ کتاب "تحفہ کنجاہ" سے ماخوذ ہو جو کنجاہ ہی میں لکھی گئی تھی۔ مندرجہ ذیل دو دلائل اس بیان کی تائید میں پیش کیے جا سکتے ہیں:

(۱) دلاوری صاحب لکھتے ہیں "سرخوش نے تذکرہ کلمات الشعراء اولاً ۱۰۹۳ھ میں لکھا اور ۱۱۰۸ھ میں یا اس کے بعد اس پر نظر ثانی کر کے دوبارہ مرتب کیا"[۲۲]۔ سرخوش کی وفات ۱۱۲۶ھ میں ہوئی یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ۱۰۹۳ھ میں لے کر ۱۱۲۶ھ تک کے درمیانی برسوں میں کس سال تذکرے پر نظر ثانی کی۔ اس لئے یہ فرض کرنا کہ چونکہ اس میں ۱۱۰۸ھ تک کے حالات ملتے ہیں اس لئے یہ ۱۱۰۸ھ میں دوبارہ مرتب ہوا ہو گا، چنداں درست ہیں۔ اگر اس پر نظر ثانی کا زمانہ ۱۱۱۰ھ یا اس کے بعد ۱۱۲۶ھ تک کوئی سنہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو مولانا غنیمت کا سنہ وفات ۱۱۱۰ھ ماننے میں یہ بات حائل نہیں ہو سکتی۔

(۲) دلاوری صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ "سال وفات ریو نے ۱۱۰۷ھ لکھا ہے"[۲۳] اور حاشیے پر فہرست مخطوطات فارسی عجائب خانہ لنڈن، ص ۷۰۰ کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ ریو نے اس جگہ ۱۱۰۷ھ سنہ وفات مولانا غنیمت کا نہیں بلکہ آپ کے استاد میر محمد زماں راسخ سرہندی کا لکھا ہے۔ جس سے دیگر تذکرہ نگار بھی متفق ہیں۔

دلاوری صاحب کے علاوہ ایم-اے کی نصابی کتاب ارمغان پاک کے مولف نے بھی غلط فہمی میں آپ کا سنہ وفات یہی لکھا ہے [۲۴] جو درست نہیں۔ ریو کی عبارت کا اردو ترجمہ یہ ہے۔ ''نیرنگ عشق: شاہد اور عزیز کی داستان محبت، مولانا محمد اکرم المتخلص بہ غنیمت کی خیالی مثنوی ہے جو کنجاہ واقع پنجاب کے رہنے والے تھے۔ میر محمد زماں راسخ سرہندی کے شاگرد تھے جو ۱۱۰۷ھ میں فوت ہوئے تھے''[۲۵]۔ (فہرست فارسی مخطوطات برٹش میوزیم، ص ۷۰۰)

مولانا کی یادگاریں:

مولانا غنیمت کی دو یادگاریں اس وقت فارسی ادب میں مشہور ہیں۔ ان میں ایک مثنوی نیرنگ عشق ہے۔ جو متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ اس کے سات مختلف مطبوعہ نسخے میں نے خود دیکھے ہیں۔ یہ سب ہندوستان کے مطبوعہ ہیں۔ سب سے پرانا نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں ۱۲۵۹ھ کا مطبوعہ ہے۔

دوسری کتاب دیوان غنیمت ہے جو ایک دفعہ لکھنؤ سے شائع ہوئی اور نایاب ہونے کی صورت میں دوسری مرتبہ حال ہی میں پنجابی ادبی اکادمی نے اسے شائع کیا ہے۔

مولانا کی تیسری یادگار ان کا ایک ساقی نامہ ہے، جس کا ایک مخطوطہ برٹش میوزیم میں موجود ہے، چنانچہ اس کی فہرست کے اندراج نمبر ۱۶۵۲ میں ریو لکھتا ہے ''ایک نا تمام مثنوی جو ساقی نامہ معلوم ہوتی ہے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اسی شاعر غنیمت کنجاہی کی لکھی ہوئی ہے''[۲۶]۔ اس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

بیا ساقی کہ فصل نو بہار است
قدح گلرنگ می، مطرب هزار است

اور اختتام اس شعر پر ہے۔

چه حاصل نکهت (؟) از طول کلام است
تمام است و تمام است و تمام است

مثنوی نیرنگ عشق کا پنجابی ترجمہ مصنف سیف الملوک شیخ محمد بخش پوٹھوہاروی نے منظوم کیا تھا[۲۷]۔ یہ ترجمہ کنجاہ کے ایک شخص پہلوان محمد دین خاں کے پاس ہے (اس نے مجھ سے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا لیکن ابھی تک انتظار ہے) نومبر ۱۹۲۸ء کے ''صلائے عام'' میں ایڈیٹر میر ناصر علی نے مثنوی نیرنگ عشق کے ایک اردو ترجمے کا تعارف کرایا ہے۔ یہ ترجمہ اردو مثنوی کی صورت میں ہے۔ اس کے مصنف بھگونت رائے راحت ہیں۔ مثنوی کا نام ''نگارستان راحت'' ہے[۲۸]۔ راحت نے نیرنگ عشق کے فارسی محاورات اور تراکیب کو بھی اردو میں بدلنے کی کوشش کی ہے۔ ترجمہ نہایت رنگین اور پُر لطف ہے۔ خصوصاً سیر مکتب والے واقعے کا ترجمہ بہت پسندیدہ ہے۔ بعض مقامات پر اگرچہ ترجمہ کے اشعار اصل سے متاثر نظر آتے ہیں تاہم ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

اعتراف عظمت:

مولانا غنیمت کی سوانح حیات پر آج تک جس قدر قلم اُٹھے ہیں ان میں ادب و تکریم، حفظ مراتب اور اعتراف عظمت روز روشن کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ غنیمت کے علمی کمالات اور روحانی محاسن و تصرفات سے ان کے زمانۂ حیات سے لے کر آج تک اصحاب فہم و ادراک متاثر نظر آتے ہیں۔ چنانچہ سرخوش کے یہ الفاظ کہ ''غنیمت از خاکیان هند غنیمت بوده ''[۲۹] شفیق اورنگ آبادی کا یہ بیان کہ ''غنیمت از مغتنمات روزگار بود ''[۳۰]۔ خان آرزو کی یہ عبارت ''در ملك پنجاب طنطنهٔ شاعری او کوس لمن الملك می زد ''[۳۱]۔ اور مولوی محمد صالح کنجاہی کے یہ تاثرات کہ ''حضرت محمد اکرم غنیمت در شعر کمال دسترس داشت ''[۳۲]۔ اس حقیقت کی غمازی کرتے ہیں کہ آپ کے معاصرین سے لے کر پوری ڈیڑھ صدی تک کے تذکرہ نگاروں کی آپ کے متعلق کیا رائے تھی۔ اس کے بعد سے لے کر آج تک بھی جس قدر تحریریں آپ کے متعلق ہمارے سامنے آتی ہیں ان میں بھی عقیدت و ارادت کی جھلک ملتی ہے۔ میر ناصر علی لکھتے ہیں کہ ''آپ پنجاب کے رہنے والے تھے مگر فارسی میں قدیم و جدید شعرائے ایران سے بازی لے گئے''[۳۳] اور ثاقب سلیمانی کے الفاظ ہیں کہ ''ہمارے تذکرہ نگاروں نے مولانا غنیمت کی شاعری کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ انہیں شعرائے عجم کی صف میں جگہ نہیں ملی۔ شاید اس لئے کہ وہ پنجابی نژاد تھے۔ حالانکہ ان کے اشعار ایرانی شعراء کے مقابلے میں وثوق کے ساتھ پیش کیے جا سکتے ہیں''[۳۴]۔

مثنوی نیرنگ عشق کے بارے میں اس کے زمانۂ تحریر سے لے کر اب تک اہل ادب کے اذہان میں یہی تاثر رہا ہے کہ یہ ایک مفتی زادے اور صوفی مشرب شخص کی تصنیف ہے اور مجاز کے پردے میں حقیقت کا بیان ہے، چنانچہ اکثر قلمی مخطوطات کے خاتمے پر کاتبوں کی لکھی ہوئی مندرجہ ذیل عبارت ملتی ہے:

> ''غازه پردازی، رخسارهٔ شاهد القاب از ریختن رنگ سخن در هنگام توحید گلگونه سازی چهرهٔ نیرنگ عشق از خون دل خوردن در عرصهٔ تقریر و تقلید''۔
>
> (عبارت خاتمہ مخطوطہ مکتوبہ ۱۱۹۲ھ ملکیت پنجاب یونیورسٹی)[۳۵]

مولانا صدر گجراتی جب مولانا غنیمت کے مزار پر آئے تو اس کے اندر پنسل کے ساتھ ایک طرف یہ شعر لکھا۔

غنیمت ای شه ملك سخن [کذا]
نگاهی بر گدای هم [به افگن]

اور دوسری طرف یہ اشعار لکھے۔

ز فیض خویش بخش او را تمیزی

کہ سازد شاهدش مجنون عزیزی

بہ چرخ شاعری چون بہ در گردد

بہ بزم شعر گویان صدر گردد

یہ اشعار کنجاہ کے رہنے والے لوگوں میں اکثر کے پاس لکھے ہوئے موجود ہیں جنہوں نے روضہ کی دیواروں سے انہیں بطور یادداشت نقل کر لیا تھا۔

منشی لچھمن سنگھ گجراتی نے کسی زمانے میں مولانا غنیمت کے متعلق پنجابی اشعار لکھ کر بڑے بڑے اشتہارات پر چھپوا کر کنجاہ کے گرد و نواح میں چسپاں کرائے تھے۔ یہ اشعار بھی کنجاہ میں اکثر لوگوں کے پاس موجود ہیں۔ دلاوری صاحب نے اپنے مقالے میں ان اشعار کا محض ذکر ہی کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں صرف ان کے متعلق معلومات ہی ملی ہوں، اصل اشعار ان تک نہ پہنچے ہوں۔ میں ان کا کچھ حصہ درج ذیل کرتا ہوں، لچھمن سنگھ لکھتا ہے:

ہن دیناں میں روضے دا پتا سارا، کنجاہوں طرف دکن بھاری تال ہے وے

کول باغ دیواناں دا خوب پختہ، روضہ خاص بنیا برج نال ہے وے

سر دے نال بیری پھل دار ہے وے روضے کارنیں کٹیا ڈال ہے وے

مشہور شاعر غنیمت ہے وچہ دنیا، لچھمن سنگھ نہ جھوٹھ روال ہے وے

میلا ورہے دے ورہے مقرر ہویا، پچھلی جیٹھ دی جو جمعرات بیلی

جھلا باورا کرے سلام آکے، عاقل ہووے دانا کرامات بیلی

وجن ڈھول پنڈھارے نے کول ہندے رنگو رنگ رنگیلڑی بات بیلی

لچھمن سنگھ سلام نوں خلق آوے، ہر اک جو جگ تے ذات بیلی

شوق شعر دا جس انسان تائیں، چالی روز ہووے خدمتگار بیلی

بالے نت چراغ تے کرے جھاڑو، اے پردے نہ صدق نوں ہار بیلی

باجھوں علم شاعر روشن ہووے دنیا، کرے مہر جا رب غفار بیلی

لچھمن سنگھ نہ جھوٹھ ہے رتی ہرگز میری بات تے کرو اعتبار بیلی

لچھمن سنگھ کے ان بیانات میں کہاں تک صداقت اور کہاں تک بناوٹ ہے؟ اس کے متعلق تو کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ البتہ ایک غیر مسلم اور مذہب و ملت سے بیگانہ انسان کی اس درجہ ارادت بھی تو بذات خود ایک کرامت سے کم نہیں۔

حواشی

(۱) سرخوش، محمد افضل، کلمات الشعرا؛ بہ تصحیح صادق علی دلاوری، شیخ مبارک اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۴۲ء، ص ۸۲ (مرتبین)۔

(۲) صداقت کنجاہی، محمد ماہ، ثواقب المناقب؛ نسخۂ خطی، ساھیوال، ص ۱۲۵۔

(۳) سنبھلی، حسین دوست، تذکرۂ حسینی؛ انتشارات منشی نولکشور، ص ۲۷۴ (مرتبین)۔

(۴) ایضاً، ص ۲۳۰۔

(۵) آئین اکبری، شیخ ابوالفضل علامی، بہ اہتمام بلوخمان، کلکتہ، ۱۲۸۴-۱۲۹۴، صص ۱۵۱-۱۵۲

(۶) شاھنواز خان، صمصام الدولہ، ماثر الامرا؛ بہ اہتمام مولوی عبدالرحیم، کلکتہ، ۱۸۸۸-۱۸۹۰ء، ص ۷۹۶

(۷) شفیق اورنگ آبادی، تذکرہ گل رعنا؛ نسخۂ خطی انجمن ترقی اردو، کراچی، نمبر ۳ قف ۱۷، صص ۸۶۷-۸۶۸ (مرتبین)۔

(۸) غنیمت کنجاھی، دیوانِ غنیمت؛ بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاھور، ۱۹۵۸ء، ص ۸۷ (مرتبین)۔

(۹) صداقت کنجاہی، محمد ماہ، ثواقب المناقب؛ ص ۱۴۸۔

(۱۰) عظیم آبادی، حسین قلی خان، نشترِ عشق؛ دوشنبہ، ۱۹۸۲ء، جلد سوم، ص ۱۱۱۴۔

(۱۱) ھاشمی سندیلوی، احمد علی، تذکرہ مخزن الغرائب؛ بہ تصحیح محمد باقر، جلد ۴، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ص ۲۲۷ (مرتبین)۔

(۱۲) نظامی بدایونی، قاموس المشاھیر، جلد دوم، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰۴۔

(۱۳) سعید نفیسی، ''غنیمت''، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۲، لیڈن، ۱۹۹۱ء، ص ۱۰۰۶ (مرتبین)۔

(۱۴) صادق علی دلاوری، ''غنیمت کنجاہی''؛ اورینٹل کالج میگزین، لاہور، مئی ۱۹۴۲ء، صص ۱۴-۳۷ (مرتبین)۔

(۱۵) ایضاً، صص ۳۲، ۳۳۔

(۱۶) شفیق اورنگ آبادی، تذکرہ گل رعنا؛ نسخۂ خطی انجمن ترقی اردو، کراچی، نمبر ۳ قف ۱۷۰، ص ۸۶۷۔

(۱۷) ان مصادر کے علاوہ غنیمت کا اپنا مصرعہ کہ شکست آمد بہ شان میرزا ئیں بھی اس حقیقت کی صداقت کو تقویت دیتا ہے۔

(۱۸) شفیق اورنگ آبادی، تذکرہ گل رعنا؛ نسخۂ خطی، ص ۸۶۷۔

(۱۹) عظیم آبادی، حسین قلی خان، تذکرہ نشترِ عشق؛ ص ۱۱۱۴۔

(۲۰) آرزو، سراج الدین علی خان؛ تذکرہ مجمع النفائس؛ بہ کوشش مہر نور محمد خان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، جلد دوم، ص ۱۱۷۲ (مرتبین)۔

(۲۱) Rieu, C, Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum London, 1895, P.700/2

(۲۲) صادق علی دلاوری، ''غنیمت کنجاھی''؛ ص ۲۵

(۲۳) ایضاً، ص ۲۴

(۲۴) اکرام الحق شیخ، ارمغان پاک؛ نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۳۳۸ ھجری شمسی، ص ۲۰۱

(۲۵) Rieu, C, Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum London, 1895, P.700/2

(۲۶) ساقی نامہ کا مخطوطہ برٹش میوزیم میں موجود نہیں ہے بلکہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے۔
Ethe, Hermann; Catalogue of Persian Manuscripts in the India Office Library Vol.1, 1980, pp899,900

(۲۷) محمد بخش، میاں، ترجمۂ منظوم نیرنگ عشق، بہ اہتمام ملک عظیم محمد و پسران، جہلم، ۱۳۸۳ھجری قمری (مرتبین)۔
(۲۸) راحت، بھگوانت رائے، نگارستان راحت: ترجمۂ منظوم بہ اردو، مطبوعہ گلزار اودھ، لکھنو، ۱۳۱۷ھجری قمری۔
(۲۹) سرخوش، محمد افضل، کلمات الشعرا، ص ۸۲ (مرتبین)۔
(۳۰) شفیق اورنگ آبادی، تذکرہ گل رعنا: نسخۂ خطی، ۸۶۷۔
(۳۱) آرزو، سراج الدین علی خان، تذکرہ مجمع النفائس، ص ۱۱۷۲۔
(۳۲) صالح کنجاہی، سلسلۃ الاولیا، نسخۂ خطی، ساھیوال، ص ۳۳۔
(۳۳) ناصر علی، میر، ماھنامہ صلائے عام، دہلی، نومبر ۱۹۲۸ء۔
(۳۴) ثاقب سلیمانی، ماہنامہ نیرنگ خیال، لاہور، جوبلی نمبر ۱۹۵۰ء، ص ۴۱۔
(۳۵) بشیر حسین، فہرست مخطوطات شیرانی، ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۱۹۴۔

مآخذ

نمبر شمار	فہرست کتب	مولف	سنۂ تالیف
(۱)	کلمات الشعراء	محمد افضل سرخوش	۱۰۹۳ھ
(۲)	ثواقب المناقب	محمد ماہ صداقت کنجاہی	۱۱۲۷-۱۱۲۶ھ
(۳)	تذکرہ حسینی	حسین دوست	۱۱۶۳ھ
(۴)	مجمع النفائس	خان آرزو	۱۱۶۸ھ
(۵)	گل رعنا	شفیق اورنگ آبادی	۱۱۸۱ھ
(۶)	مخزن الغرائب	احمد علی ھاشمی	۱۲۱۸ھ
(۷)	نشتر عشق	حسین قلی خاں	۱۲۳۳ھ
(۸)	ریاض الشعراء	علی قلی والہ داغستانی	۱۲۵۱ھ
(۹)	سلسلۃ الاولیاء	صالح محمد کنجاہی	۱۲۶۷ھ
(۱۰)	انیس العاشقین	رتن سنگھ زخمی	۴۰-۱۲۳۰ھ (غالباً)
(۱۱)	شمع انجمن	نواب سید صدیق حسن	۱۲۹۲ھ
(۱۲)	قاموس المشاہیر	نظامی بدایونی	۱۹۲۶ء
(۱۳)	انسائیکلوپیڈیا آف اسلام	لیڈن	۱۹۲۷ء
(۱۴)	آئین اکبری	شیخ ابوالفضل بن مبارک ناگوری	۱۰۰۶ھ

(۱۵)	مآثر الامرأ	شاہنواز خاں اورنگ آبادی	۱۷۴۷-۱۷۴۲ء
(۱۶)	شریف التواریخ	مولانا شرافت نوشاہی	(سنہ تکمیل) ۱۹۵۸ء
(۱۷)	ارمغان پاک	شیخ محمد اکرام	۱۳۳۳ھ
(۱۸)	فہرست فارسی مخطوطات برٹش میوزیم	ریو	۱۸۸۱ء
(۱۹)	الاعجاز	مرزا احمد بیگ نوشاہی لاہوری	۱۱۰۷ھ
(۲۰)	تحائف قدسیہ	مولانا پیر کمال نوشاہی لاہوری	۱۱۶۸ھ
(۲۱)	کنز الرحمۃ	مولانا محمد اشرف فاروقی نوشاہی	۱۱۸۶ھ
(۲۲)	شعر العجم فی الہند	شیخ اکرام الحق	۱۹۶۱ء

(۲) مقالات و مضامین

(۱)	ماہنامہ نیرنگ خیال لاہور	میر ولی اللہ	اگست ۱۹۲۷ء
(۲)	ماہنامہ نیرنگ خیال لاہور	ثاقب سلمانی	جوبلی نمبر ۱۹۶۰ء
(۳)	ماہنامہ صلائے عام دہلی	میر ناصر علی	نومبر ۱۹۲۸ء
(۴)	سہ ماہی اورینٹل کالج میگزین لاہور	شیخ صادق علی دلاوری	مئی ۱۹۳۲ء
(۵)	سہ ماہی ہلال کراچی	ڈاکٹر ظفر خاں	اوت ۱۹۵۶ء
(۶)	سہ ماہی ہلال کراچی	بذل حق محمود	دسمبر ۱۹۵۸ء
(۷)	روزنامہ امروز لاہور	عبداللہ اثری	۱۹۵۷ء
(۸)	روزنامہ امروز لاہور	شریف کنجاہی	۱۹۵۸ء
(۹)	دیباچہ دیوان غنیمت	مطبوعہ پنجابی ادبی اکادمی لاہور، غلام ربانی عزیز	۱۹۵۹ء
(۱۰)	ماہنامہ نیرنگ خیال لاہور	رضا علی وحشت کلکتوی	۱۹۲۷ء
(۱۱)	ماہنامہ مخزن لاہور	رضا علی وحشت کلکتوی	۱۹۰۸ء
(۱۲)	ماہنامہ افکار نو لاہور	گوہر نوشاہی	نومبر ۱۹۶۰ء
(۱۳)	سہ ماہی فاران لاہور	گوہر نوشاہی	۱۹۶۰ء
(۱۴)	سہ ماہی کریسنٹ لاہور	گوہر نوشاہی	۱۹۶۰ء
(۱۵)	رونامہ آزاد لاہور	گوہر نوشاہی	۱۸-اکتوبر ۱۹۵۹ء
(۱۶)	ہفت روزہ چٹان لاہور	گوہر نوشاہی	۱۹۶۰ء

سید شرافت نوشاہی

محمد اکرم غنیمت کنجاہی ☆

آپ عالم یگانہ، فاضل زمانہ، علامۂ دوران، فہامۂ بلند مکان، شاعر باکمال، ناظم بے مثال، غواص بحر شریعت، گوہر دریائے حقیقت، صاحب عشق و محبت و علم و فضل تھے۔

نام و نسب اور وطن:

آپ کا نام محمد اکرم، تخلص غنیمت، والد بزرگوار کا نام بقول علامہ شیخ محمد ماہ صداقت کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ نظر محمد تھا۔ آپ کے والد صاحب اور چچا صاحب شیخ ابو البقا کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں سے تھے[1]۔

قصبہ کنجاہ کا منصب افتاء آپ کے بزرگوں سے متعلق تھا۔ کتاب تذکرہ حسینی میں آپ کو ''از مفتی زادہائے قصبہ کنجاہ بودہ'' لکھا ہے[2] اور کتاب نشتر عشق میں لکھا ہے: ''خدمت افتاء آن قصبہ بہ پدر او متعلق بود''[3]، یعنی اس قصبہ کی فتویٰ نویسی کی خدمت آپ کے والد بزرگوار سے متعلق تھی[4]۔

مولوی قاضی عطا محمد صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ کتاب مخزن التواریخ میں مولانا غنیمت کے والد کا نام مولانا محمد فاضل لکھا ہے اور اپنے بزرگوں کی اُن کے ساتھ رشتہ داری کا اظہار کیا ہے، مگر علامہ صداقت کا قول زیادہ معتبر ہے کیونکہ وہ مولانا غنیمت کو اپنا چچا لکھتے ہیں اور شیخ نظر محمد کو اپنا دادا[5]۔ تو لامحالہ مولانا کے والد شیخ نظر محمد ہی ثابت ہوئے۔

مولانا کے آبائی وطن کا پختہ پتہ نہیں۔ مگر ایک جگہ علامہ صداقت محمد ماہ ثواقب المناقب میں اپنے متعلق لکھتے ہیں۔ مصرع:

''بود یک بندۂ شامی نسب ماہ''[6]

اس سے محمد ماہ کا شامی النسب[7] ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ تو ممکن ہے کہ آپ کے آباد اجداد ملک شام سے آئے ہوں اور قصبہ کنجاہ میں توطن اختیار کیا ہو۔ نیز اس مصرع کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے چونکہ ماہ (چاند) شام کے وقت طلوع ہوتا ہے تو اس کو یہاں ذکر کیا ہو اور اپنا شامی النسب ہونا مراد نہ لیا ہو۔

☆ اورینٹل کالج میگزین، لاہور، ۱۹۸۴ء، عدد مسلسل ۲۳۱-۲۳۲، صفحات ۱۴۳-۱۸۹

واقعۂ ولادت:

آپ ابھی والدہ کے پیٹ میں تھے کہ ایک دن حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کی والدہ ماجدہ کو بشارت دی اور فرمایا۔ بی بی! جو فرزند تیرے پیٹ میں ہے اس کو غنیمت جان۔ یہ مقبول خدا ہوگا۔ چنانچہ آپ متولد ہوئے۔

جب آپ بڑے ہوئے اور اپنی والدہ کی زبان سے یہ واقعہ سنا تو اپنا تخلص ہی غنیمت قرار دیا[۸]۔

تحصیل علوم:

آپ نے ظاہری علوم اپنے والد صاحب اور دیگر اعزہ کنجاہ قاضی خوشی محمد اور قاضی رضی الدین وغیرہ سے حاصل کیے۔ معقول و منقول میں کمال پایا اور فن شعر گوئی میں آپ میر محمد زمان راسخ کے شاگرد تھے۔ خان آرزو نے مجمع النفائس میں لکھا ہے: ''شاگرد میر محمد زمان راسخ بود''[۹]، اور عشق عظیم آبادی نے نشتر عشق میں لکھا ہے: ''مشق سخن بہ خدمت میر محمد زمان راسخ تخلص کردہ''[۱۰] اور مرآۃ آفتاب نما میں بھی ''شاگرد محمد زمان راسخ'' لکھا ہے[۱۱] اور فہرست مخطوطات شیرانی جلد دوم مرتبہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین ادارۂ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاہور میں مرزا ایزد بخش رسا (متوفی ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۸ء) کے متعلق لکھا ہے: ''او استاد ملا غنیمت کنجاہی بودہ''[۱۲]۔

بیعت طریقت:

ابتدائے احوال میں آپ پر غربت کا دورہ تھا۔ ایک دن سید صالح محمد صاحب نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ سنا تو دعائے خیر کے واسطے بمقام چک سادہ متصل گجرات ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت شاہ صاحب دوران گفتگو فرما رہے تھے کہ فلاں جگہ کے تربوز اچھے شیریں ہوتے ہیں۔ آپ چپ وہیں سے اٹھ گئے اور اس جگہ سے تربوز خرید لائے اور ان کی خدمت میں حاضر کر دیئے اور اپنی افلاس اور مسکنت کی عرض بھی کر دی۔ شاہ صاحب نے آپ کو پانچ کوڑیاں عطا کیں اور دعا فرمائی۔ جب آپ مجلس سے اُٹھ کر واپس ہوئے تو دروازہ پر ایک درویش بیٹھا تھا۔ پوچھا شاہ صاحب نے تمہیں کیا دیا ہے۔ مولانا نے کوڑیاں دکھائیں۔ درویش نے چار کوڑیاں اٹھا کر کنویں میں پھینک دیں اور کہا: شاہ صاحب نے آپ کو پانچ ملکوں کا قاضی بنا دیا ہے، آپ کے لئے ایک ملک ہی کافی ہے۔ چنانچہ ابھی تھوڑے دن ہی گزرے تھے کہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ ایسا مسئلہ درپیش ہوا جو علماء سے حل نہ ہو سکا۔ کسی نے مولانا غنیمت کا تذکرہ کیا تو بادشاہ نے آپ سے مسئلہ پوچھا اور جواب شافی پایا تو آپ کو اس علاقہ کا قاضی کر دیا[۱۳]۔

اس واقعہ کے بعد مولانا غنیمت، حضرت سید صالح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سرفراز ہوئے اور اپنے

پیر کے کمال معتقد اور عاشق تھے۔ان کے متعلق مثنوی نیرنگ عشق میں لکھتے ہیں:

در کشور کشای فیض سرمد　　　امام عاشقان صالح محمد[14]

شاہ صاحب کی نگاہ شفقت سے آپ پر علوم حقانی کے دروازے کھل گئے اور آپ اپنے معاصرین میں فایق ہوئے۔

عشق غوثیہ:

آپ کو حضرت غوث اعظم ؒ سے کمال تعشق تھا۔لکھتے ہیں:

غنیمت ای غلام غوث اعظم　　　فدایی نام پاک قطب عالم[15]

منقول ہے کہ آپ جہاں کہیں حضرت غوث الثقلین ؒ سن پاتے، جھٹ سجدہ کر دیتے۔آپ کی دیکھا دیکھی کئی درویشوں نے یہ طریقہ اختیار کرلیا، جب اس بات کی اطلاع اورنگ زیب بادشاہ تک پہنچی تو اس نے ان سب ساجدین کو دربار میں طلب کیا اور ان کو تنبیہ وتہدید کی کہ تم حضرت غوث اعظم ؒ شریف سن کر کیوں سجدہ کرتے ہو؟ کسی نے انکار کر دیا۔کسی نے اعتراف کرلیا مگر آئندہ کرنے سے توبہ کر لی۔جب مولانا سے پوچھا گیا تو آپ اسم غوثیہ سنتے ہی جھٹ سجدہ میں گر پڑے۔آپ کا غلو عشق دیکھ کر بادشاہ نے آپ کو معذور رکھا۔ العاشق والمجنون معذور۔اور آئندہ کبھی کوئی شخص مزاحم نہ ہوا[16]۔

ابتدائی طرز زندگی:

آپ گاؤں کے رہنے والے تھے۔وہیں پل کر جوان ہوئے۔اس لئے آپ کی وضع قطع اور لباس دیہاتیوں کا سا ہوتا۔وہیں بود و باش۔وہی نشست و برخاست۔موٹے کپڑے پہنتے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی۔

شاعری:

آپ اگر چہ دینی علوم فقہ، تفسیر اور تصوف میں بے مثل تھے۔مگر آپ کی زیادہ شہرت آپ کی شاعری کی وجہ سے ہوئی ہے۔آپ کی بلند خیالی کے متعلق سب شعراء متفق ہیں۔

(۱)　خان آرزو لکھتے ہیں:

"بسیار خوش زبان و معنی تلاش است"[17]

(۲)　احمد علی ہاشمی لکھتے ہیں:

"طبع روانی داشته۔ اشعارش نازك و هموار است"[18]

(۳)　عشق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

"خیلی خوش خلق و رنگین مزاج بود"[19]

(۴) صاحب مرآۃ آفتاب نما لکھتے ہیں:

"خوش فکری است"[20]

یعنی مولانا غنیمت بڑے خوش زبان، خوش خلق، خوش فکر، رنگین مزاج اور معنی تلاش تھے۔ طبیعت میں روانی بہت تھی۔ آپ کے اشعار نازک اور سلیس ہیں۔

شہرت و ہردلعزیزی:

اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں آپ کی شاعری کا سورج نصف النہار پر تھا۔ پنجاب اور ہند کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی آپ کی شاعری کے چرچے تھے۔

(۱) مجمع النفائس میں ہے:

"در اواسط عہد عالمگیری در ملک پنجاب طنطنۂ شاعری او کوس لمن الملکی می زد"[21]۔

اورنگ زیب کی حکومت کے درمیانی زمانہ میں ملک پنجاب میں مولانا کی شاعری کا ڈنکا ملک الشعرائی پر بجتا تھا۔

(۲) مخزن الغرائب میں ہے:

"در ہند نہایت شہرت دارد"[22]

آپ ہندوستان میں بہت مشہور ہیں۔

(۳) نشتر عشق میں ہے:

"در معاصرانْ نام بر آورد"[23]

اپنے ہم عصروں میں آپ نام آور ہوئے۔

(۴) مرآۃ آفتاب نما میں ہے:

"در عہد اورنگ زیب شہرت یافتہ"[24]

اورنگ زیب کے زمانہ میں آپ نے شہرت پائی۔

ظرافت طبع:

مولانا کی طبیعت ظریفانہ تھی۔ ایک دن آپ کنجاہ کے بازار میں چلے جا رہے تھے کہ ایک شوخ مزاج

لڑکا سامنے سے آتا ملا، اس نے سلام و آداب کوئی نہ کیا اور سوال کر دیا: مولانا! رباعی کس کو کہتے ہیں؟ آپ نے اسی وقت تیار کر کے یہ رباعی سنا دی:

شیطان پسری ستیزه روی در راه — پرسید ز من وزن رباعی ناگاه
چون تیزی طبع او بدیدم، گفتم — لاحول ولا قوة الا بالله (۲۵)

سیر و سیاحت کا شوق:

مولانا کو سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ اکثر ملکوں، شہروں کی سیر کا شوق آپ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

زیارت بغداد کا شوق:

آپ کو قبر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ زیارت کا بہت شوق تھا۔ لیکن سفر کی صعوبت اور زادِ راہ میسر نہ ہونے کی وجہ سے یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ آپ کی ایک غزل کا مقطع اس اشتیاق کو ظاہر کرتا ہے:

ای خوش آندم که غنیمت ز سر عجز و نیاز
سر قدم کرده به طوف شه بغداد رود (۲۶)

سیر کابل کا شوق:

شوق فایز می کند تکلیف سیر کابلم
شد غنیمت دیدهٔ ما عرصه سرخاب ازو (۲۷)

سیر کشمیر کی تمنا:

بیا بلبل داری گلی نذر تماشا کن
غنیمت بهر سیر گلشن کشمیر می آید (۲۸)

محبوبان کشمیر کی قدردانی:

بهار آشوب جنت جلوهٔ هر شوخ رعنایی است
دلی داری غنیمت نذر کشمیری نگاران کن (۲۹)

سفر شاہجہان آباد اور سرخوش کی ملاقات:

آپ کا دہلی جانا اور محمد افضل سرخوش کی ملاقات اور آپس میں مجالس شعر و سخن اور طبع آزمائیوں کا کوئی واقعہ کسی معتبر تذکرے میں نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ ہفت روزہ اخبار پیغام وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ بابت دوشنبہ ۲ مئی ۱۹۳۲ء/ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ نمبر ۴، جلد ۱، صفحہ ۲ میں بعنوان ''ارتجال'' بہ ادارت قاضی محمد احسان اللہ بی۔اے۔

مقبول منزل، وزیر آباد تحریر ہے جو لفظ بلفظ لکھا جاتا ہے:

''ملا غنیمت کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ کا مرقد آج بھی کنجاہ ضلع گجرات میں زیارت گاہ عوام ہے اور جن کی نسبت عہد عالمگیری کے ملک الشعراء سرخوش نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ (غنیمت از خاکیان هند غنیمت است) ایک نہایت ہی بلند پایہ شاعر تھے۔ مگر بیچارے سیدھے سادے اور حقہ ہاتھ[۳۰] میں لے کر سفر کرنے والے بزرگ تھے۔ جب پنجاب میں کوئی صاحب ذوق ایسا نہ ملا جو ان کے کلام کی داد دیتا، تو آپ مثنوی کے مسودات[۳۱] کا پلندہ بغل میں دبائے، اُجلا تہبند باندھے، ایک ہاتھ میں مٹی کا حقہ اور دوسرے میں لاٹھی پکڑے، گھر سے بعزم دلی چل دیئے اور چالیس دن کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ جامع مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے بیٹھ کر اپنا حقہ بھرا اور سرخوش کے پاس اس وقت چند ہم مشرب شعرا بیٹھے تھے۔ اور شعر و شاعری کی باتیں ہو رہی تھیں۔ دفعتہً خادم نے اطلاع دی کہ ایک پنجابی دہقان سلام کے لئے حاضر ہوا ہے۔ حاضرین میں سے بعض کی رائے تھی کہ اس پنجابی گداگر کو ٹال دیا جائے۔ مگر سرخوش کی وسیع الاخلاقی کو یہ گوارا نہ ہوا، انہوں نے جھٹ مولانا غنیمت کو اندر بلا لیا۔ غنیمت گئے اور سلام کے بعد خاموش ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ سرخوش منتظر تھے کہ یہ گداگر خود اپنی حاجت بیان کرے اور اس کے بعد اس کے سوال کا مناسب جواب دے کر اُسے رخصت کر دیا جائے۔ مگر حضور خاموش بیٹھے رہے۔ مجلس میں سے ایک صاحب نے جو ذرا زیادہ چلبلے تھے۔ طعن آمیز انداز میں کہا کہ ''بڑے میاں کہیں آپ گونگے تو نہیں''؟ اس پر غنیمت بولے اور فرمایا:

کردہ ام از مہر لب نقد بیانہا در گرہ
بستہ ام چون غنچۂ سوسن زبانہا در گرہ[۳۲]

مولانا غنیمت کی زبان سے یہ بلند مطلع سن کر سب کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو گئی اور جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ شعر خود مولانا غنیمت ہی کا ہے اور انہوں نے اس وقت فی البدیہہ فرمایا ہے تو وہ اور بھی ملتفت ہوئے۔ سرخوش نے اٹھ کر آپ کو سینہ سے لگا لیا اور اپنے برابر بٹھایا۔ اب پھر تذکرۂ شعر شروع ہوا۔ مولانا سرخوش نے کہا کہ ہم سب اس وقت ایک خاص طرحی مصرع پر شعر لکھ رہے تھے۔ جس کا قافیہ ردیف ''پست

افتادہ است، بہ دست افتادہ است، مست افتادہ است" ہے۔ آپ بھی کچھ فرماتے۔ مولانا غنیمت نے دو چار منٹ تامل کرنے کے بعد فرمایا:

وحشتم پر زور و طاقت زیر دست افتادہ است
ھمچو موج از خود بہ کار من شکست افتادہ است
چاہ راہ خویش گردیدند چون گردابھا
ھمت ارباب دنیا بس کہ پست افتادہ است
طاقت برخاستن چون گرد نمناکم نماند
خلق می داننند می خوردست و مست افتادہ است [۴۳]

یہ اشعار سن کر سب پھڑک گئے۔ سب نے آنکھوں میں جگہ دی، مہینوں مہمانی کی۔ مٹی کا حق توڑ کر چاندی کا حقہ، جس میں سونے کی جھالر لگی تھی، مولانا غنیمت کے لئے مہیا کیا گیا۔ ایرانی طرز کے نئے جوڑے پہننے کے لئے پیش کیے اور واپسی پر آپ کی سواری کے واسطے ایک اعلیٰ درجہ کا عراقی گھوڑا مہیا کیا گیا اور اگرچہ اورنگ زیب کے عہد کی فضا شعرا کے لئے کچھ زیادہ سازگار نہ تھی، تاہم امرائے دہلی کی طرف سے اس قدر داد و دہش ہوئی کہ غنیمت کی باقی عمر آرام سے گزر گئی"۔

بدیہہ گوئی:

آپ باوجود کمال سادگی کے بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی میں بھی طاق تھے۔ آپ کا کلام فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ اور سوز و گداز کا مرقع ہے۔ آپ نادر و عجیب تشبیہات و استعارات استعمال کرتے ہیں۔

عہدہ داری:

آپ کچھ عرصہ نواب مکرم خاں والی کنجاہ کی طرف سے عہدہ دار رہے۔ مولانا میر حسین دوست نے تذکرہ حسینی ص ۱۹۹ میں لکھا ہے:

"در عہد عالمگیر بادشاہ بہ خدمت نواب مکرم خان بہ سر می بردہ"۔ [۴۴]

اورنگ زیب بادشاہ کے زمانہ میں نواب مکرم خاں کی ملازمت میں وقت گزارتے تھے۔

جن ایام میں ۱۶۸۵ء/۱۰۹۶ھ میں آپ نے مثنوی لکھی، اس وقت آپ نواب صاحب کے عہدہ داروں میں سے تھے۔

وطن کی محبت:

آپ کو اپنے وطن پنجاب سے بہت الفت تھی۔ متعدد جگہ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ دیوان میں لکھتے ہیں:

آب شد کشمیر در چشم غنیمت از حجاب
تا کہ نادانستہ نام خطۂ پنجاب برد (۳۵)

مثنوی نیرنگ عشق میں لکھتے ہیں:

ندیدم کشوری غارت گر تاب   به خوبی های حسن آباد پنجاب (۳۶)

غنیمت کا وطن:

آپ کا اصلی وطن قصبہ کنجاہ ہے۔ آپ کی پیدائش و تربیت و سکونت و مدفن کا فخر اسی قصبہ کو حاصل ہے۔ مگر مثنوی نیرنگ عشق کا ایک نسخہ ۱۲۲۱ھ کا لکھا ہوا درگاہ خواجہ امین کے کتب خانہ بمقام بیجاپور (ہندوستان) موجود ہے۔ کاتب کا نام محمد یار نانديزی ہے اس کے دستخط میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ ''مولوی مغفوری مولانا غنیمت ساکن شاہجہان آباد''۔

جناب شیخ صادق علی دلاوری نے میری کتاب شریف التواریخ کے پہلے مسودہ سے مولانا غنیمت کے حالات لے کر اُن پر ایک مقالہ لکھا تھا۔ جو بعنوان ''غنیمت کنجاہی'' اورینٹل کالج میگزین لاہور بابت مئی ۱۹۴۲ء جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ میں شائع ہوا تھا۔ اس پر جناب عبداللہ چغتائی نے تعاقب کیا اور بیجاپور والے مندرجہ بالا نسخہ نیرنگ عشق کے دستخط میں ''مولانا غنیمت ساکن شاہجہان آباد'' (۳۷) کے الفاظ کی بنیاد پر مولانا کا وطن دہلی میں قرار دیا۔ اور آپ کے کنجاہی ہونے کی دل کھول کر تردید کی، چغتائی صاحب کا مضمون جو شائع ہوا اس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

> ''اس ترقیمہ میں بہت سے ایسے امور آ گئے ہیں جو خاص دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کو ذیل کی سطور میں مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔ مولانا غنیمت کو ساکن شاہجہان آباد لکھا ہے۔ مگر عام طور یہ مسلم چلا آتا ہے کہ محمد اکرم المتخلص بہ غنیمت۔ کنجاہ ضلع گجرات کے باشندے تھے۔ مگر یہ بھی ضرور ہے کہ کسی ہمعصر تذکرہ نگار نے آپ کو کنجاہی نہیں لکھا۔ بقول مولانا دلاوری محمد افضل سرخوش نے اپنے تذکرہ کلمات الشعرا میں اسی قدر لکھا ہے ''غنیمت از خاکیان ہند غنیمت بود، دیوانی مختصر دارد مثنوی نیز فکر کردہ'' اور اتفاق سے محمد

افضل آپ کے ہمعصر علما میں سے تھے۔ جن کو آپ کے حالات سے مکمل اطلاع کا ہونا امکان ہوسکتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ مابعد کے تذکرہ نگاروں نے قریب قریب اسی بیان سرخوش کا اعادہ کیا ہے۔ مزید براں عہد اورنگ زیب کے علما و شعرا پر ایک مفید تالیف بنام فرحتہ الناظرین قبل ازیں خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی، اورینٹل کالج میگزین ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں طبع کر چکے ہیں، جس میں حسن اتفاق سے دو علما یا شعرا محمد خوشی کنجاہی اور لطف اللہ مرہب کنجاہی کا ذکر ملتا ہے۔ مگر مؤلف فرحتہ الناظرین نے غنیمت کے ذکر کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو مؤلف کو مولانا غنیمت کا کچھ علم ہی نہیں تھا یا اس کو حالات میسر ہی نہیں آئے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسی فرحتہ الناظرین میں سرخوش محمد افضل اور ایک مولانا محمد اکرم لاہوری کا ذکر ملتا ہے اور موخر الذکر مولانا غنیمت کا اصل نام تھا۔ غرض کہ یہ لوگ مولانا غنیمت کے ہمعصر تھے۔ مگر یہ بھی درست ہے کہ آپ کے کلام سے کہیں تعین نہیں ہوتا کہ آپ واقعی کنجاہ، ضلع گجرات پنجاب کے باشندہ تھے۔ اس لئے متذکرہ بیانات اور مخطوطہ بیجاپور میں آپ کو ساکن شاہجہان آباد لکھنا ضرور قابل توجہ ہے۔ اور ہمیں مزید حالات اور واقعات کی وضاحت کے لئے انتظار کرنی چاہیے۔ اس لئے آپ کو فوراً کنجاہی کہنے سے ذرا تامل کرنا چاہیے''(۳۸)۔

چغتائی صاحب کا استدلال یہ ہے کہ سرخوش معاصر تھا۔ اس نے آپ کو کنجاہی نہیں لکھا۔ اور مؤلف فرحتہ الناظرین نے سرے سے غنیمت کا ذکر ہی نہیں کیا، بخلاف اس کے مخطوطہ بیجاپور میں آپ کو ساکن شاہجہان آباد لکھا ہے۔

چغتائی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ سرخوش نے مولانا غنیمت کے وطن کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ اگر کنجاہی نہیں لکھا تو شاہجہان آبادی بھی نہیں لکھا۔ اور صاحب فرحتہ الناظرین کا آپ کو کنجاہ کے شعرا میں ذکر نہ کرنا بھی آپ کے کنجاہی نہ ہونے کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس میں کنجاہ کے کئی علما اور شعرا مثل قاضی رضی الدین اور محمد ماہ صداقت کے حالات متروک ہیں۔ اگر غنیمت کا ذکر نہیں کیا تو کیا حرج ہے؟

اب یہاں ان مورخین کے اقوال لکھے جاتے ہیں جنہوں نے بتصریح آپ کو کنجاہی لکھا ہے:

(۱) آپ کے برادر زادہ مولانا محمد ماہ صداقت کنجاہی کتاب ثواقب المناقب میں لکھتے ہیں: ''میاں محمد اکرم غنیمت عم مولف رسالہ است''(۳۹)۔ اور آپ کے والد اور چچا کا کنجاہ میں تذکرہ کرتے ہیں۔

(۲)　کشن چند اخلاص ہمیشہ بہار میں لکھتا ہے: "شیخ محمد اکرم غنیمت تخلص، موطن قصبہ کنجاہ مضاف صوبہ پنجاب"[۴۰]۔

(۳)　خواجہ محمد احسان سرہندی روضۃ القیومیہ میں آپ کو "غنیمت کنجاہی" لکھتے ہیں[۴۱]۔

(۴)　خان آرزو۔ مجمع النفائس میں لکھتے ہیں: "محمد اکرم غنیمت از قصبہ کنجاہ است"[۴۲]۔

(۵)　سید احمد علی ہاشمی: مخزن الغرائب میں لکھتے ہیں: "محمد اکرم غنیمت کنجاہی"[۴۳]۔

(۶)　عشق عظیم آبادی نشتر عشق میں لکھتے ہیں: "غنیمت۔ محمد اکرم نام مولد او قصبہ کنجاہ من توابع گجرات شاہ دولہ"[۴۴]۔

(۷)　میر حسین دوست تذکرہ حسینی میں لکھتے ہیں: "محمد اکرم متخلص بہ غنیمت از مفتی زادہای قصبہ کنجاہ بود"[۴۵]۔

(۸)　مولانا زیرک کلانوری ارژنگ عشق میں لکھتے ہیں:

ع　　غنیمت نیست ہر ملای کنجاہ

ان کے علاوہ بہت حوالے ہیں جو طوالت کے خوف سے نظر انداز کیے ہیں۔ باقی رہا مخطوطہ بیجاپوری میں غنیمت کو ساکن شاہجہان آباد لکھنا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے مراد دہلی ہوگا۔ بلکہ اس سے مراد بھی کنجاہ ہی ہے۔ کیونکہ مغلیہ عہد میں قصبہ کنجاہ والے علاقہ کو شاہجہان پور (شاہجہان آباد) لکھا کرتے تھے۔ پرانی دستاویزوں اور کتابوں میں بتصریح یہ نام پایا جاتا ہے۔ یہاں دو حوالے درج کیے جاتے ہیں۔

(۱)

نواب قلعدار خاں (بانی موضع قلعہ دار متصل کنجاہ) نے موازی پانسو بیگھہ زمین اپنی اہلیہ مسمات لاڈلی بیگم دختر عبدالجبار ولد عبدالستار بیگ کو ہبہ کر دی۔ اس کے حدود اربعہ لکھنے میں غربی حد میں رقبہ زمین موضع شاہجہان پور برکیاں لکھا ہے اور وہ سب رقبہ کنجاہ کا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں کنجاہ کے علاقہ کو شاہجہان پور کہا جاتا تھا۔ وہ پوری دستاویز بلفظہ یہاں درج کی جاتی ہے:

"بادشاہ عالمگیر خلد اللہ تعالیٰ ملکہ، وسلطانہ"

ھوالوھاب:

اقرار معتبر شرعی کرد طالعاً و مخیراً به اسم و نسب خود خان والا شان قلعدار خاں برین وجه که من مقر مذکور ہبه کردم و بخشیدم به زوجه خود مسمات لاڈلی بیگم بنت عبدالجبار بن عبدالستار بیگ آنچه حق و ملك من مقر مذکور بود و

در قبض و تصرف مالکانه شرعیه خود داشتم تا زمان این ہبه شرعیه خالیاً عن حق الغیر و عما به منع جواز الهبة و نفاذه- ہمگی و تمامی یك قطعه زمین معفوه الخراج- مقدار پانصد بیگهه به جریب شصت گزی به موجب فرمان عالی شان سعادت نشان حضرت مرقوم به تاریخ ربیع الثانی ۴ از جلوس والا در وجه انعام مشتمل برپنج دبنه چاه- بر یك سنبه پخته آبدار شیرین آب معلومة الادوار والعمق- کلینه در موضع شادیوال تپه ابو وژائچ معموله پر گنه ہرات مضاف صوبه پنجاب محدود بدین حدود:

حد شرقی المتصل- زمین موضع رسول پور شهزاده و زمین درویش گوندل مقام موضع صادق پور و فرید وغیره-

حد غربی المتصل- زمین موضع ملاك وغیره مزارعان موضع حسین محمود زمین موضع رسول پور شهزاده- و زمین موضع شاہجهان پور بر کیان- و زمین وزیر دراع مقام موضع شاهجهان پور وزیر-

حد جنوبی المتصل زمین موضع رامپور چوکها- و رسول پور شهزاده- و موضع سدهار و شارع عام-

حد شمالی المتصل، ناله و راه و زمین نشیب ازان جمله مزارع شاه حسین و محمود و فرید مزارع رسول پور خان وغیره و بلندی تالاب-

فواصل الحدود و علامات ظاهرات ہبة صحیحة شرعیة جائزة نافذة مجوزة مقبوضة خالیاً عن الشوط المعتدة والمعانی المطلبة- مسمی فالداد بن حاجی بن احمد که وکیل است نبود و کاتب موہوب لها مذکوره قبول نمود ہبه مذکوره را از واہب مذکور معه یك قطعه عالی شان سعادت نشان مرقوم به تاریخ وسنه مسطور فی الصدر از جلوس والا متضمن موازی پانصد بیگهه زمین- مصدر به اسم واهب مذکور و کیل مرہوب لها مذکور- فرمان و زمین مذکور را در قبض و تصرف خود آورد- فی مجلسها فارغاً عن کل منازع- بعد ازین مقر مذکور را در زمین و فرمان مذکور ہیچ حق و دعوی و خصومتی و شرکت یا موهوب مذکور باقی نماند به وجه من الوجوه و سبب من الاسباب، فقط تحریر فی الیوم ۱۷ شوال ۱۰۷۲ه گواه شد- میرزا بیگ گواه شد نجم بیگ"(۳۶)-

(۲)

مرزا اعظم بیگ اکسٹرا اسسٹنٹ بندوبست ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء نے تاریخ گجرات ص ۶۹۳ میں لکھا ہے:

''بعد شہنشاہ اکبر کے اس انتظام میں اس قدر ترمیم ہوئی کہ بہ عہد شاہجہان بادشاہ کے بعض مردم عناد پیشہ وطنی تھے۔ جن کو قوم گوجر سے کچھ ضد تھی۔ تپہ کندو بالا ملکیت گوجراں سے دیہات جدا کر کے ایک پتہ جدا بہ نام شاہجہان پور نامزد کیا''۔

ان عبارات قدیم و جدید سے ثابت ہوا کہ شاہجہان بادشاہ کے عہد سے علاقہ کنجاہ کو شاہجہان پور سے نامزد کیا گیا تھا۔ اس لئے کسی نے مولانا غنیمت کو شاہجہان آبادی لکھ دیا ہو تو وہ یہی شاہجہان پور کنجاہ مراد ہے۔

کرامات:

(۱) مولانا کے مزار سے آج تک لوگ فیض اٹھا رہے ہیں، خصوصاً دیوانے۔ مالیخولیا والے مزار پر لائے جاتے ہیں اور آپ کی برکات سے اللہ تعالیٰ ان کو شفا دے دیتا ہے۔

(۲) اگر کسی کو شاعر بننے کا شوق ہو تو چالیس روز تک قبر پر بلا ناغہ مجاورت کرے تو اس کی طبیعت شعر پر رواں ہو جاتی ہے[۴۷]۔

(۳) اگر کوئی طالب علم کند ذہن ہو تو آپ کی قبر کی سرہانے والی بیری سے پتے توڑ کر کھالے تو تیز فہم اور ذہین ہو جاتا ہے[۴۸]۔

مولانا غنیمت مورخین کی نظر میں:

آپ کے متعلق مورخین کے اقوال لکھے جاتے ہیں۔

(۱) عہد عالمگیری کے ملک الشعراء اور مولانا کے معاصر محمد افضل سرخوش اپنے تذکرہ کلمات الشعراء (سال تصنیف ۱۶۸۲ء/ ۱۰۹۳ھ و سال تکمیل ۱۷۰۳ء/۱۱۱۵ھ) مطبوعہ دین محمدی پریس سرکلر روڈ لاہور ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء ص ۸۲ پر لکھتے ہیں:

''غنیمت از خاکیان ہند غنیمت بودہ، طبع درست داشت۔ دیوانی مختصر دارد۔ مثنوی نیز فکر کردہ۔ این چند بیت از وست''[۴۹]۔

اس کے بعد دس اشعار لکھے ہیں۔

(۲) کشن چند اخلاص کتاب ہمیشہ بہار (سال تصنیف ۱۷۲۴ء/۱۱۳۶ھ) مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی ص ۱۸۳ پر لکھتا ہے:

''شیخ محمد اکرم غنیمت تخلص، متوطن قصبہ کنجاہ مضاف صوبہ پنجاب۔ از ارادتمندان حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ ومشق اشعار خود را پیش میر محمد زمان راسخ می گذرانید۔ واستفادہ فن شعری نمود۔ و اکثر خیالہای رنگین در الفاظ شوخ و عبارت متین بستہ۔ در ہندیان غنیمت بودہ۔ دیوان مختصر از و یادگار است۔ من اشعارہ:

کردہ ام از مہر لب نقد بیانہا در گرہ
بستہ ام چون غنچۂ سوسن زبانہا در گرہ (۵۰)

بہ یاد داغہای کہنہ دل دارد تماشایی
بود سیر چمن طاؤس را بر گشتہ دیدنہا (۵۱)

مثنوی نیز فکر کردہ مشتمل بر داستان عشق عزیز و شاہد مسمی بہ نیرنگ عشق، بیتی چند از ان مثنوی نیز درین مختصر می انگارد''۔

اس کے بعد بارہ اشعار درج ہیں۔

(۳) خواجہ ابو الفیض کمال الدین محمد احسان نقشبندی مجددی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ روضۃ القیومیہ رکن دوم (سال تصنیف ۱۷۴۲ء/ ۱۱۵۵ھ) مطبوعہ سیوک سٹیم پریس لاہور ص ۲۵۱ میں معاصرین خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

غنیمت کنجاہی کی مثنوی بہت مشہور ہے۔ چنانچہ کہتا ہے:

بہ مکتب می رود طفل پریزاد   مبارک باد مرگ نو بہ استاد (۵۲)

روضۃ القیومیہ رکن سوم ص ۱۶۰ میں خواجہ محمد نقشبند کے معاصرین میں بھی آپ کا نام لکھا ہے: ''غنیمت کی مثنوی نیرنگ عشق مشہور ہے جس کا مطلع یہ ہے:

بہ نام شاہد نازک خیالان   عزیز خاطر آشفتہ حالان (۵۳)

(۴) مولانا سراج الدین علی خان آرزو، کتاب مجمع النفائس (سال تصنیف ۱۷۴۸ء/ ۱۱۶۱ھ) خطی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۶۶۹ میں لکھتے ہیں:

''محمد اکرم غنیمت از قصبہ کنجاہ است کہ قصبہ ایست از مضافات لاہور۔ بسیار خوش زبان و معنی تلاش است۔ از بعضی مسموع است کہ شاگرد میر محمد زمان راسخ بود۔ در اواسط

عهد عالمگیری در ملک پنجاب طنطنهٔ شاعری او کوس لمن الملکی می زد، علی الخصوص از جهت مثنوی او که قصه شاهد و عزیز را موزون کرده بسیار به مزه گفته۔ خصوصاً داستان مکتب که از غایت خوبی شهرت تمام دارد۔ درین ولا انتخاب دیوان او نوشته شود"(۵۴) ۔

اس سے آگے بہت سے اشعار بطور نمونہ کلام دیئے ہیں۔

(۵) سید احمد علی ہاشمی سندیلوی کتاب مخزن الغرائب (سال تصنیف ۱۸۰۳ء/۱۲۱۸ھ) خطی نسخہ مجموعہ مخطوطات شیرانی پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ورق ۲۴۶ پر ہے:

"محمد اکرم غنیمت کنجاهیؒ طبع روانی داشته۔ اشعارش نازک و هموار است۔ مثنوی قصه عزیز و شاهد که افتتاح آن این است:

به نام شاهد نازک خیالان　　　عزیز خاطر آشفته حالان

در هند نهایت شهرت دارد۔ لیکن آن مثنوی از فصاحت و بلاغت افتاده۔ فاما از مزه خالی نیست۔ این چند اشعار از روانی طبع اوست"(۵۵) ۔

اس کے بعد چودہ اشعار بطور نمونہ کلام دیئے ہیں۔

(۶) مولانا حسین علی خاں عشق عظیم آبادی کتاب نشتر عشق (سال تصنیف ۱۸۰۹ء/۱۲۲۴ھ تا ۱۸۱۹ء/ ۱۲۳۴ھ) خطی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، ص ۳۹۵ میں لکھتے ہیں:

"غنیمت محمد اکرم نام، مولد او قصبه کنجاه من توابع گجرات شاه دوله مرحوم مضاف صوبه لاهور است۔ خیلی خوش خلق و رنگین مزاج بود ومشق سخن به خدمت میر محمد زمان راسخ تخلص کرده در معاصران نام بر آورد و خدمت افتاء آن (قصبه) به پدر او متعلق بود۔ میرزا عبدالعزیز خلف والی سیالکوت به محبت امرد پسری رقاص دل از دست داده به مرتبه فریفته جمال او گردیده که انگشت نمای خاص و عام شد۔ غنیمت که به

خدمت وی حاضر بود مثنوی نیرنگ عشق به احوال آن عاشق موزون ساخت۔ تا سنه یك هزار و نود و شش به عصر عالمگیری به قید حیات بود، ازوست" [56] ۔

اس کے بعد غزلیات کے بارہ اشعار بطور نمونہ کلام دیے ہیں۔

(۷) مولانا محمد صالح کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۃ الاولیا (سال تصنیف ۱۸۵۱ء/ ۱۲۶۷ھ) خطی ص ۳۳ میں لکھتے ہیں:

"حضرت محمد اکرم غنیمت مرحوم در شعر کمال دسترس داشت که مثنوی غنیمت یعنی نیرنگ عشق و دیوان غنیمت از تصانیف اوست۔ این هم طریق قادریه داشت۔ مرید حضرت سید محمد صالح است و او مرید حضرت نوشه حاجی است"۔

(۸) مولانا میر حسین دوست رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ حسینی ص ۱۹۹ میں لکھتے ہیں:

"شاعر مکرم محمد اکرم متخلص به غنیمت از مفتی زادهای قصبه کنجاه بوده۔ من مضافات گجرات شاه دوله و در عهد عالمگیر بادشاه به خدمت نواب مکرم خان به سر می برده و مثنوی متضمن عشق "عزیز" پسر نواب مذکور و حسن پسری رقاص "شاهد" نام بسیار به مزه گفته، این چند بیت ازوست۔ در وصف طفلان مکتب" [57] ۔

اس کے بعد چند اشعار لکھے ہیں۔

(۹) کتاب مرآۃ آفتاب نما میں ہے:

"غنیمت ناسش محمد اکرم، اصلش از لاهور، شاگرد محمد زمان راسخ، در عهد اورنگ زیب شهرت یافته۔ خوش فکری است۔ مثنوی شاهد و عزیز یادگار اوست" [58] ۔

(۱۰) مفتی غلام سرور لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مخزن پنجاب (سال تصنیف ۱۲۸۵ھ) ص ۳۰۴ پر لکھتے ہیں:

"ایک اور شاعر اورنگ زیب کے وقت یہاں (کنجاہ میں) غنیمت نام گزرا ہے جس کی کتاب نیرنگ عشق المشہور مثنوی غنیمت اب تک زمانہ میں مشہور ہے"۔

(۱۱)　شیخ اکرام الحق ایم-اے، ایل-ایل-بی، بی-سی-ایس سیکرٹری پاکستان رائٹرز گلڈ سب ریجن ملتان و رکن ملتان اکادمی، ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) کتاب شعر العجم فی الہند (شائع کردہ شعبہ اشاعت الاکرام، نشتر روڈ ملتان) ص ۱۷۹ میں لکھتے ہیں:

''محمد اکرم غنیمت، کنجاہ ضلع گجرات پنجاب کے رہنے والے تھے اور اواخر عہد عالمگیری میں بساط سخن کی زینت بنے.......... ڈاکٹر ریو لکھتے ہیں (کیٹلاگ مخطوطات برٹش میوزیم، ص ۷۰۰) کہ قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور میر محمد زمان راسخ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۰۷ھ) کے شاگرد تھے اور کچھ عرصہ میر محمد اسحاق مکرم خاں سے وابستہ رہے۔ جو ۱۱۰۶ھ تک اورنگ زیب کے عہد میں ناظم لاہور تھا.......... پنجابی ادبی اکادمی لاہور نے حال ہی میں غنیمت کا دیوان چھاپا ہے۔ جس کے پیش لفظ میں غنیمت کے والد کا نام نذر محمد مفتی کنجاہ دیا ہے۔ مگر حوالہ مذکور نہیں۔ سن وفات ۱۱۵۸ھ کے قریب معین کیا گیا ہے''۔

(۱۲)　سید وزیر الحسن عابدی، کتاب ''فارسی کا نیا نصاب'' حصہ دوم، برائے انٹرمیڈیٹ کلاسز، مطبوعہ نقوش پریس اردو بازار لاہور، شائع کردہ ادارہ فروغ اردو ایبک روڈ انارکلی لاہور، ص ۲۹ پر لکھتے ہیں۔

''غنیمت کنجاہی''

(نیمۂ اول قرن دوازدہم ہجری)

''ملا محمد اکرم متخلص به غنیمت از یك خانوادهٔ اهل دین و دانش بوده که در قصبهٔ کنجاه در حوالی گجرات (پنجاب) سکنیٰ داشت۔ نیاکان وی در آغاز دورهٔ سلطنت مغلیه در شبه قاره هند و پاکستان از ملك شام هجرت کرده به این سر زمین آمده بودند۔ پدرش مفتی نذر محمد که در کنجاه مسند افتاء را داشته و عموی وی ابو البقا هر دو اهل سیر و سلوك باطنی بودند و ارادت آنها به سید العارفین حاجی محمد نوشه گنج بخش بوده و غنیمت نیز به یکی از بزرگان روشن ضمیر سید صالح محمد گیلانی که نسب وی به غوث الاعظم شیخ عبدالقادر گیلانی می رسیده و در چك ساده یکی از دیهات حوالی گجرات زندگی می کرده۔ ارادت و

بدین واسطه عشق مفرطی هم با پیر سلسله پیدا کرده بود و علاقهٔ شدیدی بامطالب و افکار عرفانی داشت که در اشعار وی کاملاً منعکس است۔

غنیمت جزو مصاحبین نواب مکرم خان استاندار (حاکم) لاهور، در عهد اورنگ زیب عالمگیر در لاهور زندگی می کرد و تالیف مثنوی معروف وی نیرنگ عشق مقارن با همین ایام است۔ بعد از آنکه این مثنوی را به نظم آورده بود به دهلی رفت که در آن جا شخصیت مرزا محمد افضل سرخوش که خودش شاعر و شاعر پرور نیز بوده، مرجع هنر مندان شعر و سخن گردیده بود و وی از غنیمت پذیرایی شایانی کرد۔

وفات وی پیش از سال ۱۱۵۸ هجری قمری در آن موقع که در لاهور میهمان نواب مکرم خان بوده به مرض موت مبتلا شد۔ و برادر وی او را به کنجاه برد که در آنجا درگذشت۔

غنیمت در شعر مذاق عرفانی را دارد، وبه سبك هندی غزل سروده است و غزل سرایی وی بیشتر تحت تاثیر فغانی شیرازی و نظیری نیشاپوری و صائب تبریزی و قاسم دیوانهٔ مشهدی و ناصر علی سرهندی است۔ مضامین توحید و عشق حقیقی در اشعار وی فراوان است که به زبان عشق مجاز گفته و به طرز تغزل در سفته است۔

غزل

نام رخساری که هوش از بلبل بی تاب برد
وز گداز زنگ روی گل چمن را آب برد

باز آمد آن زمان برسر که جان در تن نماند
بخت شد بیدار هنگامی که ما را خواب برد

شد دل فرسوده ام از گریه رحمت آشنا
تا به دریا گرد راه همراهی سیلاب برد

بس که در خاطر خیال ماهرویان می گذشت
تیره روزی های ما دست از شب مهتاب برد

طره اش تا برده عقل و هوش من آرام هاست
خانه اش آباد هر دزدی که این اسباب برد

ذوق صحبت ها ز تاثیر دل زاهد نماند
این هوای سرد آخر گرمی احباب برد

آب شد کشمیر در چشم غنیمت از حجاب
تا که نادانسته نام خطۀ پنجاب برد (۵۹)

(۱۳) دختر امیر بٹ ایم اے، ادیب فاضل، منشی فاضل، پرنسپل اورینٹل کالج فار گرلز لاہور، کتاب ''آثار پارسی'' ص ۸۸ پر لکھتی ہیں:

''عہد عالمگیر سخن و شعر کے زوال کا زمانہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس میں کوئی شاعر بھی امیر خسرو، فیضی، غالب اور اقبالؒ کا ہم پلہ نظر نہیں آتا۔ اس عہد میں ملا محمد اکرم غنیمت کنجاہی کی ایک مثنوی نیرنگ عشق کو قبول عام نصیب ہوا۔ اس میں باریک بینی، معنی آفرینی اور خیال بندی کا نکھرا ہوا رنگ ہے اور محمد شاہی دور میں آنے والی زندگی کی ترجمان ہے''۔

اس سے آگے مناجات باری تعالیٰ کے سولہ اشعار اور تعریف پنجاب کے گیارہ اشعار بطور نمونہ کلام دیئے ہیں۔

(۱۴) کتاب اردو انسائیکلو پیڈیا۔ نیا ایڈیشن مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء کے صفحہ ۱۰۶۹ میں لکھا ہے:

''غنیمت، محمد اکرم مولانا (وفات ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء)''

''فارسی شاعر، کنجاہ ضلع گجرات (مغربی پاکستان) کے رہنے والے تھے۔ والد نذر محمد مفتی کنجاہ تھے۔ میر محمد زمان راسخ لاہوری کے شاگرد ہوئے، کچھ عرصہ میر محمد اسحاق مکرم خاں سے وابستہ رہے۔ جو اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ناظم لاہور تھا۔ پھر سید

صالح محمد کا مرید بن گیا، جو حضرت غوث اعظم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادے سے تھے۔ زیادہ تر شہرت مثنوی نیرنگ عشق کے باعث ہے۔ دیوان بھی چھپ چکا ہے"۔

(۱۵)　بیاض وارستہ یعنی انتخاب کلام شعراء مرتبہ سیالکوٹی مل۔ نمبر کتاب ۱۴۷۴ مجموعہ مخطوطات شیرانی پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور[۶۰]۔

اس میں ورق ۱۴۹ سے ورق ۱۵۱ تک مولانا غنیمت کنجاہی کے کلام کا انتخاب درج ہے۔

تصنیفات

(۱)　مثنوی مولانا غنیمت (گلزار محبت)[۶۱]:

یہ نیرنگ عشق کے علاوہ ہے۔ مولانا نے یہ فرخ سیر بادشاہ کے زمانہ (۱۱۲۵-۱۱۳۱ھ) میں نظم کی۔ کل اشعار کی تعداد پانچ سو اکانوے ہے۔ اس کے عنوانات بھی شعروں میں ہیں۔ پہلا عنوان یہ ہے:

غرض مناجات که دست دعاست　　آیینهٔ چهرهٔ مقصود ماست[۶۲]

مطلع یہ ہے:

الهی ساز دل را عشق مانوس　　به طاقم نه چراغ برق فانوس
هدایت پرتوی افگن به جانم　　تجلی مغز کن بر استخوانم[۶۳]

اس خطی نسخہ کا دستخط یہ ہے: "تمت تمام شد مثنوی تصنیف غنیمت کنجاہی اسم او محمد اکرم است و تخلص او غنیمت عرف نرخی کنجاہی غفر اللہ لہ ولوالدیہ"۔ یہ خطی نسخہ شیخ کرامت اللہ ساکن گجرات کے پاس دیکھا گیا۔

(۲)　رقعات غنیمت:

یہ علم ادب و انشا کا بہترین مرقع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا صرف نظم کے ہی استاد نہ تھے۔ بلکہ نثر نگاری میں بھی اپنے اقران میں بلند مرتبہ تھے۔ یہ رقعات کل تیرہ ہیں۔ پہلے رقعہ کی ابتدا اس طرح ہے:

"غنیمتی که تاب یك لحظه توقف هجران بر نزدیکان نداشت گرفتار چندین آلام دوری است۔ محمد اکرمی که در تادبه کورنش۔الخ"

ان رقعات کا متن دانشگاہ پنجاب لاہور کے کتب خانہ میں مخزونہ خطی بیاض ۳۹۸۲/۹۳۰ میں موجود ہے اور میں نے انہیں سہ ماہی "صحیفہ" لاہور جنوری ۱۹۷۳ء، ص ۱-۱۳ میں شائع کر دیا ہے۔

(۳) دیوان غنیمت:

آپ کا دیوان اشعار متعدد بار چھپا ہے، جو نسخہ پروفیسر غلام ربانی عزیز کی تصحیح سے پنجابی ادبی اکادمی لاہور والوں نے ۱۹۵۸ء میں چھپوایا ہے اس میں ۲۳۴ غزلیں، ایک نعت، دو منقبت غوثیہ اور بارہ رباعیات ہیں۔

کئی مورخوں نے دیوان کا ذکر کیا ہے۔

(۱) کلمات الشعرا میں ہے۔"دیوانی مختصر دارد"[۶۴]۔

(۲) مجمع النفائس میں ہے:"درین ولا انتخاب دیوان او نوشته می شود"[۶۵]۔

اس دیوان میں سے ایک غزل یہاں درج کی جاتی ہے۔

غزل

نگردد قطع هرگز جادهٔ عشق از دویدنها
که می بالد به خود این راه چون تاک از بریدنها

گل روی تو امشب بس که می زد آتشم دردل
کبابم شوز بلبل داشت هنگام چکیدنها

به یاد داغهای کهنه دل دارد تماشای
بود طاؤس را سیر چمن برگشته دیدنها

نسیم باغ حرفی گرمی شوق که می گوید
که گل را آتش افتادست در گوش از شنیدنها

تغافلهای صیاد ست دامی بهر گیرای
در انداز رمیدنها ست سامان رسیدنها

ز خود بردن مرا از شوخی چشم تو می آید
که موج باده باشد هوش را بال پریدنها

مبادا بخت عشاقت ز خواب ناز برخیزد
نفس بر خویش درد صبح هنگام دویدنها

به امیدی که خواهد جلوه گر شد آتشین رو
شنید ما غنیمت در گره دارد طپیدنها[۶۶]

(۴) مثنوی نیرنگ عشق:

یہ قصہ آپ نے عزیز وشاہد کی داستان عشقیہ کے متعلق نظم کیا ہے۔ مرزا عبدالعزیز والی سیالکوٹ کا بیٹا تھا۔ شاہد نامی رقاص پر عاشق ہو گیا۔ اسی نے مولانا کو یہ قصہ نظم کرنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ کہتے ہیں:

سخن گفتم به امید تمیزی　　　گهر سفتم به تکلیف عزیزی [۶۷]

اس مثنوی کے پندرہ سو اشعار ہیں۔ ۱۶۸۵ء/ ۱۰۹۶ھ میں ختم کی۔ اس شعر میں تاریخ لکھتے ہیں:

نمایان گشت تاریخ نو آیین　　　ز گلزار بهار فکر رنگین [۶۸]

اس مثنوی کے متعلق مورخین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

(۱)　کلمات الشعراء میں ہے: ''مثنوی نیز فکر کردہ'' [۶۹]۔

(۲)　ہمیشہ بہار میں ہے: ''مثنوی نیز فکر کردہ مشتمل بر داستان عشق عزیز وشاہد'' [۷۰]۔

(۳)　روضۃ القیومیہ میں ہے: ''غنیمت کنجاہی کی مثنوی بہت مشہور ہے'' [۷۱]۔

(۴)　مجمع النفائس میں ہے: ''مثنوی او کہ قصۂ شاہد وعزیز را موزوں کردہ بسیار بہ مزہ گفتہ'' [۷۲]۔

(۵)　مخزن الغرائب میں ہے: ''مثنوی قصۂ عزیز وشاہد کہ افتتاح آن این ست:

به نام شاهد نازك خيالان　　　عزيز خاطر آشفته حالان

در هند شهرت دارد"۔ [۷۳]

(۶)　نشتر عشق میں ہے: ''مثنوی نیرنگ عشق بہ احوال آن عاشق موزون ساخت'' [۷۴]۔

(۷)　سلسلۃ الاولیا میں ہے: ''مثنوی غنیمت یعنی نیرنگ عشق و دیوان غنیمت از تصانیف اوست'' [۷۵]۔

(۸)　تذکرہ حسینی میں ہے: "مثنوی متضمن عشق عزیز پسر نواب مذکور و حسن پسری رقاص شاهد نام بسیار به مزه گفته'' [۷۶]۔

(۹)　مرآۃ آفتاب نما میں ہے: ''مثنوی شاهد و عزیز یادگار اوست'' [۷۷]۔

(۱۰)　مخزن پنجاب میں ہے: ''کتاب نیرنگ عشق المشہور مثنوی غنیمت اب تک زمانہ میں مشہور ہے'' [۷۸]۔

(۱۱)　فارسی کا نیا نصاب۔ حصہ دوم میں ہے:

"تالیف مثنوی معروف وی نیرنگ عشق مقارن با همین ایام است'' [۷۹]۔

(۱۲)　آثار پارسی میں ہے: ''غنیمت کنجاہی کی ایک مثنوی نیرنگ عشق کو قبول عام نصیب ہوا'' [۸۰]۔

آغاز مثنوی:

مثنوی نیرنگ عشق اس طرح شروع ہوتی ہے:

به نام شاهد نازك خیالان
عزیز خاطر آشفته حالان

ز مهرش سینه ها جولانگه برق
دل هر ذره در جوش انا الشرق

جگر سوزی چراغ خانه او
تپش ها شوخی پروانهٔ او

دل مستان عشق خود مقامش
شکست رنگها مهتاب بامش

به شوقش لخت دل دیوانهٔ چشم
چراغان دیده شد در خانهٔ چشم

به یادش شور بلبل رنگ بسته
نمکدانها به زخم گل شکسته

بهر کس فیض مهرش یك نظر دید
ز خاکش چشمهٔ خورشید جوشید

دل مجروح عشقش را مقام است
می او را شکست شیشه جام است

برای مستی دیوانهٔ او
بود چشم بتان می خانهٔ او

نسیم بوستانش آه سرد است
گل گلزار عشقش رنگ زرد است

غبار کاروانش رنگ بهارش
سرشك خون تلاطم جو بهارش

خرد در فکر او مجنون و مدهوش
جبین از سجده اش لیلی در آغوش

به شوق او سرشك جوش الفت
به چشم اهل دل دریای رحمت

ز کنهش مانده حیران عقل و فرهنگ
بیابان در بیابان آهوی لنگ

به راهش درك دانش گام عاجز
رسیدن در نخستین گام عاجز

نشان او برون از وهم جانها
یقین کیست کاید در گمانها

دلی کز غیر او اندیشه دارد
مگس جای پری در شیشه دارد

ز ترك غیر حسنش چهره بنمود
صدای بت شکستن نام او بود

خراباتی ز جامش مست و مدهوش
مناجاتی زنامش سر بسر جوش

قبولش عاشق انجاح آمال
غنیمت دان غنیمت عرض احوال

روایی گر هوس داری به حاجات
مناجاتی، مناجاتی، مناجاتی (۸۱)

مثنوی نیرنگ کے چند نادر قلمی نسخے (۸۲):

یہاں مثنوی کے چند نادر و نایاب مخطوطات کا تعارف کرایا جاتا ہے، جو ارباب قلم کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

(۱)

مثنوی نیرنگ عشق کا یہ نسخہ خوشخط نستعلیق، عنوانات سرخ، ۶ صفر ۱۱۱۳ھ مطابق ۳۳ جولائی ۱۷۰۱ء کا لکھا ہوا۔ کاتب کا نام غلام محی الدین سنکھانوی۔ یہ مخطوطہ مجموعہ مخطوطات شیرانی پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ اس کا دستخط یہ ہے:

"بانصرام رسید نسخه نیرنگ عشق بید غلام محی الدین ولد ابو اسلم ابن ابو هاشم سنکهانوی به وقت ظهر به روز چهار شنبه ششم صفر ختم الله بالخیر والظفر سنه یك هزار و یك صد و سیزده از هجرة النبی صلی الله علیه وسلم موافق جلوس محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاه غازی سنه چهل پنجم، جمله اوراق خمسین و ثلثه۔ به مکتب منسارام چودهری به اتمام رسید"۔ مهر (عطا محمد قادری ۱۱۸۱ھ) ۱۷۶۷م۔

(۲)

نیرنگ عشق کا یہ نسخہ خوشخط نستعلیق، مذہب و مطلا ہے۔ چھوٹی تقطیع پر مجلد ہے، ۱۷۰۹ء/ ۱۱۲۱ھ کا لکھا ہوا۔ کاتب کا نام محمد یار نانذیزی ہے۔ یہ مخطوطہ شہر بیجاپور ہندوستان میں درگاہ خواجہ امین کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کا دستخط یہ ہے:

"تمت تمام شد کار من نظام شد، کتاب نیرنگ عشق من تصنیف مولوی مغفوری مولانا غنیمت ساکن شاه جهان آباد به خط فقیر حقیر عاجز خاکسار محمد یار درماه رجب المرجب به تاریخ چهارم۔ سنه چهارم جلوس والا۔ در عهد خدیو زمین و زمان شاه عالم بهادر شاه غازی در قصبه نا نذیز فننه انگریز که بالای ملك دکن واقع ست"۔

سن ۴ جلوس بہادر شاہ کے مطابق ۱۱۲۱ھ تھا۔

(۳)

نیرنگ عشق کا یہ نسخہ خوشخط نستعلیق، ۱۷۲۳ء/۱۱۳۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ کاتب کا نام درج نہیں۔ موضع وڈالہ سندھواں ضلع سیالکوٹ میں مولانا منظور حسین صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کا دستخط یہ ہے:

''به اتمام رسید نسخه متبرکه حسن مطلوب و آشوب عاشق المسمی به نیرنگ عشق من نغمه سرایی بزم تازه سرایی محمد اکرم کنجاهی المتخلص به غنیمت۔ فی یوم سه شنبه۔ وقت نماز ظهر۔ شش ربیع الثانی ۵ محمد شاهی۔ تم تم ثم''۔

سن ۵ محمد شاہی کے مطابق ۱۱۳۵ھ تھا۔ تاریخ کتابت کے موافق عیسوی تاریخ ۱۴ جنوری ۱۷۲۳ء تھی۔

(۴)

نیرنگ عشق کا یہ نسخہ خوشخط نستعلیق، ۱۸۰۸ء/۱۲۲۳ھ کا لکھا ہوا ہے۔ کاتب کا نام میاں اللہ جوایا شوق ساکن چک سادہ، ضلع گجرات ہے۔ یہ مخطوطہ محترم دوست جناب مولانا قریشی احمد حسین صاحب قلعہ داری ایم-اے پروفیسر زمیندار کالج گجرات کے کتب خانہ میں موجود ہے اس کا دستخط یہ ہے:

''الحمد لله که به اتمام رسید کتاب موسوم به نیرنگ عشق تصنیف مولانای محمد اکرم کنجاهی تخلص غنیمت، به دست خط احقر العباد الله جوایا در یوم دو شنبه به وقت ظهر ۱۲۲۳ھ، این کتاب در ملک میان صاحب است''۔

(۵)

نیرنگ عشق کا یہ نسخہ خوشخط نستعلیق، تقطیع متوسط، ۱۸۴۰ء/ ۱۲۵۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔ کاتب کا نام حکیم غلام حسین کھوکھر ہے۔ یہ مخطوطہ مولانا منظور حسین صاحب کے کتب خانہ میں بمقام وڈالہ سندھواں۔ ضلع سیالکوٹ میں موجود ہے۔ مولانا صاحب کاتب کی اولاد سے ہیں۔ اس کا دستخط یہ ہے:

''نسخه کتاب نیرنگ عشق المشهور به مثنوی غنیمت کنجاهی تغمده الله به رحمته از دست حکیم غلام حسین بن میان عبدالرحمن خلدی غفرالله لهما۔ در قصبه وڈاله سندهوان ضلع

سیالکوٹ در ۱۲۵۶ھ حسن ترقیم یافت"۔

انتباہ: حکیم غلام حسین نے کتاب لکھ کر اس پر دستخط نہیں کیا تھا۔ ان کے بیٹے مولوی محمد الدین صاحب نے ان کی بجائے دستخط کیا اور بعد میں یہ عبارت لکھی۔

"این سہ سطر از قلم خاکسار محمد دین بن کاتب نسخۂ ھذا در ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵م) تحریر کردہ شد۔ مالک الکتاب تاریخ العشق و فسون العشق (۸۳)۔ محمد الدین ابن غلام حسین من مقام الوڈالہ تحصیل اکثر العیش (۸۴) و ضلع شتاء (۸۵) الحصار، و اذایدعی فی الشرع الشریف کاذب"۔

کاتب کے والد صاحب مولانا عبدالرحمٰن خلدی رحمۃ اللہ علیہ عالم، فاضل، شاعر، ادیب اور صوفی تھے۔ جو کتاب نظم کی نقل کرتے۔ اُسی بحر پر اُس کے ابتدا میں ایک نظم لکھ دیا کرتے۔ چنانچہ اس نسخہ مسطورہ پر مولانا خلدی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی ابتدائے کتاب میں درج کیا گیا ہے۔ مثلاً نیرنگ عشق کے ابتدا میں لکھتے ہیں:

"غازہ پردازی رخسار شاھد از ریختن سخن در مقام توحید"

به نام شمع بزم مه جمالان ... کتان ساز دل پروانه حالان
زنور عشق آن مصباح هر جمع ... دل پروانه در جوش انا الشمع
جگر چاکی گلی از گلشن او ... فغانها عندلیب گلبن او
به شوقش دل به قصد طارم چشم ... سویدا جا طلب از سردم چشم
دل صد شاخ کنگر دار بامش ... هوسها وسعت صحن خرامش
به یادش شور بلبل آن اثر یافت ... که گل کان نمك زخم جگر یافت
به هر کس غنچۂ لطفش بخندید ... چو خلدی محو باغ خلد گردید

اس کے بعد خلدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کتاب کے عنوانات (سرخیاں) ایسے لکھے ہیں جن میں قافیہ بندی کی رعایت ملحوظ رکھی ہے۔ یہ سرخیاں نیرنگ عشق کے مطبوعہ نسخوں سے الگ ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ سرخیاں مولانا غنیمت کی قائم کردہ ہوں اور چھپوانے والوں نے طوالت کے خوف سے خارج کر دی ہوں، یا خلدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی طرف سے شامل کر دی ہوں۔ اول سے آخر تک اٹھائیس سرخیاں ہیں۔ جو یہاں درج کی جاتی ہیں۔

(ا) گلگونہ سازی چهره نیرنگ عشق از خون دل خوردن در عرصہ تفرد از تقلید:

به نام شاهد نازك خیالان ... عزیز خاطر آشفته حالان

(۲) نالۂ چند در خواهش دل درد مند بر آستان قاضی الحاجات و نغمات دل پسند در ظلمت مقاصد ارجمند به طریق عرض مناجات۔

الـهـی از غـمـت خـون در جگـر کـن
سـرشك آبـاد چشم آبـاد تـر کـن

(۳) سخن را به معراج کمال رسانیدن به دستیاری نعت رسول ﷺ سید عالم و معنی را سر از عرض گذرانیدن به پایمردی عرض حال خود در جناب اقدس صلی الله علیه وآله وسلم:

جبینم سجده مشتاقی جنابی کـزو هـر ذره گـردد آفتـابـی

(۴) کام بخشیدن ناطقه بادای مناقب محبوب سبحانی عم بره و ممنون ساختن سامع بستای مراتب شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرهٗ۔

غـنیـمـت ای غلام غوث اعظم فـدای نـام پـاك قـطـب عـالـم

(۵) دستگیری قلم به منقبت طرازی سید روشن ضمیر۔ بیت بیت داستان را زیارتخانۂ معنی گردانیدن ببردن نام پیر:

الا ای سـر بـه پیـش افگـندۂ خویـش
حـریف نـفـس خـویـش و بـندۂ خـویـش

(۶) راه بردن فکر در بارگاه ثنا گستری عظمت و جلال بادشاهی و نذر گذرانیدن گوهر مدائح درپیشگاه دولت و اقبال حضرت ظل الٰهی:

بیـا ای خـامـه گـهرداری زبـانـی بـه مـدح شـاه سـر کـن داستـانـی

(۷) عشقبازی به تمهید مقدمۂ معشوق پرستی در طریق نیاز و ترغیب شاهد گزینی به امید پی بردن در کوچه حقیقت از راه مجاز:

الا ای نـو نیـاز فتنـه در کـار شهیـد عـرصـۂ بـی رحـمی یـار

(۸) شکار مضامین برجسته در حکایت آهو به طریق تمثیل و راه بردن مجنون به کوچۂ لیلی حقیقت پرهیزی دلیل:

شنیدستم که صیادی هوس جوش بـه رنگ زلف لیـلـی دام بـردوش

(۹) جلوه گری شاهد از خطه دل نشین پنجاب پر عشوه و ناز و بر آمدن آن عزیز

دلها به طایفه بهگت پیشه به نیرنگ چرخ شعبده باز:

ندیدم کشوری غارت گر تاب به خوبی های حسن آباد پنجاب

(۱۰) رسیدن خبر شاهد به سامع آشوبی گوش عزیز پسر حاکم شهر و بی خود گردیدن آن شاهد پرست پیش از دیدن آن فتنهٔ دهر:

شبی از چشم آهو آفریده ز شوخی بررخ عالم دویده

(۱۱) در آمدن محتسب به کوچهٔ تعذیر شاهد و بر آمد او از شهر بند عقل و تمیز و اخراج آن تاراج دلها از شهر به موجب شکوه قاضی و باز آمدنش به التماس عزیز:

دران وادی که آن طاقت شکار است
ادب نا آشنایان را چه کار است

(۱۲) شعله خرامی شاهد فتنه جولان به گرم سازی هنگامهٔ رقص و خرمن سوزی عزیز درد سامان برق تازی عشق بی نقص:

شب دیگر که در هر دشت و بر زن
چراغ ماه را کردند روشن

(۱۳) تکرار جلوهٔ معشوق بر عاشق و شنیدن کلامی که انفاس چاره سازی است۔ و سوختن رقیب ازین غیرت که آن شعله گرم خاکستر نوازی است:

دمی صبحی که این مهر جهان سوز
فلك را گشت داغ سینه افروز

(۱۴) توبه کردن شاهد از صحبت آن طایفه ناموس بر انداز و در پیوستن آن دلنواز به آن نو نیاز جان گداز یعنی عزیز پاکباز:

بیا ای طالع بیدار دریاب که دارد فتنهٔ عالم سر خواب

(۱۵) آوردن عزیز نقد و جنس بردن نذر پیش دلبر و خلوت خانه آراستن بر ای آن غارتگر:

عزیز آن انتخاب سینه ریشان جواب مصرعهٔ زلف پریشان

(۱۶) گفتن زبان بریده راز عشق پسر به پدرش و اخراج شاهد فرخنده کیش و رفتن عاشق دلریش بیان معشوق و پشیمان گردیدن پدر از کردهٔ خویش:

سـر بـازار رسـوایـی پسـنـدان خـراش آبـاد زخـم درد مـنـدان

(۱۷) قـاصد فرستادن پدر عزیز پیش شاهد و پیغام کردن که جای شما خالی است و اقبال مراجعت آن هر دو دل از دست رفته به شرم تعرض جواب عشق لا اُبالی است:

بیـا احـوال آن یـعـقـوب بشـنـو حـدیـث دوری مـطـلوب بشنو

(۱۸) قسم نـامـه فـرستادن پدر عـزیز و نوشتن که چشم شوق راه بین است و باز گردیدن آن هر دو محبت از جا برده به رسیدن آن سوگند که هم چنین است:

چـنـین گـویـنـد کـان پیر جوان بخت

طـراز مسند و هـم شـوکـت بخت

(۱۹) خـوانـدن عـزیـز شـاهـد را بـه مـکـتـب نشینی و ترغیب او به کسب کمال و عشق ورزیدن او به تحصیل علم و بهره یابی از حسن معنوی به قدر حال:

بـه مـکـتـب مـی رود طفل پریـزاد مبـارك بـاد مـرگ نـو بـه استـاد

(۲۰) رخـصـت خـواستـن شـاهـد از عـزیز به هوای داری سیر وطن و از خود رفتن عاشق دنبال آن سفر گزین به رهنمایی شوق سینه مسکن:

نـدارد عـاشـق آن طـالـع نـدارد کـه یك دم بـر مـراد دل بـرآرد

(۲۱) رفتن آن از خـود رفتـه بـه دیـار شـاهـد بـه لباس قاصد نامه در دست در شب تاریك وبه خلوت خواندن معشوق او را بعد شناختن به چراغ افروزی فکر باریك:

عـزیـزی دوش بـا مـن نقل می کرد

که هـجـران گـرد از عـاشق بر آورد

(۲۲) رخـصـت کردن شاهد آن قاصد خبر خود را به ملا افشانی راز پنهانی و گفتن به قاصد که من جواب خواهم شد این سمت جواب زبانی:

شـنـیـدم قـاصـد فرخـنـده پیغـام بـه حـکـم مصلحت شد رخصت انجام

(۲۳) شـکـار گـردیـدن شـاهـد به صید گاه در عشق دهقان دختری و شب در دهش گذرانیدن و شبخون زدن افاغنه بران ده و او را در زمرهٔ عوام اسیر کردن:

ز آبـادی رمـی صـحـرا نـوردی

چـنـین بـی خویشتن فریاد کـردی

(۲۴) صفحه کاغذ را عرصهٔ جگ عزیز کردن باغنیم پرستیز عاقبت گریز و بعد فتح در یك زندان یافتن شاهد را با آن نو معشوقهٔ دلاویز حیرت انگیز۔

عزیز آن صید ناوك خوردهٔ عشق
به زلفی در کمند آوردهٔ عشق

(۲۵) رفتن زالی بفرمودهٔ شاهد به خانه دختر وفا نام به انگیز بهانه و بر آوردن آن وفا را به اظهار پیغام عزیزی نو گرفتار از خانه:

نوا سنجی که هم بزم است با من
چنین کرد است شمع قصه روشن

(۲۶) زال مکر عیال به شاهد فرخنده فال خبر داد که مطلوب خاطر به کام دل برآمد و شاهد بهانه از پیش عاشق به در زد که مدت عشقبازی به سر آمد:

چو شد آن قوم را صبح دل افروز
نمك پاش جراحتهای جان سوز

(۲۷) آشکار گردیدن این خبر هوش ربای به عزیز که معشوق در نظر های پنهانی است و توجه آن دل بر گرفته از شاهد به معشوق حقیقی که عاقبت آن درد را این درمانی است:

سگویید این خبر با عاشق زار — که رفت آن بی وفای عاشق آزار

(۲۸) ختم کلام به داستان خاتم نیکو سر انجام فرخنده انجام و به دعا خواستن شوق جناب خاتم علیه افضل الصلواة والسلام:

چو من این گوهر سیراب سفتم — شنیدن را مبارك باد گفتم

(۲۹) *مطبوعہ نسخۂ نیرنگ عشق میں دو عنوان زیادہ ہیں جو مذکورہ قلمی نسخہ میں نہیں۔ عنوان نمبر ۲۰ کے بعد:*

(۱) بیان حالت مکتب در دوری شاهد۔

ز مکتب چون شدی آن سرو آزاد — به روی خویش می زد سیلی استاد

(۲) رفتن مولانا غنیمت برای سیر مکتب خانه شاهد۔

شنیدم دوش از طرز آشنایی — که از مکتب نکوتر نیست جایی

(۶)

نیرنگ عشق کا یہ نسخہ خوشخط، نستعلیق، ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء کا لکھا ہوا۔ کاتب کا نام لالہ شولال مخشی، کا نام مولانا مقبول احمد گوپاموی۔ تصحیح اور نظر ثانی کرنے والے کا نام میر فرخندہ علی موہانی ہے۔ یہ مخطوطہ، مجموعۂ مخطوطات شیرانی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ اس کا نمبر ۱۰۸ ہے۔ اس کا دستخط یہ ہے:

"تمت تمام شد، کار متن نظام شد۔ این نسخه دقیقه مثنوی مولانا مولوی محمد اکرم متخلص به غنیمت قدس سره العزیز۔ در بیان قصه شاهد و عزیز که در چستی عبارت و نزاکت معانی به آب و تاب گوهر مطالب گرد کلفت از خواطر ناظرین شسته به تحشی اقل الخلیفة بل لا شئی فی الحقیقة مقبول احمد گوپاموی و تصحیح و مقابله به مشارك ماهر علوم عقلی و نقلی میر فوخنده علی موهانی و کتابت لاله شو لال در ماه ذیقعده ۱۲۵۹ھ یك هزار و دو صد و پنجاه و نه هجری در مطبع حسنی به اختتام رسید"۔

قطعہ تاریخ:

شاهد قصۂ رنگین عزیز یافت از طبع دگر گونه جلا

۱۲۵۹ھ

گفت مقبول ز روی بهجت نظم مطبوع و عزیز دلها

لفظ مطبع حسنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نسخہ اس سال میں طبع ہوا ہوگا اور یہ نقل اس مطبوعہ نسخہ سے لی گئی ہوگی۔

اردو ترجمہ نیرنگ عشق:

منشی کامتا پرشاد المتخلص بہ نادان نے مثنوی نیرنگ عشق کا اردو میں ترجمہ نظم کیا ہے، جس کا نام بہارستان نادان رکھا ہے۔ ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء میں مطبع نولکشور میں چھپا۔ اس کے صفحات ستر۔ ہر صفحہ میں پچیس سطریں اور ہر سطر میں دو اشعار تحریر ہیں۔ اس کا مطلع یہ ہے:

عزیز شاہد اہل نظر ہے جدھر دیکھا وہی وہ جلوہ گر ہے

پنجابی ترجمہ نیرنگ عشق:

میاں محمد بخش قادری مقیم شاہی ساکن کھڑی شریف (متوفی ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء) نے جو قصہ سیف

السلوک کے مصنف ہیں۔ مثنوی نیرنگ عشق کا پنجابی میں ترجمہ نظم کیا ہے جو ابھی تک طبع نہیں ہوا(۸۶)۔

شروح نیرنگ عشق(۸۷):

مدت تک یہ مثنوی درسوں میں متداول رہی۔ اس پر طلبا کی سہولت کے لئے حواشی لکھے گئے اور کئی علما نے اس کی شرحیں لکھیں۔ ازانجملہ:

(۱)

مولانا حافظ احمد علی خاں شوق ساکن ریاست رام پور نے کتاب تذکرۂ کاملان رام پور میں لکھا ہے کہ مولانا غیاث الدین رام پوری رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۲ء۔ مصنف کتاب غیاث اللغات نے مثنوی نیرنگ عشق کی بڑی عمدہ شرح لکھی ہے۔ جو فارسی زبان میں ہے۔

(۲)

مولانا دوست محمد صاحب نے اپنے بیٹے مولوی غلام محمد حسن کی فرمائش پر مثنوی نیرنگ عشق کی یہ شرح فارسی زبان میں لکھی۔ غرہ ذی الحجہ ۱۱۹۴ھ (۲۸ نومبر ۱۷۸۰ء) کو شروع کی اور عید الاضحیٰ کے روز ختم کر دی۔ یعنی دس دنوں میں پوری شرح تصنیف کی۔ اس کا ایک خطی نسخہ (نمبر ۷۵۳) مجموعۂ مخطوطات شیرانی پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ اس کا دیباچہ اور سبب تصنیف کی چند سطور یہاں لکھی جاتی ہیں:

"ستایش و نیایش شاهدی که بر شاهدی آن شاهدان عالم شاهد صادق اند- عزیزی که بر عزیزی او عزیزان جهان گواه ناطق"- الی آخره-

اما بعد! می گوید فقیر حقیر پرتقصیر اضعف عباد الله الصمد دوست محمد که اقتضای محبان کیش و مخلصان وفا اندیش که شب و روز هنگامه موافقت گرم می داشتند، علی الخصوص فرزند ارجمند سعادت مند کامگار، جگر پند برخوردار غلام محمد حسن اطال الله عمره که در هر اقوال و افعال احسن و حفظ رضایش بهر گونه به همه حال مستحسن در حینی که این کم فهم از تشریح قصائد دیوان شافی فراغ یافت بر آمد که شرحی بر چند ورقی در حل لغات و اصطلاحات و تراکیب ابیات کتاب نیرنگ

نامه عشق که مشهور به مثنوی غنیمت عرف محمد اکرم است بر نگارد۔ تا مبتدیان نو آموز اهل جهان دقایق اندوز را به کار آید و در زمان مفارقت یادگاری باشد۔ از آنجا که این کم فهم هیچمدان در آن ایام از تصادر فکر معاش و تضادم تدریس طلبه علوم از فروع و اصول و معقول و منقول و علوم عربیه قدری فراغت نموده که به فراغ بال چند به مطالعه این کتاب پر لباب متعلقه که به اسعان نظر متعاقسان و متوالیان افاده معنی جدید می کند به تعمق نظر به مدعای ابیات متعلقه وسوسه و تقریران و تحریرانش می پرداخت۔ بیان حسن عبارات و احسن استعارات هم نمی داشت که تصنیفش به بزم کنه رسان سخن موجب تحسین بالیقین به مجلس دقیقه سنجان دوربین واسطه آفرین گردد و بیت لعل می انداخت۔ چون مدعای مقتضای شان دراز کشیده آیت کریمه "و اما السائل فلا تنهر" به تشدید نظر گردانیده ظاهر ساختند که سر انجام انجام این سهام معروض به موجب بواب و استرضای احباب و زمان استقبال را یادگار است۔ ناچار به ملاحظه آیت کریمه و پاس خاطر عزیزان به وقت صبح یوم شنبه که مبدای دنیا و ایجاد است غره ذی حجه ۱۱۹٤ یك هزار و یك صد و نود و چهار هجریه مقدسه مکرمه صلی الله علیه وسلم ابتدای تحریر نموده شد۔ به فضل او جل شانه به روز عید الاضحیٰ فی تاریخ دهم شهر و همین سنه مذکور اتمام یافت"۔

جوابات نیرنگ عشق:

دنیا میں جس قدر اکابر شعراء گزرے ہیں، ان کا علمی مقابلہ کرنے کے واسطے کئی اہل فن کوشش کرتے رہے ہیں۔ مقصد کے لحاظ سے وہ دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

(۱)　پہلا گروہ وہ ہے جو ان کے اتباع کے شوق سے اس طرح کی کتابیں لکھتا ہے۔

(۲)　دوسرا گروہ مقابلہ کے لئے لکھتا ہے تا کہ اپنی علمی برتری ثابت کرے۔

مولانا غنیمت بھی ایسے لوگوں سے بچ نہیں سکے۔ کئی شاعروں نے مثنوی نیرنگ عشق کے جوابات نظم کیے۔ سب کا احصا تو نہیں ہو سکتا۔ ان میں سے جو میری نظر سے گزرے ہیں' یہ ہیں۔

(۱)

مثنوی دستور ہمت فارسی[۸۸]:

(قصہ کامروپ وکام لتاں) مصنفہ میر محمد مراد لایق۔ شاعر دربار نواب ہمت خاں۔ عہد اورنگ زیب عالمگیر غازی۔ سال تصنیف ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء۔ ''دستور ہمت'' تاریخی نام ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے:

خداوندا بہ فکرم تازہ جان کن	بحمد خویش اول تر زبان کن
کرامت کن بہ لطف خود زبانم	کہ من بسیار ژولیدہ بیانم

(۲)

مثنوی شمع محافل فارسی[۸۹]:

(قصہ مرزا و صاحبہ) مصنفہ میر محمد عطا حسین خاں المتخلص بہ تحسین۔ یہ محمد شاہی عہد کی تصنیف ہے۔ مصنف کے مرشد کا نام محمد اکرم ہے۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں لکھا ہے:

زھی محبوب حق محبوب عالم	کہ در نامش نشان اسم اعظم

(۳)

مثنوی ارژنگ عشق فارسی[۹۰]:

(قصہ سوہنی و مہینوال) مصنفہ شیخ عطا محمد زیرک بن حکیم عبدالرحیم کلانوری رحمۃ اللہ علیہ تصنیف ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۶۰ء۔ اس کا مطلع یہ ہے:

بہ نام مطلب باریک بینان	ز آب دیدہ ھا دریا نشینان
پسندید آن کہ بھر زخم بلبل	شکر در دامن خندیدن گل

(۴)

مثنوی فارسی[۹۱] (قصہ بائی و امیر خان):

مصنفہ مولوی محمد حسن المتخلص بہ مسکین ساکن سابور ضلع گجرات خلف الرشید مولوی عبدالرسول بن مولوی غلام قادر جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ کا مطلع یہ ہے:

سر نامہ بہ نام آن یگانہ　　　کہ بیرون است از حد و کرانہ
گرامی نام او نامی بہ ہرجا　　　دو حرفش ہر دو عالم راست ماوا

(۵)

مثنوی خرابات جنون فارسی[۹۲]:

مصنفہ مولانا غلام قادر گرامی متوفی ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۶ء۔ یہ خلیفہ محمد ابراہیم انصاری نوشاہی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ اس کا مطلع یہ ہے:

بیا ساقی بیا ای صبح امید　　　امید نیم خند فقتہ تمہید
گرفتم بادہ ہا خوردی گزک گیر　　　گزک حاضر و لیکن در نمک گیر

(۶)

مثنوی تفنگ عشق فارسی[۹۳]:

(قصہ مرزا و صاحبہ) مصنفہ مولوی حکیم عبدالحق المتخلص بہ عبد چشتی نظامی متوفی ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء ساکن ہرلانوالی۔ مدفون ہرچوکے۔ ضلع گوجرانوالہ۔ اس کا مطلع یہ ہے:

بہ نام آن کہ نامش جان نواز است　　　بہ انعام و کرم بس چارہ ساز است
رحیم و خالق وحی و قدیم است　　　قیوم و مالک الملک و کریم است

(۷)

مثنوی آہنگ عشق فارسی[۹۴]:

(قصہ بلال حبشیؓ) مصنفہ مولانا ضیاء محمد صاحب ضیاء ساکن چوہا ہل، ضلع گجرات، حال اورینٹل ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول پسرور، ضلع سیالکوٹ، سال تصنیف ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء۔ اس کا مطلع یہ ہے:

بہ نام آن کہ نامش دلنواز است　　　چراغ محفل ناز و نیاز است
ز عشقش شورش خون جگر ہا　　　ز تاب حسن او تاب نظر ہا

(۸)

مثنوی فرہنگ عشق فارسی:

(قصہ بلال حبشیؓ) مصنفہ مولانا قریشی احمد حسین صاحب احمد قلعہ داری۔ ایم اے عربی، ایم اے

فارسی، ایم اے اردو، پروفیسر زمیندار کالج گجرات، سال تصنیف ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء۔ اس کا مطلع یہ ہے:

در توفیق بکشا یا الهی　　سوی درگاه خود ده رهنمایی
مرا لطف و مذاق آدمی ده　　متاع شوق سر افگندگی ده

مولانا غنیمت کی اردو شاعری:

حافظ محمود شیرانی صاحب کی کتاب (پنجاب میں اردو) ص ۴۱۷ پر لکھا ہے:

"مولانا غنیمت کنجاہی متوفی ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء یا ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء۔ صرف فارسی کے شاعر اور ناثر مشہور ہیں۔ ان کی مثنوی نیرنگ عشق، دیوان غنیمت اور انشائے غنیمت مشہور ہے۔ مگر یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مولانا پنجابی اور اردو میں بھی شوق فرمایا کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ ان کا اردو و پنجابی کلام زمانہ کی دستبرد سے ضائع ہو چکا ہے۔ صرف ایک فارسی رباعی محفوظ ہے۔ جس میں مولانا نے دو اردو جملے بھی استعمال کیے ہیں۔ وہ رباعی ایک قلمی بیاض (۹۵) سے نقل کرتا ہوں:

جو گئے درد دل به گلبدنان　　رنگ او همچو رنگ نافرمان
گفتمش تیرا یار لاله هے　　گفت با داغ دل که بابونان (۹۶)

مولانا غنیمت کے بارے میں بعض مورخین کی لغزشیں:

(۱)

مولوی عطا محمد صاحب مخزن التواریخ میں مولانا غنیمت کے والد کا نام محمد افضل بتاتے اور اپنے بزرگان قدیم کی ان سے رشتہ داری بتاتے ہیں۔ لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں دیتے۔ ان کا یہ بیان غنیمت کے بھتیجے علامہ صداقت کے پیش نظر قابل اعتماد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان کی عبارت سے مولانا کے والد کا نام شیخ نظر محمد ثابت ہوتا ہے۔

(۲)

سید حسام الدین راشدی، تذکرہ شعرائے کشمیر: ص ۱۰۱۱ (شائع کردہ اقبال اکادمی کراچی ۱۹۵۸ء) میں لکھتے ہیں:

"۱۷۲۔ غنیمت کشمیری، روز روشن۔ غنیمت کشمیری متصف به شیرین گفتاری و خوش تقریری است:

طاقت باخته آمادهٔ جنگ است اینجا　　ناخن ریخته هم دست پلنگ است اینجا۔ الخ"

یہ پوری غزل دیوان غنیمت میں موجود ہے، راشدی صاحب نے بلا تحقیق غنیمت کنجاہی کو غنیمت کشمیری لکھ دیا ہے۔

شاہد کا تعارف:

مثنوی نیرنگ عشق میں قصہ شاہد وعزیز بیان ہوا۔ اس لئے ان کا مختصر تعارف بھی ضروری ہے۔

قصبہ کنجاہ ضلع گجرات کے پاس موضع ماجرا ایک گاؤں ہے، وہاں ایک فقیر حرم علی نام رہتا تھا۔ اس کے گھر بیٹا پیدا ہوا جس کا نام شاہد رکھا گیا۔ شاہ حرم علی کا مزار آج بھی موضع چک چودھو عرف نک وڈھی سے شمال کی طرف موجود ہے، اس فقیر کی تعریف میں مولانا غنیمت لکھتے ہیں:

درین کشور کہ پنجابش بود نام　　　فقیری بود بس نیکو سر انجام

بہ دامان قناعت سر کشیدہ　　　زیارت گاہ دلہای رسیدہ

مولانا کے اس شعر میں شاہد کے مسکن کی طرف اشارہ ہے:

اسیرم کرد کافر ماجرایی　　　رھایی یا نبی اللہ رھایی

میرے محترم دوست مولانا احمد حسین صاحب احمد قریشی قلعہ داری ایم-اے، پروفیسر زمیندار کالج کے کتب خانہ میں مثنوی نیرنگ عشق کا ایک قلمی نسخہ میاں اللہ جوایا شوق کے قلم کا لکھا ہوا موجود ہے، جو ۱۸۰۸ء/ ۱۲۲۳ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے حاشیہ پر یہ عبارت درج ہے۔ جس سے شاہد کے متعلق کچھ وضاحت ہوتی ہے:

"شاھد در ماجرہ کہ دیھی است نیم کروہ از کنجاہ بہ طرف جنوب متولد شد۔ و مطربان گجرات آن را از مادر او بہ قمیت گرفتہ و او را از فن خود بہ ھمہ فنون تعلیم نمودند۔ چون در فن کامل شد، باو قدم خود بہ تماشا کردن بیرون از شھر خود نہادند۔ رفتہ رفتہ در موضع اکوڑہ کہ متصل پشاور است رسیدند و در آنجا عزیز پسر نواب مکرم خان کہ حاکم آنجا بود شاھد را گرفت"۔

شاہد موضع ماجرا میں پیدا ہوا۔ جو کنجاہ سے آدھا کوس جنوب کی طرف ہے۔ گجرات کے بھانڈ (نقال) اس کی والدہ کو قیمت دے کر اس کو لے گئے اور اپنا پیشہ تمام فنون (راگ رنگ رقص وغیرہ) سمیت اس کو سکھایا جب وہ اپنے کسب میں کامل ہوگیا، تو تماشا کرنے کے واسطے شہر سے باہر چلے گئے۔ چلتے چلتے موضع اکوڑہ میں پہنچے جو پشاور کے متصل ہے۔ وہاں نواب مکرم خاں کے بیٹے عزیز نے شاہد کو اپنے پاس رکھ لیا۔

شاہد کی قبر کے متعلق بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ ماجرا کے پاس ہے۔ لیکن ہمارے دیکھنے میں نہیں آئی۔

عزیز کا تعارف:

عزیز، غنیمت کا دوست اور تذکرہ نویسوں کے مطابق نواب مکرم خاں کا بیٹا تھا۔ چنانچہ میر حسین دوست تذکرہ حسینی ص ۱۹۹ میں لکھتے ہیں۔

"در عہد عالمگیر بادشاه به خدمت نواب مکرم خان پسر می برده و مثنوی متضمن عشق عزیز پسر نواب مذکور و حسن پسری رقاص شاهد نام بسیار به مزه گفته"(۹۷)۔

(مولانا غنیمت) اورنگ زیب بادشاہ کے زمانہ میں نواب مکرم خان کی خدمت میں وقت گزارتے تھے۔ اور عزیز پسر نواب مذکور کے عشق کی کہانی اور شاہد رقاص کے حسن کا تذکرہ مثنوی میں خوب کیا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عزیز، نواب مکرم خاں کا بیٹا تھا۔ مشہور بھی یہی ہے مگر کتاب مآثر الامراء مصنفہ شاہنواز خاں ص ۶۴۵ سے ثابت ہوتا ہے کہ نواب مکرم خاں لاولد تھے اور ایک شخص عبیداللہ خاں نامی کو اپنا متبنیٰ بنایا تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے:

"(نواب مکرم خان) لاولد بود۔ عبیدالله خان نامی متبنای او مشهور است"(۹۸)۔

جب ثابت ہو چکا کہ نواب مکرم خاں لاولد تھے تو عزیز کی ان سے ولدیت صحیح ثابت نہ ہوئی۔ اب اس کے متعلق دوسری روایت یہ ہے۔

عشق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ عشق میں لکھتے ہیں۔

"میرزا عبدالعزیز خلف والی سیالکوت به محبت امرد پسری رقاص دل از دست داده به مرتبه فریفتۂ جمال او گردیده که انگشت نمای خاص و عام شد۔ غنیمت که به خدمت وی حاضر بود۔ مثنوی نیرنگ به احوال آن عاشق موزون ساخت"(۹۹)۔

حاکم سیالکوٹ کا فرزند مرزا عبدالعزیز، ایک امرد لڑکے رقاص کی محبت میں دل ہاتھ سے دے بیٹھا۔ اور اس حد تک اس کے جمال پر فریفتہ ہوا کہ خاص و عام میں مشہور ہو گیا۔ غنیمت جو کہ اس کے پاس رہتا تھا۔ اس نے اس عاشق کے احوال میں مثنوی نیرنگ عشق نظم کر دی۔

مولانا شفیق اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ گل رعنا میں جو ۱۱۸۱ھ کی تصنیف ہے، لکھا ہے کہ میرزا

عبدالعزیز، میرزا ارتق بیگ فوجدار سیالکوٹ کا بیٹا تھا[۱۰۰]۔

اولاد:

مولانا غنیمت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آپ کے کتنے بیٹے اور کیا نام تھے۔ مولانا صالح کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۸۹ء/ ۱۳۰۷ھ نے کتاب سلسلۃ الاولیا میں آپ کے ایک پوتے مولانا شیخ احمد کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"نبیرۂ او میان شیخ احمد در علم هم کامل بود که دیوان بدر چاچ از یاد تعلیم می کرد"۔ (نسخه قلمی، ص ۳۳)

آپ کا پوتا میاں شیخ احمد علم میں بہت کامل تھا۔ دیوان بدر چاچ کو اپنی یاد سے تعلیم دیتا تھا۔

شاگردان رشید:

آپ کے شاگرد تو بہت ہوں گے۔ لیکن سوائے ان دو شخصوں کے کوئی نام دریافت نہیں ہوا۔

(۱) علامہ شیخ محمد ماہ المتخلص بہ صداقت کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ برادر زادہ آنجناب۔

(۲) میرزا عبدالعزیز فرزند والی سیالکوٹ۔

واقعۂ وفات:

آپ کا دیوان مطالعہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے لمبی عمر پائی ہے۔ بڑھاپے تک پہنچے اور آپ کا قد جھک گیا تھا۔ اپنے متعلق لکھتے ہیں:

قامت خم گشته‌ام شد دست غم را ناخنی
تـا خـراشـد داغهـای حسرت عهد شباب[۱۰۱]
پیریم را همـچـنان نور جوانی در سر است
ازپـی بـزم وصـالـش شمع کـافورم هنوز[۱۰۲]

علامہ شیخ محمد ماہ صداقت لکھتے ہیں کہ مولانا غنیمت لاہور گئے ہوئے تھے۔ وہاں بیمار ہو گئے۔ میرے والد صاحب جو آپ کے چھوٹے بھائی تھے، آپ کو پالکی میں اٹھوا کر واپس کنجاہ لائے۔ راستہ میں ایک مقام پر آپ کو غشی لاحق ہوئی۔ چند ساعت بیہوش رہے۔ دیر کے بعد افاقہ ہوا تو فرمایا کہ ہم تو اپنے پیر صاحب سید صالح محمد صاحب کے حضور میں گئے تھے۔ ان کی تعریف میں ایک قصیدہ بنا کر پیش کیا ہے اور انہوں نے ایک بڑی بیش قیمت خلعت مجھے عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ اس قصیدہ کے چند اشعار آپ نے میرے والد صاحب کو سنائے۔ والد

صاحب بیان کرتے تھے کہ وہ قصیدہ جو آپ نے مدہوشی کے عالم میں بنایا، ان اشعار کا مضمون بہت اعلیٰ اور مسلسل تھا۔ کسی طرح کا کوئی سقم ان میں نہیں تھا۔ آخر آپ کنجاہ پہنچ کر واصل بحق ہو گئے (۱۰۳)۔

تاریخ وفات:

مولانا غنیمت کے سال وفات میں اختلاف ہے:

(۱) شیخ صادق علی دلاوری ایم-اے نے اورینٹل کالج میگزین لاہور بابت مئی ۱۹۴۲ء (۱۰۴) میں بحوالہ فہرست مخطوطات فارسی عجائب خانہ لنڈن ص ۷۰۰ لکھا ہے کہ ڈاکٹر ریو نے مولانا کی وفات ۱۱۰۷ھ میں لکھی ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر ریو نے مولانا کا نہیں بلکہ ان کے استاد میر محمد زمان کا یہ سال وفات لکھا ہے۔

(۲) مولانا غنیمت کے مزار پر جو کتبہ ہے اس پر ۱۱۱۰ھ لکھا ہے۔ مگر یہ کتبہ پرانا نہیں۔

(۳) پروفیسر حافظ محمود شیرانی رحمۃ اللہ علیہ "پنجاب میں اردو" میں ۱۱۱۱ھ تا ۱۱۲۴ھ لکھا ہے (۱۰۵)۔

(۴) شیخ اکرام الحق نے شعر العجم فی الہند میں ۱۱۵۸ھ لکھا ہے (۱۰۶)۔

لیکن ان سے کسی صاحب نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا کہ انہوں نے کہاں سے لیا ہے۔ مگر حال میں ایک جدید انکشاف ہوا ہے۔ جس سے سارے اختلاف مٹ گئے ہیں اور آپ کی صحیح تاریخ متعین ہو گئی ہے۔ جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ وہ یہ کہ مولانا غنیمت کی ایک نادر و نایاب خطی مثنوی دستیاب ہوئی ہے۔ جو نیرنگ عشق کے علاوہ ہے۔ یہ فرخ سیر بادشاہ کے عہد کی تصنیف ہے۔ بادشاہ کی مدح میں لکھتے ہیں۔

شہی رونق فزای شرع احمد   پناہ دین معین الدین محمد
شہی فرخ سیر فرخندہ گوہر   بقایش بخت دین را روشن اختر

اور یہ ظاہر ہے کہ فرخ سیر کا زمانہ حکومت ۱۱۲۵ھ تا ۱۱۳۱ھ ہے۔

(۵) علامہ صداقت کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ سال تصنیف ثواقب المناقب یعنی ۱۱۲۶ھ سے پہلے پہلے مولانا غنیمت وفات پا چکے تھے۔ جیسا کہ واقعہ لکھا جا چکا ہے، تو اب ثابت ہو گیا کہ سال تخت نشینی فرخ سیر میں جو پانچویں محرم ۱۱۲۵ھ کو وقوع میں آئی۔ مولانا زندہ تھے۔ اسی سال یہ مثنوی لکھی گئی اور اسی سال کے اخیر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت عیسوی سال ۱۷۱۳ء ایک ہزار سات سو تیرہ تھا۔

مدفن و تعمیر روضہ:

آپ کی قبر قصبہ کنجاہ ضلع گجرات میں گاؤں سے جنوبی طرف باغ دیوانان کے متصل غربی جانب موجود ہے۔ میں کئی بار زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں۔ ۱۳۴۲ھ میں بخشی منظور علی تھانیدار ولد غضنفر علی رہتاسی نے

آپ کے مزار پر چھوٹا سا گنبد بنوا دیا، کنجاہ کے عوام اس کو غنیمت شاہ کا مزار کہتے ہیں۔

عرس:

آپ کے مزار پر ہر سال ماہ جیٹھ کی آخری جمعرات کو عرس (میلہ) ہوتا ہے۔ گرد و نواح کے لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ زائرین کو بھنڈارہ (لنگر) ملتا ہے۔

مجاوران درگاہ:

۱۹۳۱ء/ ۱۳۵۰ھ میں جب میں نے زیارت مزار کی، اس وقت آپ کی درگاہ پر مسمیان غلام محمد، مولا داد اور رحمت مجاور تھے اور غلام محمد کے دو بیٹے برکت علی اور محمد الدین نام تھے۔

مادۂ تاریخ

"گلستان نکہت افزا" ۱۱۲۵ھ

مولانا غنیمت کے متعلق بعض شعرا کے افکار:

آپ کی مدح و توصیف میں بعض بلند خیال شاعروں نے نظمیں لکھی ہیں چند ایک ان میں سے لکھی جاتی ہیں۔

برخاک غنیمت

از نتیجۂ فکر مولانا ضیا محمد صاحب ضیا ساکن چوہال ضلع گجرات۔

شب اندیشیدم از کوتاهی خویش
دلم حیران بُد از گمراهی خویش
سحر از جان چو شد رخصت قراری
دلم می خواست زین عالم قراری
غم دور فلك يك سو نهادم
سوی خاك غنیمت رو نهادم
که تا یابم امان از شورش دهر
بیاسایم ز شور قصبه و شهر
مرا تنهایی حاصل شد درین جا
سکون دل میسر بد درین جا
درینجا چون به صد مشکل رسیدم
جنون را نشه مست خواب دیدم
ولی از خاك بی تابی عیان بود
مگر آن جان ز عالم رازدان بود
بر افشانده روا هر سو خموشی
چو حال بزم بعد از باده نوشی
چه شاعر مثل من از چشم دوران
به کنجی آمده چون گنج پنهان

سکون جسته ز دور آسمانی | نهان چون سوزش درد نهانی
فلك بوسه زند هر شب بر این خاك | که می داند که می خوابد درین خاك
بپرس از من که این خلوتگه کیست | مرا از درد خون افشاندن از چیست
سزد (کنجاه) گر سر بر فرازد | به خاك (گنجه) و (شیراز) نازد
نشانش را چه دانی قدر و قیمت | غنیمت دان غنیمت دان غنیمت
چرا از یاد وی فارغ نشینم | که از خوان کلامش لقمه چینم
الا ای محرم نیرنگی عشق | زبانت ساز خوش آهنگی عشق
به طرزت شاهد مضمون قربان | عزیز خاطر انداز فهمان
توکای سرمست صهبای الستی | دمت حسن المآب عشق و مستی
برنجانیدمت از خواب شیرین | که شد تبدیل راه و رسم دیرین
حدیث عشق و الفت گشت رسوا | بر آور سر محبت گشت رسوا
دگر افسانهٔ او تازه تر کن | محبت را بلند آوازه تر کن
تو حالا شو زخواب ناز بیدار | مرا شد بی زبانی بر سر کار
عطا کن بهره از سودای خویشم | بده کیفیت صهبای خویشم
دلم از یورش غم بد پریشان | جگر بریان شده بد سینه ریشان

ضیا را شد علاج درد پنهان
به تو بارد سحاب فضل یزدان (۱۰۷)

(۲)

برمزار غنیمت:

(از افکار مولانا محمد فاضل صاحب صابر ساکن ٹھیکریاں ضلع گجرات)

غنیمت ای که بوده ذات پاکت | برای خلقت عالم غنیمت
به بستی زین جهان چون رخت هستی | به داغ هجر قلب خلق خستی
غنیمت ای که دُرّ شعر سفتی | به آخر زیر خشت چند خفتی
بود بر تو هزاران در هزاوان | سلام و رحمت حق مثل باران

(۳)

تفوقِ غنیمت بر گرامی:

(از نتیجہ طبع مولانا محمد عالم صاحب قریشی ساکن قلعہ دار، ضلع گجرات)

مولانا غلام قادر گرامی نے مثنوی نیرنگ عشق کے جواب میں مثنوی خرابات جنون لکھی تو اس کے جواب میں مولانا محمد عالم صاحب نے یہ تین اشعار لکھے:

گرامی هست شاعر بس گرامی	گهر ناسفته سفت از طبع سامی
مگر نیرنگ را رنگ است دیگر	پی این رنگ هم نیرنگ دیگر
چو دید این نظم شخصی گفت بی باک	چه نسبت خاک را با عالم پاک

(۴)

بر مرقد غنیمت:

(از مولانا صدر، ساکن گجرات)

غنیمت ای شه ملک سخن	نگاهی بر گدای هم بی فگن
ز فیض خویش بخش او را تمیزی	که سازد شاهدش مجنون عزیزی
به چرخ شاعری چون بدر گردد	به بزم شعر گویان صدر گردد

(۵)

مولانا غنیمت کنجاہی کے مزار پر:

(از فکر بلند مولانا قریشی احمد حسین صاحب، احمد قلعہ داری نقل از (شاہین) گجرات جون ۱۹۴۵ء، ص ۱۸-۱۹)

فضاؤں میں سکوں ہے اور خاموشی سی چھائی ہے
ہوا بھی سانس یوں لیتی ہے جیسے نیند آئی ہے
حسین فطرت بھی محو خواب یاں معلوم ہوتی ہے
یہ مشت خاک پھر بھی اک جہاں معلوم ہوتی ہے
لیے بیٹھی ہے شاہد گود میں یہ سر زمیں کوئی
کہ جس کی تاب کا گوہر جہاں بھر میں نہیں کوئی

زمیں کے ذرہ ذرہ کی خموشی ہے بیاں کوئی
یہ کیفیت سناتی ہے پرانی داستان کوئی
ادب اے دل کہ رومانی فضاؤں سے یہ ظاہر ہے
کہ یاں اس خاک میں سویا ہوا اک مرد شاعر ہے
میرے شاعر جہاں سے چھپ کے تنہائی میں سوتے ہو
بہت خوش ہو تخیل کی فراوانی میں ہوتے ہو
تفکر کے میسر یاں تجھے سامان ہوتے ہیں
مضامین نو بنو آ کر تیرے مہمان ہوتے ہیں
شب تاریک میں ہوتے ہیں تارے رازداں تیرے
سناتے ہیں دلوں کی اور سنتے ہیں بیاں تیرے
تخیل موجزن تیرا ہے ان رنگین فضاؤں میں
اور اکثر شعر کہتے ہو تم ان تاروں کی چھاؤں میں
"خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں" تیری
مگر سارے جہان کے لب پہ ہے اک داستاں تیری
سخن کے زور سے دنیا میں کی تو نے جہانبانی
ہوا حاصل تجھے علم و ادب کا تخت سلطانی
تیری اس نغز گفتاری کے دنیا میں فسانے ہیں
"عزیز خاطر آشفتہ حالاں" کے ترانے ہیں
تیری نیرنگ نے تجھ کو جہاں میں زندگی بخشی
حریفوں کو تیری شہرت نے سر افگندگی بخشی
نمایاں ہے تیری سارے جہاں میں شان مخدومی
سخن کے بادشاہ گزرے ہیں گو شیرازی و رومی
پریشاں ساخت این نیرنگ تو آن پیر جامی را
نشد جز رفتنش نزدیک مجنوں ہم نظامی را

کوئی تجھ سا اگر اب بھی ملے طوطی شکر خارا
بہ انعامی دھم او را سمرقند و بخارا را
غنیمت تھی تیری ہستی تجھی پر ناز کرتے ہیں
فلک کی وسعتوں تک حوصلے پرواز کرتے ہیں
جہاں میں حسن و الفت کے فسانے عام ہیں اب بھی
میرے شاعر تیری خاطر جہاں میں کام ہیں اب بھی
ہے پھر سے منتظر کنجاہ گلوں کا کارواں نکلے
اور اس مٹی سے پھر تجھ سا کوئی جادو بیاں نکلے
تیرے شاہد کا چرچا پھر جہاں میں عام ہو جائے
تیرا اک بار پھر سارے جہاں میں نام ہو جائے
کرے ذات تقدس خود تیرے گھر کی نگہبانی
تیری تربت پہ ہو الطاف و رحمت کی فراوانی
پس از مرگ اس جہاں میں بار دیگر کون آتا ہے
مگر جوش عقیدت مجھ کو یہ باتیں سکھاتا ہے
تیری تربت پہ آ کر خواب سے تجھ کو جگاتا ہوں
شکستہ آرزوؤں کے چڑھاوے ساتھ لاتا ہوں
چنے ہیں پھول میں نے آج بستان عقیدت سے
کہ ہے تھوڑی سی الفت مجھ کو اس خاک غنیمت سے

(۶)

مرقد غنیمت:

(از محمد عبدالغنی صاحب راحت، نقل از (العزیز) ۲۴ فروری و یکم مارچ ۱۹۳۴ء، ص ۱۰)

مولانا غنیمت مرحوم کا نام محتاج تعارف نہیں ہے۔ مثنوی نیرنگ عشق سے صاحب ذوق بخوبی واقفیت رکھتے ہیں۔ فن شاعری آپ کی ہستی پر ناز کرتا ہے میں ایک دن قصبہ کنجاہ میں موجود تھا اور دیوانوں کے باغ کی برباد شدہ عمارت کو دیوانوں کی طرح دیکھ دیکھ کر متحیر ہو رہا تھا۔ انقلاب زمانہ کا منظر میری نگاہوں میں رقص کر رہا

تھا۔ کہ مجھے سامنے ایک چھوٹا سا مقبرہ باغ کی چاردیواری سے مغربی جانب نظر پڑا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ یہی تاجدار شاعری مولانا غنیمت کی آرامگاہ ہے۔ مولانا مرحوم کا نام سن کر سینما کے پردوں کی طرح میرے تخیلات نگاہوں میں پھرنے لگے۔ میرے قلب پر عجب کیفیت طاری ہوگئی اور میری زبان سے یہ اشعار جاری ہوئے۔

آ دکھاؤں میں تجھے اک مرقد اہل سخن
ہے پڑا محو تخیل اس جگہ استاد فن

اک نظر آئے گا تجھ کو سامنے اُجڑا چمن
اور پہلو میں ہے اس کے اک بنی قبر کہن

ہاں یہی ہے بس یہی وہ تربت والا تبار
جس کے دم سے گلشن شعر و سخن میں تھی بہار

ہے یہاں پر معتکف وہ تاجدار شاعری
جس کے دم سے تھا جہاں میں اک وقار شاعری

ہاں یہیں خوابیدہ ہے وہ شہسوار شاعری
کامگار شاعری وہ نامدار شاعری

جس کی نکتہ دانیوں پر شاعری کو ناز تھا
جس کی خاطر اک زمانہ گوش بر آواز تھا

جس کی شاہد ہے جہاں میں مثنوی نیرنگ عشق
مثنوی کیا دیدۂ بینا کو ہے فرہنگ عشق

اہل دل کے واسطے ہے بالیقیں وہ چنگ عشق
اہل فن اس کو کہیں گے مانی و ارژنگ عشق

کر دیا مسحور جس نے شاہ عالمگیر کو
جس نے پھر زندہ کیا تھا عشق کی تفسیر کو

(۷)

روضہ تے میلہ:

سردار پھمن سنگھ المتخلص بہ بھولا کنجاہی نے ایک اشتہار میں مولانا غنیمت کے روضہ اور میلہ کی تعریف میں تیس پنجابی دوہڑے لکھے تھے۔ جن میں سے تین یہ ہیں۔

(۱)

ہن دیناں میں روضے دا پتہ سارا کنجاہوں طرف دکھن بھاری ٹال ہے وے
کول باغ دیواناں دا خوب پختہ روضہ خاص بنیا برج نال ہے وے
سر دے نال بیری پھلدار ہے وے روضے کار نے کتیا ڈال ہے وے
مشہور شاعر غنیمت ہے وچ دنیا کچھمن سنگھ نہ جھوٹھ روال ہے وے

(۲)

میلہ ورہے دے ورہے مقرر ہویا پچھلی جیٹھ دی جو جمعرات بیلی
جھلا باورا کرے سلام آکے عاقل ہووے دانا کرامات بیلی
وجن ڈھول بھنڈارے نے کول ہوندے رنگو رنگ رنگیلڑی بات بیلی
کچھمن سنگھ سلام نوں خلق آوے ہر اک جو جگ تے ذات بیلی

(۳)

شوق شعر دا جس انسان تائیں چالی روز ہووے خدمتگار بیلی
بالے نت چراغ تے کرے جھاڑو اے پر دے نہ صدق نوں ہار بیلی
باجھوں علم شاعر روشن ہووے دنیا کرے مہر چا رب غفار بیلی
کچھمن سنگھ نہ جھوٹھ جے رتی ہرگز میری بات تے کرو اعتبار بیلی

حواشی

(۱) صداقت کنجاہی، محمد ماہ، ثواقب المناقب قلمی، ص ۱۲۵۔

(۲) سنبھلی، حسین دوست، تذکرۂ حسینی، انتشارات منشی نولکشور، ص ۲۳۰ (مرتبین)۔

(۳) عظیم آبادی، حسین قلی خان، نشتر عشق، دوشنبہ، ۱۹۸۳ء، جلد ۳، ص ۱۱۱۴ (مرتبین)۔

(۴) مولوی عبدالرشید محبوب رقم عادل گڑھی کہا کرتے تھے کہ مولانا غنیمت کے آباؤ اجداد پیشۂ خیاطی کیا کرتے تھے۔

(۵) ثواقب المناقب قلمی، ص ۱۲۵۔

(۶) ایضاً، ص ۱۷۵۔

(۷) شیخ صادق علی دلاوری ایم-اے نے اورینٹل کالج میگزین لاہور بابت مئی ۱۹۴۲ء جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ میں میرے مسودے سے لے کر غنیمت کے آباؤ اجداد کو شام سے آئے ہوئے لکھا ہے۔ لیکن میرا حوالہ نہیں دیا۔ پھر پروفیسر غلام ربانی عزیز نے دیوان غنیمت کے مقدمہ میں جو غنیمت کے حالات لکھے ہیں۔ وہ سب دلاوری صاحب کے مضمون کا اعادہ کیا ہے۔ جو انہوں نے شریف التواریخ، جلد سوم کے دوسرے حصہ سے لیا تھا اور حوالہ نہ دلاوری صاحب کا دیا، نہ میری

کتاب کا اور بلا حوالہ لکھ دیا ہے کہ مولانا کے آباؤ اجداد ملک شام سے آئے تھے۔ ایسا ہی وزیر الحسن عابدی صاحب نے فارسی کا نیا نصاب، حصہ دوم، ص ۹۲ پر یہی مضمون دوہرایا ہے اور قاآنی گائیڈ والے نے بھی کچھ لکھا ہے اور حوالہ کوئی نہیں دیا۔ اگر ان لوگوں کے پاس غنیمت کے شامی النسب ہونے کا حوالہ میرے سوا کوئی ہے تو دکھائیں کہ انہوں نے کہاں سے لیا۔

(۸) مولوی محمد عبداللہ فاضل سلیمانی مفتی کنجاہ متوفی ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۳ء نے یہ واقعہ بحوالہ تحفہ کنجاہ مصنفہ محمد جعفر کنجاہی مجھ کو بیان کیا۔

(۹) آرزو، سراج الدین علی خان، تذکرہ مجمع النفائس، بہ تصحیح مہر نور محمد خان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، جلد۲، ص ۱۱۷۲ (مرتبین)۔

(۱۰) تذکرہ نشتر عشق، ص ۱۱۱۴ (مرتبین)۔

(۱۱) شاہنواز خان، صمصام الدولہ، مرآۃ آفتاب نما، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی مرکزی لائبریری، نمبر شیرانی، ۳۳۱۸/۵۶۴۱، ص ۲۵۷پ (مرتبین)۔

(۱۲) بشیر حسین محمد، فہرست مخطوطات شیرانی، جلد دوم، ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۳۶۳ (مرتبین)۔

(۱۳) انوار الصالحین مؤلفہ پیر معصوم شاہ، سجادہ نشین چک سادہ، ضلع گجرات، ص ۱۲۔

(۱۴) غنیمت کنجاہی، مثنوی نیرنگ عشق، بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۵ (مرتبین)۔

(۱۵) ایضاً، ص ۴ (مرتبین)۔

(۱۶) انوار القادریہ، الملقب بہ ریاض النوشاہیہ، مؤلفہ حکیم غلام قادر شاہ اثر جالندھری۔

(۱۷) تذکرہ مجمع النفائس، ص ۱۱۷۲ (مرتبین)۔

(۱۸) حاشمی سندیلوی، احمد علی، تذکرہ مخزن الغرائب، بہ تصحیح محمد باقر، جلد۴، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ص ۲۲۷ (مرتبین)۔

(۱۹) تذکرہ نشتر عشق، ص ۱۱۱۴ (مرتبین)۔

(۲۰) تذکرہ مرآۃ آفتاب نما، ص ۲۵۷پ (مرتبین)۔

(۲۱) تذکرہ مجمع النفائس، ص ۱۱۷۲ (مرتبین)۔

(۲۲) تذکرہ مخزن الغرائب، ص ۲۲۷ (مرتبین)۔

(۲۳) تذکرہ نشتر عشق، ص ۱۱۱۴ (مرتبین)۔

(۲۴) تذکرہ مرآۃ آفتاب نما، ص ۲۵۷پ (مرتبین)۔

(۲۵) بیاض خطی مولانا غلام قادر شایق فاروقی نوشاہی رسولنگری، متوفی ۱۸۸۲ء/ ۱۲۹۹ھ۔

(۲۶) غنیمت کنجاہی، دیوان غنیمت، بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۱۳۶ (مرتبین)۔

(۲۷) ایضاً، ص ۲۵۵ (مرتبین)۔

(۲۸) ایضاً، ص ۱۲۵ (مرتبین)۔

(۲۹) ایضاً، ص ۲۴۱ (مرتبین)۔

(۳۰) مولانا کے ساتھ حقہ نوشی کی نسبت کرنا محتاج ثبوت ہے اور ان کی شان کے خلاف ہے۔

(۳۱) مثنوی نیرنگ عشق کی تکمیل ۱۶۶۵ء/ ۱۰۹۶ھ میں ہوئی۔ اس لئے اس کے بعد سفر دہلی کیا ہوگا۔

(۳۲) دیوان غنیمت، ص ۲۶۴ (مرتبین)۔

(۳۳) ایضاً، صص ۹۰-۹۱ (مرتبین)۔

(۳۴) تذکرہ حسینی، ص ۲۳۰ (مرتبین)۔

(۳۵) دیوان غنیمت، ص ۱۰۵ (مرتبین)۔

(۳۶) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۸ (مرتبین)۔

(۳۷) جناب عبداللہ چغتائی نے بیجا پور والا یہ نسخہ دسمبر ۱۹۴۲ء میں دیکھا۔

(۳۸) عبداللہ چغتائی، مثنوی نیرنگ عشق کا ایک مخطوطہ، اورینٹل کالج میگزین، عدد ۴، عدد مسلسل ۷۲، جلد ۱۹، اگست ۱۹۴۳ء، لاہور، ص ۵۵ (مرتبین)۔

(۳۹) ثواقب المناقب قلمی، ص ۱۲۵۔

(۴۰) اخلاص، کشن چند، تذکرہ ہمیشہ بہار، بہ تصحیح وحید قریشی، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۷۳ء، ص ۱۸۲ (مرتبین)۔

(۴۱) احسان سرہندی، خواجہ محمد، روضۃ القیومیہ، مطبوعہ سیوک سٹیم پریس، لاہور، ص ۲۵۱۔

(۴۲) تذکرہ مجمع النفائس، ص ۱۱۷۲ (مرتبین)۔

(۴۳) تذکرہ مخزن الغرائب، ص ۲۲۷ (مرتبین)۔

(۴۴) تذکرہ نشتر عشق، ص ۱۱۱۴ (مرتبین)۔

(۴۵) تذکرہ حسینی، ص ۲۳۰ (مرتبین)۔

(۴۶) یہ پوری دستاویز ششماہی علمی و ادبی جریدہ شاہین زمیندار کالج، گجرات، ۱۹۶۷ء، جلد ۴، شمارہ ۱، ص ۶۲ سے نقل کی گئی ہے۔

(۴۷) چالیس کے اعداد میں کوئی خصوصیت ہے۔ شیخ احمد تھانیسری (خلیفہ چراغ دہلی) کے مزار پر جو شخص چالیس روز جائے، اس کی مراد پوری ہوتی ہے۔ (تذکرہ اولیائے ہند، جلد ۱، ص ۱۳۷)۔

(۴۸) خواجہ محمود موئنہ دوز دہلوی ؒ سے تیزی ذہن کے واسطے لوگ پتھر اُٹھا لاتے ہیں پھر اس کے برابر شیرینی تول کر تقسیم کرتے ہیں۔ (تذکرہ اولیائے ہند، جلد ۱، ص ۵۱)۔

(۴۹) یہ تذکرہ کلمات الشعرا بہ تصحیح و ترتیب شیخ صادق علی دلاوری، ایم-اے ایلفریڈ پٹیالہ ریسرچ سکالر پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے طبع ہوا۔

(۵۰) دیوان غنیمت، ص ۲۶۴ (مرتبین)۔

(۵۱) ایضاً، ص ۳، صاحب مقالہ نے دوسرا مصرع اس طرح سے لکھا ہے:

"بود طاؤس را سیر چمن بر گشته دیدنها"

(مرتبین)

(۵۲) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۳۰ (مرتبین)۔

(۵۳) ایضاً، ص ا۔

(۵۴) مزید دیکھیے: تذکرہ مجمع النفائس، ص ۱۱۷۲ (مرتبین)۔

(۵۵) کتاب مخزن الغرائب کے ہندوستان و پاکستان میں صرف دو ہی نسخے پائے جاتے ہیں۔ ایک بانکی پور کے کتب خانہ میں۔ دوسرا لاہور۔ ذخیرہ شیرانی میں (شرافت)؛ مزید دیکھیے: تذکرہ مخزن الغرائب، بہ تصحیح محمد باقر، ج ۴، ص ۲۲۷ (مرتبین)۔

(۵۶) مزید دیکھیے: تذکرہ نشتر عشق، ص ۱۱۱۴ (مرتبین)۔

(۵۷) مزید دیکھیے: تذکرہ حسینی، مطبوعہ نولکشور، ص ۲۳۰ (مرتبین)۔

(۵۸) تذکرہ مرآۃ آفتاب نما، ص ۲۵۷پ (مرتبین)۔

(۵۹) دیوان غنیمت، صص ۱۰۴-۱۰۵ (مرتبین)۔

(۶۰) اس بیاض سے متعلق مزید اطلاعات کے لئے دیکھیے: بشیر حسین، محمد، فہرست مخطوطات شیرانی، جلد۱، ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور، مارچ ۱۹۶۸ء، ص ۹۶ (مرتبین)۔

(۶۱) جنوری ۲۰۰۸ء میں ڈاکٹر عارف نوشاہی نے یہ کتاب مقدمہ، تصحیح وتعلیقات کے ساتھ شائع کی ہے۔ مزید معلومات کے لئے دیکھیے: غنیمت کنجاہی، محمد اکرم، گلزار محبت، مرتبہ عارف نوشاہی، المیر ٹرسٹ لائبریری، مرکز تحقیق و تالیف بھمبر روڈ گجرات، جنوری ۲۰۰۸ء (مرتبین)۔

(۶۲) گلزار محبت، ص ا (مرتبین)۔

(۶۳) ایضاً، ص ا (مرتبین)۔

(۶۴) کلمات الشعرا، ص ۸۲ (مرتبین)۔

(۶۵) تذکرہ مجمع النفائس، ص ۱۱۷۲ (مرتبین)۔

(۶۶) دیوان غنیمت، صص ۳-۴ (مرتبین)۔

(۶۷) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۵۴ (مرتبین)۔

(۶۸) ایضاً، ص ۵۵ (مرتبین)۔

(۶۹) کلمات الشعرا، ص ۸۲ (مرتبین)۔

(۷۰) تذکرہ ہمیشہ بہار، ص ۱۸۲ (مرتبین)۔

(۷۱) روضۃ القیومیہ، ص ۲۵۱۔

(۷۲) تذکرہ مجمع النفائس، ص ۱۱۷۲ (مرتبین)۔

(۷۳) تذکرہ مخزن الغرائب، ص ۲۲۷ (مرتبین)۔

(۷۴) تذکرہ نشتر عشق، ص ۱۱۱۴ (مرتبین)۔

(۷۵) سلسلۃ الاولیاء قلمی، ص ۳۳۔

(۷۶) تذکرہ حسینی، ص ۲۳۰ (مرتبین)۔

(۷۷) تذکرہ مرآۃ آفتاب نما، ص ۲۵۷ پ۔ (مرتبین)۔

(۷۸) مخزن پنجاب، ص ۳۰۴۔

(۷۹) فارسی کا نیا نصاب، ص ۲۹ (مرتبین)۔

(۸۰) آثار پارسی، ص ۸۸ (مرتبین)۔

(۸۱) مثنوی نیرنگ عشق، ص ا (مرتبین)۔

(۸۲) پاکستان میں مثنوی نیرنگ عشق کے خطی نسخوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے: احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، جلد ۸، ص ص 1017-۱۰۲۴ (مرتبین)۔

(۸۳) مولوی محمد الدین صاحب نے یہاں علمی طور پر نیرنگ عشق کو معرب کر کے فسون العشق لکھا ہے۔

(۸۴) قصبہ وڈالہ سندھواں کی آبادی تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ میں ہے۔ پسرور اصل میں لفظ پر سرور تھا۔ مولوی محمد الدین صاحب نے اس کا عربی ترجمہ اکثر العیش کیا۔ یعنی عیش خوشی سے پُر، زیادہ عیش والا۔

(۸۵) سیالکوٹ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ سیال پنجابی میں سردیوں کے موسم کو کہتے ہیں اور عربی میں سیال کو شتاء کہتے ہیں اور کوٹ یعنی قلعہ کو حصار بولتے ہیں۔ تو مولوی صاحب نے اس کا عربی ترجمہ شتاء الحصار کر دیا ہے۔

(۸۶) یہ پنجابی ترجمہ نیرنگ عشق میں نے خود نہیں دیکھا۔ میرے محترم دوست مولانا قریشی احمد حسین احمد قلعہ داری، ایم-اے، پروفیسر زمیندار کالج گجرات نے مجھے بتایا ہے۔ (شرافت نوشاہی)۔

یہ ترجمہ ملک عظیم محمد کے اہتمام سے ۱۳۸۳ھ میں جہلم سے چھپ چکا ہے۔ (مرتبین)۔

(۸۷) پاکستانی کتب خانوں میں شرح نیرنگ عشق کی فارسی شروح کے خطی نسخوں کے لئے دیکھئے: احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ج ۸، ص ص ۱۰۲۴-۱۰۲۵ (مرتبین)۔

(۸۸) دستور ھمت کا قلمی نسخہ مکتوبہ قریشی احمد حسین اور قلعہ داری، ۱۹ جنوری ۱۹۵۹/ ۱۳۷۹ھ ان کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۸۹) شمع محافل کا ایک مخطوطہ مکتوبہ ربیع الاول ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء جناب مولانا قریشی احمد حسین صاحب احمد قلعہ داری، ایم-اے پروفیسر زمیندار کالج گجرات کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۹۰) ارژنگ عشق کا مخطوطہ بخط مولوی عبدالکریم قریشی قلعہ داری مکتوبہ ۲۷ صفر ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء قریشی صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۹۱) اس کا ایک نامکمل نسخہ قریشی صاحب کے پاس ہے۔

(۹۲) مثنوی خرابات جنون۔ ماہنامہ مخزن لاہور۔ گرامی نمبر۔ اگست ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء۔ جلد ا۔ نمبر ۶ میں چھپ چکی ہے۔

(۹۳) مثنوی تفنگ عشق کا قلمی نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۹۴) مثنوی آہنگ عشق کا قلمی نسخہ پروفیسر احمد حسین صاحب احمد قریشی قلعہ داری کے کتب خانہ میں موجود ہے

(۹۵) بیاض مملوکہ ضیاء محمد صاحب۔

(۹۶) بابونہ ایک پھول کا نام ہے۔

(۹۷)　تذکرہ حسینی، ص ۲۳۰ (مرتبین)

(۹۸)　شاہنواز خان، نواب صمصام الدولہ، مآثرالامرا، بہ تصحیح جناب مولوی مرزا اشرف علی، ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال، کلکتہ، ۱۸۹۴ء، ص ۶۹۸۔

(۹۹)　نشتر عشق، ص ۱۱۱۴ (مرتبین)۔

(۱۰۰)　لچھی نرائن شفیق، گل رعنا، نسخہ انجمن ترقی اردو، کراچی، نمبر: ۳ قف ۱۷۰، ص ۸۶۷ (مرتبین)۔

(۱۰۱)　دیوان غنیمت، ص ۵۷ (مرتبین)۔

(۱۰۲)　ایضاً، ص ۱۸۳ (مرتبین)۔

(۱۰۳)　ثواقب المناقب، قلمی نسخہ، ص ۱۴۸۔

(۱۰۴)　مزید تفصیل کے لئے دیکھیے: "غنیمت کنجاہی"، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، مئی ۱۹۴۲ء، جلد ۱۸، عدد ۳، عدد مسلسل ۶۹، ص ۲۵۔

(۱۰۵)　شیرانی، حافظ محمود، پنجاب میں اردو، مرتب ڈاکٹر وحید قریشی، کتاب نما، لاہور، طبع سوم، ۱۹۶۳ء، ص ۴۱۷ (مرتبین)۔

(۱۰۶)　اکرام الحق، شیخ، شعرالعجم فی الھند، ملتان، ۱۹۶۱ء، ص ۱۷۹ (مرتبین)۔

(۱۰۷)　بیاض مولانا قریشی احمد قلعہ داری ایم اے پروفیسر زمیندار کالج گجرات۔

مآخذ

(۱)　آثار پارسی، دختر امیر بٹ۔

(۲)　اردو انسائیکلوپیڈیا، نیا ایڈیشن فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء۔

(۳)　اشتہار منظوم پنجابی، لچھمن سنگھ بھولا کنجاہی۔

(۴)　انوار الصالحین (خطی)، پیر معصوم شاہ نوشاہی، مالک نوری کتب خانہ لاہور، متوفی ۱۳۸۸ھ۔

(۵)　انوار القادریہ الملقب بہ ریاض النوشاہیہ (قلمی) بخط مصنف مولانا حکیم غلام قادر شاہ اثر نوشاہی برقندازی جالندھری متوفی ۱۳۵۶ھ۔ مملوکہ شرافت نوشاہی۔

(۶)　بہارستان نادان، اردو منظوم ترجمہ مثنوی نیرنگ عشق، منشی کامتا پرشاد نادان، مطبوعہ نولکشور ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء۔

(۷)　بیاض شائق (خطی)، مکتوبہ مولانا غلام قادر شائق فاروقی نوشاہی رسولنگری متوفی ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء، مملوکہ مفتی بشیر حسین فاروقی نوشاہی ساکن گوجرانوالہ۔

(۸)　بیاض وارستہ (خطی)، مرتبہ سیالکوٹی مل، مخزونہ ذخیرہ شیرانی (نمبر کتاب ۱۴۷۴)، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور۔

(۹)　پنجاب میں اردو، حافظ محمود شیرانی، مرتب ڈاکٹر وحید قریشی، کتاب نما، لاہور، طبع سوم، ۱۹۶۳ء، ص ۴۱۷ (مرتبین)۔

(۱۰)　تاریخ گجرات، مرزا اعظم بیگ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بندوبست ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء۔

(۱۱)　تحریر خطی، (۱) برحاشیہ نیرنگ عشق مکتوبہ میاں اللہ جوایا شوق ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۰۸ء۔
(۲) مملوکہ قریشی احمد حسین احمد قلعہ داری، گجرات۔

(۱۲)　تحفۂ کنجاہ (خطی)، سید محمد جعفر کنجاہی، مملوکہ مولوی عبداللہ سلیمانی خطیب جامع مسجد کنجاہ ضلع گجرات۔

(۱۳) تذکرۂ اولیائے ہند، مرزا احمد، اختر کیرانوی، مطبوعہ۔

(۱۴) تذکرۂ حسینی، میر حسین دوست سنبھلی، مطبع نول کشور، لکھنو، ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۵ء۔

(۱۵) تذکرۂ شعرائے کشمیر، جلد۲، سید حسام الدین راشدی، اقبال اکیڈمی، کراچی، ۱۹۵۸ء۔

(۱۶) تذکرۂ کاملان رام پور، حافظ احمد علی خان شوق رام پوری۔

(۱۷) ثواقب المناقب (خطی)، علامہ محمد ماہ صداقت کنجاہی متوفی ۱۱۴۸ھ، مکتوبہ ۱۳۲۶ھ بخط سید شرافت نوشاہی۔

(۱۸) دیباچۂ نیرنگ عشق (خطی)، مولانا عبدالرحمان خلدی۔

(۱۹) دیوان غنیمت، محمد اکرم غنیمت کنجاہی، مرتبہ غلام ربانی عزیز، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۸ء۔

(۲۰) رقعات غنیمت (خطی)، محمد اکرم غنیمت کنجاہی۔

(۲۱) شرح نیرنگ عشق (خطی)، مولوی دوست محمد بہ سال ۱۱۹۴ھ/ ۱۷۸۰ء۔ مخزونہ ذخیرہ شیرانی (نمبر ۵۳۷) دانشگاہ پنجاب لاہور۔

(۲۲) شعر العجم فی الہند، شیخ اکرام الحق، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۱ء۔

(۲۳) فارسی کا نیا نصاب حصہ ۲، سید وزیر الحسن عابدی، مطبوعہ لاہور۔

(۲۴) فرحۃ الناظرین، قاضی محمد اسلم پسروری، مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین لاہور۔

(۲۵) قاآنی گائیڈ، مطبوعہ لاہور۔

(۲۶) کلمات الشعراء، محمد افضل سرخوش، مطبوعہ لاہور ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء۔

(۲۷) مآثر الامراء، شاہ نواز خان صمصام الدولہ، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۸۸-۱۸۹۰ء۔

(۲۸) مجمع النفائس (خطی)، سراج الدین علی خان آرزو، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور۔

(۲۹) مخزن پنجاب، مفتی غلام سرور لاہوری۔

(۳۰) مخزن الغرائب، احمد علی ہاشمی سندیلوی مخزونہ مجموعہ شیرانی، لاہور۔

(۳۱) مرآت آفتاب نما (خطی)، شاہ نواز خان ہاشمی ۱۲۲۲ھ۔ مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور۔

(۳۲) ہمیشہ بہار، کشن چند اخلاص، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، مطبوعہ لاہور۔

رسائل:

(۱) اورینٹل کالج میگزین (سہ ماہی) لاہور، بابت مئی ۱۹۴۲ء۔

(۲) پیغام (ہفت روزہ) وزیر آباد، بابت ۲ مئی ۱۹۳۲ء۔

(۳) شاہین (ششماہی) گجرات، بابت جون ۱۹۶۷ء

(۴) العزیز (ہفت روزہ) گجرات، بابت ۲۴ فروری، ۱- مارچ ۱۹۳۴ء۔

سید شرافت نوشاہی

مولانا غنیمت کنجاہی کے کچھ مزید حالات ☆

مولانا غنیمت عہد اورنگ زیب عالمگیر کے بلند پایہ شاعر تھے۔ آپ کا مولد، وطن اور مدفن قصبہ کنجاہ [1] ضلع گجرات ہے۔

آپ کا روحانی سلسلہ خاندان قطب الانام شیخ الاسلام حضرت شاہ حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری قدس سرہٗ العزیز سے وابستہ ہے۔ حضرت نوشہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ارجمند مولانا سید صالح محمد رحمۃ اللہ علیہ چک سادہ [2] کے مرید تھے۔

مولانا کا نام محمد اکرم اور تخلص غنیمت تھا۔ قوم نزخی سے تھے جیسا کہ غیر مطبوعہ خود نوشت مثنوی کے ترقیمہ میں لکھتے ہیں۔ "غنیمت عرف نزخی کنجاہی" [3]۔

آپ کے والد کا نام شیخ نظر محمد کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ [4]۔ تربیت اپنے والد اور عمِ عالی قدر شیخ ابو البقا کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ کی آغوش میں پائی یہ دونوں بزرگوار حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے تھے۔ ان کا تذکرہ علامہ شیخ محمد ماہ صداقت کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ نے ثواقب المناقب میں کیا ہے۔

تعلیم ظاہری:

آپ نے ظاہری علوم کی تحصیل میر محمد زماں راسخ سرہندی متوفی ۱۱۰۷ھ سے کی۔ اس کے بعد مرزا ایزد بخش رسا متوفی ۱۱۱۹ھ سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا [5]۔

مولانا کے اساتذہ کے متعلق ایک روایت کی تحقیق:

جناب گوہر نوشاہی کا اورینٹل کالج میگزین لاہور نومبر ۱۹۶۱ء میں مولانا غنیمت پر ایک مقالہ شائع ہوا۔ اس کے صفحہ ۶۴ پر لکھا ہے [6]۔ "اب دیکھنا یہ ہے کہ مولانا غنیمت نے ابتدائی تعلیم و تربیت کن سے حاصل کی۔ ان امور کے متعلق جو صحیح روایات ملتی ہیں ان میں کنجاہ کے تین مفتی اور قاضی ہیں: قاضی خوشی محمد نور، قاضی رضی الدین اور قاضی ابو البقا کنجاہی۔ قاضی خوشی محمد نور اور قاضی رضی الدین دونوں بھائی تھے۔ ان سے مولانا غنیمت نے ابتدائی تعلیم حاصل کی"۔

اس روایت کا گوہر صاحب نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ حالانکہ اسی مقالے میں اسی صفحہ ۶۴ پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

☆ العلم، کراچی، اپریل تا جون ۱۹۷۳ء، صفحات ۲۴-۳۶

''(سنی سنائی) کوئی بات مستند نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس کا ثبوت تاریخ سے بھی نہ مل جائے''۔

مگر گوہر صاحب نے کسی تاریخ یا تذکرہ کا حوالہ پیش نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں حضرات کنجاہ کے رہنے والے تھے اور پہلے دو بزرگوار قاضیوں کے خاندان سے تھے اور قاضی کہے جاتے تھے۔ مگر ابو البقا کو کسی نے قاضی نہیں لکھا۔ علامہ صداقت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو شیخ ابو البقا لکھا ہے۔ وہ قاضیوں کے خاندان سے نہ تھے۔ مرزا احمد بیگ لاہوری متوفی ۱۱۰۸ھ نے رسالہ الاعجاز[۷] میں علامہ صداقت کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۴۸ھ نے ثواقب المناقب[۸] میں اور مولانا سید حافظ محمد حیات ربانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۷۳ھ نے تذکرہ نوشاہی[۹] میں پہلے دونوں حضرات یعنی قاضی خوشی محمد اور قاضی رضی الدین کا تذکرہ کیا ہے اور شیخ ابو البقا کا ان میں ذکر نہیں صرف ثواقب المناقب میں ان کا ذکر ہے۔ مگر کسی تذکرہ نویس نے مولانا غنیمت کا ان سے تعلیم حاصل کرنا نہیں لکھا۔

علاوہ بریں، قاضی رضی الدین گجرات و سیالکوٹ کے قاضی تھے۔ اکثر انہیں شہروں میں رہ کر اپنے منصب قضا کے فرائض انجام دیتے تھے اور قاضی خوشی محمد مجذوبانہ حالت رکھتے تھے۔ بجائے ظاہری علوم کے اشتغال کے عشق و محبت حقیقی اور توحید میں مستغرق رہتے تھے[۱۰]۔ تو ان بزرگواروں کے پاس مولانا غنیمت کے تعلیم پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مولانا کے حالات زندگی:

شیخ صادق علی دلاوری، ایم اے ریسرچ اسکالر پنجاب یونیورسٹی، لاہور، نے اورینٹل کالج میگزین لاہور، مئی ۱۹۴۲ء میں صفحہ ۱۴ سے صفحہ ۳۷ تک غنیمت کنجاہی پر ایک مقالہ لکھا۔ جس میں تمام حالات میری کتاب شریف التواریخ کی تیسری جلد سوم تذکرۃ النوشاہیہ سے لئے۔ جو خطی مسودہ کی صورت میں میرے کتب خانہ میں موجود ہے:

(۱) مولانا کے بزرگوں کا شام کے ملک سے آنا۔

(۲) مولانا کے غنیمت تخلص کرنے کی وجہ۔

(۳) حضرت غوث اعظم کا نام سن کر سجدۂ تعظیم بجالانا۔

(۴) مولانا کا دہلی جانا اور سرخوش سے ملاقات اور فی البدیہہ شعر کہنا۔

(۵) دہلی کے مشاعرہ میں ''مست افتادہ است'' کی ردیف پر فی البدیہہ غزل کہنا۔

(۶) کنجاہ میں ایک لڑکے کی فرمائش پر فی البدیہہ رباعی کہنا۔

(۷) مولانا کی تعریف میں لچھمن سنگھ بھولا کے اشعار۔

دلاوری صاحب نے یہ سب مضامین میری کتاب سے لئے اور اس کا انہوں نے اپنے اس مقالے

میں اعتراف بھی کیا ہے۔ نیز اس مقالہ میں انوار القادریہ سے تحفہ کنجاہ اور پیغام وغیرہ کے جو حوالے دیئے ہیں وہ بھی میری کتاب سے لکھے ہیں۔ دلاوری صاحب نے خود یہ کتابیں نہیں دیکھیں۔

اس کے بعد جس شخص نے اس مضمون پر قلم اٹھایا مثلاً دیوان غنیمت کے مقدمہ میں مقدمہ نویس نے جو کچھ لکھا ہے۔ دلاوری صاحب کے مضمون کا چربہ ہے مگر اس نے نہ دلاوری صاحب کا حوالہ دیا ہے نہ شریف التواریخ کی تیسری جلد کا۔ بعد ازاں آثار پارسی کے مؤلف اور فارسی کا نیا نصاب حصہ دوم والے نے بھی غنیمت کے متعلق اسی مضمون کو دہرایا ہے مگر حوالہ دینا گوارا نہیں کیا۔

اس کے بعد اگست ۱۹۴۳ء کے اورینٹل کالج میگزین لاہور میں ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی نے ''مثنوی نیرنگ عشق'' کا ایک مخطوطہ کے عنوان سے ایک مضمون سپرد قلم کیا[۱۱] جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مولانا غنیمت شاہجہاں آباد (دہلی) کے رہنے والے تھے۔ ان کو کنجاہی لکھنے میں جلدی نہ کرنی چاہیے۔

یہ مقالہ جب دلاوری صاحب نے پڑھا تو پھر میری طرف رجوع کیا اور مولانا کی وطنیت کے متعلق مجھ سے استفسار کیا اور میرے ساتھ خط و کتابت کی۔ میں نے ان کو بذریعہ مراسلات مولانا غنیمت کے کنجاہی ہونے کے متعلق مواد بھیجا۔ جس کو انہوں نے مرتب کر کے نومبر ۱۹۴۳ء کے اورینٹل کالج میگزین لاہور میں بعنوان ''غنیمت کا وطن'' شائع کیا[۱۲] اور آپ کا کنجاہی ہونا ثابت کیا۔

پھر اٹھارہ سال کے بعد جناب گوہر نوشاہی صاحب نے نومبر ۱۹۶۱ء کے اورینٹل کالج میگزین لاہور میں غنیمت کنجاہی پر قلم اٹھایا اور ایک مبسوط مقالہ لکھا۔ انہوں نے کچھ تو دلاوری صاحب پر تنقید کی اور کچھ دوسرے تذکرہ نگاروں پر حرف گیری کی اور اپنی تحقیق کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔ مگر غنیمت کے حالات میں کچھ اضافہ نہ کر سکے۔ وہی پرانے واقعات اپنی عبارت میں پیش کیے۔ مگر ان کی دو باتوں کی تحقیق واقعی قابل قدر ہے۔ ایک عبدالعزیز کو بجائے نواب مکرم خاں کے مرزا ارتق بیگ، والی سیالکوٹ، کا بیٹا ثابت کرنا۔ دوسرا ساقی نامہ غنیمت کا سراغ لگانا، یعنی برٹش میوزیم لندن کے فارسی مخطوطات کی فہرست سے ریو کی تحقیق کو نقل کرنا۔ ان کے علاوہ جناب گوہر صاحب نے کوئی نئی بات نہیں لکھی جو مفید مطلب ہو۔

مولانا غنیمت اپنے رقعات کی روشنی میں

واقعۂ وفات:

مولانا غنیمت لاہور سے اپنے وطن یعنی کنجاہ کو واپس آ رہے تھے کہ اچانک بیمار ہو گئے۔ آپ کے چھوٹے بھائی آپ کو پالکی میں اُٹھوا کر واپس لائے اور کنجاہ پہنچ کر عالم بقا کو سدھار گئے۔ علامہ شیخ محمد ماہ صداقت

کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''ہرگاہ در راہِ لاہور قصیدۂ عمر آن زخمی خنجر شوق بہ مقطع نزع کہ ہیچ کس طاقت گریز از آن ندارد، پیوست''[۱۳]۔

جناب گوہر صاحب لکھتے ہیں کہ: ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا غنیمت لاہور میں نہیں بلکہ سیالکوٹ میں سکونت پذیر رہے اور لاہور کے راستے گھر لائے جا رہے تھے''[۱۴]۔

حالانکہ ثواقب المناقب میں کہیں سیالکوٹ کا نام نہیں۔ نیز اگر سیالکوٹ سے کنجاہ واپس آتے تو قصباتِ ذیل یعنی سمبڑیال، سودھرہ، وزیر آباد اور شادی وال راستے میں آتے۔ سیالکوٹ سے لاہور کے راستے واپس گھر لانا کیا مطلب؟ سیالکوٹ سے ستر میل جنوب کو لاہور جانا۔ پھر لاہور سے ستر میل سے زیادہ شمال مغرب کو کنجاہ آنا۔ یہ کیسی منطق ہے؟

صحیح یہ ہے کہ آپ لاہور میں تھے اور واپسی پر راستے میں بیمار ہو گئے۔

سالِ وفات کی تحقیق:

مولانا غنیمت کے سال وفات میں مورخین میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے:

(۱)　شیخ صادق علی دلاوری ایم اے نے اورینٹل کالج میگزین لاہور مئی ۱۹۴۲ء میں بحوالہ فہرستِ مخطوطاتِ فارسی عجائب خانہ لندن، صفحہ ۷۰۰، لکھا ہے کہ ریو نے مولانا کی وفات ۱۱۰۷ھ میں لکھی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ریو نے مولانا کا نہیں بلکہ ان کے استاد میر محمد زمان راسخ سرہندی کا یہ سال وفات لکھا ہے۔

کتاب ارمغان پاک کے مؤلف نے بھی بلاتحقیق مولانا کا یہی سالِ وفات لکھا ہے[۱۵]۔

(۲)　مولانا غنیمت کے مزار پر جو کتبہ نصب ہے۔ اس پر ۱۱۱۱ھ لکھا ہے۔ مگر یہ کتبہ پرانا نہیں ہے۔ جناب گوہر نوشاہی نے اپنے مقالے میں جو اورینٹل کالج میگزین لاہور نومبر ۱۹۶۱ء میں شائع کیا ہے۔ اسی سالِ وفات کو صحیح تسلیم کیا ہے[۱۶]۔

(۳)　پروفیسر حافظ محمود شیرانی مرحوم نے ''پنجاب میں اردو'' میں مولانا غنیمت کا سالِ وفات ۱۱۱۱ھ تا ۱۱۲۴ھ لکھا ہے[۱۷]۔

(۴)　شیخ اکرام الحق صاحب نے شعر العجم فی الہند میں مولانا کا سال وفات ۱۱۵۸ھ لکھا ہے[۱۸]۔

لیکن ان میں سے کسی صاحب نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا کہ انہوں نے کہاں سے لیا ہے۔ مگر حال ہی میں ایک جدید انکشاف ہوا ہے جس سے سارے اختلاف رفع ہو گئے ہیں اور آپ کا صحیح سالِ وفات متعین ہو گیا ہے اور اربابِ تحقیق کو اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی وہ یہ کہ مولانا غنیمت کی وہ نادر و نایاب

مثنوی جس کا تعارف تصانیف کے ضمن میں کیا جائے گا۔ اب ہی پردۂ خفا سے منصۂ ظہور پر آئی ہے۔ یہ مثنوی فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں تصنیف ہوئی اور یہ ظاہر ہے کہ فرخ سیر کا زمانہ حکومت ۱۱۲۵ھ تا ۱۱۳۱ھ ہے۔

علامہ صداقت کنجاہی کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ سالِ تصنیف کتاب ثواقب المناقب یعنی ۱۱۲۶ھ سے پہلے پہلے مولانا غنیمت وفات پا چکے تھے جیسا کہ واقعہ لکھا جا چکا ہے۔

تو اب حوالہ جات مندرجہ کی رُو سے ثابت ہو گیا کہ سال تخت نشینی فرخ سیر میں جو ۵ محرم ۱۱۲۵ھ/۱۷۱۳ء کو وقوع میں آئی۔ مولانا زندہ تھے اور اسی سال یہ مثنوی لکھی گئی اور اسی سال کے آخر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

مدفن:

مولانا غنیمت کا مزار قصبہ کنجاہ ضلع گجرات میں گاؤں سے جنوبی طرف واقع ہے۔ بخشی منظور علی تھانیدار نے اس پر چھوٹی سی پاکی تعمیر کرائی ہے۔

تصانیفِ غنیمت:

تذکرہ نویسوں نے مولانا محمد اکرم غنیمت کی مثنوی نیرنگ عشق، دیوانِ غنیمت اور ساقی نامہ کا ذکر کیا ہے۔ راقم الحروف کو حال ہی میں غنیمت کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی اور رقعاتِ غنیمت دستیاب ہوئے جن کا یہاں مفصل تعارف کرایا جا رہا ہے۔

نو دریافت مثنوی غنیمت:

اس مثنوی کا ایک مخطوطہ حال ہی میں میری نظر سے گذرا ہے۔ یہ نیرنگِ عشق کے علاوہ ہے۔ اس کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں آیا۔ یہ نسخہ نادرات میں سے ہے۔ یہ مخطوطہ جناب شیخ کرامت اللہ صاحب جو خاندان قانونگویانِ گجرات (پنجاب) کے ایک باذوق فرد ہیں، کے کتب خانے میں ہے اور بقول ان کے، ان کے دادا کے دادا شیخ دیدار بخش صاحب مرحوم کے زمانے سے ان کے گھر میں چلا آتا ہے۔ شیخ صاحب نے فراخدلی سے مجھے یہ مخطوطہ دکھایا۔ جزاہ اللہ تعالی احسن الجزاء۔

اس مثنوی کے عنوانات نظم میں ہیں جن کی بحر تحفۃ الاحرار جامی کی ہے۔ متن کتاب کی بحر نیرنگِ عشق کی ہے، یہ مثنوی، مولانا غنیمت نے فرخ سیر بادشاہ کی تخت نشینی کے پہلے سال ۱۱۲۵ھ میں تصنیف کی۔

اس مخطوطہ کے عنوانات ۲۲ ہیں، ورق ۴۴، سطور فی صفحہ ۱۳۔ اس مثنوی کے کچھ اشعار بطور نمونۂ کلام درج کئے جاتے ہیں:

کتاب کا آغاز اس طرح کیا ہے:

(پہلا عنوان)

غرضِ مناجات کہ دستِ دعاست
آئینۂ چہرۂ مقصودِ ماست

(متن کا آغاز)

الٰہی ساز دل را عشق مأنوس　　به طاقم نه چراغ برقِ فانوس
هدایت پر توی افکن به جانم　　تجلی مغز کُن هر استخوانم
سراپا تن گدازِ بندگی ده　　زسوزِ دل چو شمعم زندگی ده
به یادت بخش تکرارِ جنونم　　به تلقینش دلی ده پُر فنونم [۱۹]

یہ ۲۳ اشعار ہیں۔

(دوسرا عنوان حمد باری تعالیٰ میں)

عاجز حمدش شُده نطق ورقم　　لیك به ترك نگذارد قلم

به نام آنکه نامش در جنانم　　مسیحایی کند با مرده جانم [۲۰]

یہ ۲۶ اشعار ہیں۔

(تیسرا عنوان نعت رسول کریم ﷺ میں)

از شرفِ نعتِ شهِ مرسلین　　طایرِ معنی شده روح الامین
ندانم چیست امشب سر فکرت　　که شد ابیات نظمِ ابرِ رحمت [۲۱]

یہ ۴۹ اشعار ہیں۔

(چوتھا عنوان ۔ مدح غوث اعظم میں)

منقبتِ غوثِ زمان قطبِ دین　　راهِ سخن شد به سخن آفرین
به رشدِ کیست فکر افروزیِ دل　　که شد شمعِ رهِ ایمانِ کامل [۲۲]

یہ ۵۳ اشعار ہیں۔

(پانچواں عنوان اپنے مرشد روشن ضمیر حضرت سید صالح محمد نوشاہی ساکن چک سادہ کی مدح میں)

هست دمِ پیر طریقت پناه　　غنچۀ دل را نفسِ صبح گاه
الا ای چرب پهلو شمع سامان　　به پای خویش بر آتش خرامان

رُخ از تن پروری تابنده کردی — چراغِ راه بطلان زنده کردی
به انگیز هوا پیچیدن از چیست — هلاکِ خویش را بالیدن از چیست
غرورِ سرکشی ها ناز بیجا است — که این نخل از زمین بی بری خاست
بود این نقشِ کافر کفرو آیین — فرنگی شیوهٔ غارت گر دین
زسر اندیشهٔ دنیا برون آر — دماغت گنده دارد دیو مردار
یکی عزم از پی تکمیلِ دین کُن — نجات خویش را راهی گزین کُن
به صابونِ ریاضت هایی روشن — ز آبِ اشك شو آلایش تن
کمندِ صید مقصد نیست تدبیر — دمِ پیرش بود افسون تسخیر
که دیدم هر که پیشِ پیر باشد — زبحرش ابر باشد آشناشد
زخاكِ آستانش بوسه چیدن — به ذوق و معرفت باشد رسیدن
صفاتِ عشق از دانش نموده — چو نام خویشتن پیر ستوده
نشانِ شاهی فقرش مسلم — بسر بر چتر ظل غوثِ اعظم
عیان از چهره نورِ حسن مطلق — به رویش باز کرده چشم خود حق
ز اوجِ معرفت روشن رُخش ماه — شده پرتو فشانی صبغة الله
بود چشمش بر اهل بصیرت — قنا دیلِ چراغ نورِ ملت
خمیده قامتش تیغ کشیده — رگِ فرعونِ شیطانی بریده
به هر کس همت وی دستگیر است — به دستش نفسِ کافر دستگیر است
کسی را قبله گاهی ابرو اوشد — به محراب عبادت دل گروشد
به هر جا آن خضر پی ره گزین شد — زمینِ مزرعِ حاصل یقین شد
عصای او هدایت رنگ بسته — سرِ سارِ ضلالت را شکسته
شده صهبایی ارشادش به مخمور — در اعضا جوشِ رقصِ خونِ منصور
خدنگِ رُشدش آمدچون به آماج — کمانِ خویشتن را سوخت حلاج
کمانِ ابرو از تیر اشارات — شکار اندازِ نخچیر مهمات
دعایش ابرِ فیضِ جاودانی — نموده تازه صد کشتِ امانی
نشانده دلگشا باغی ز توحید — بری گلزار او از خارِ تقلید

درختانش همه پُر بارِ تحقیق | حلاوت ریزِ کام ذوقِ توفیق
سی منصور چون نبود رسیده | که از انگور تاکِ او چکیده
نوا های طیورش نفی و اثبات | نشست آورد بر شاخِ مقامات
شریعت هست جوی آبِ کوثر | طریقت جوی شیرِ روح پرور
حقیقت نهر خمر معرفت شهد | که کرده جنبشش را خرمی مهد
ز آب چاه او هر کس دمی خورد | زیادِ آبِ زمزم دم فرو بُرد
دهانِ هر که زو جرعه رباید | به خورشید قیامت لب ترآید
نگاهِ فیض چون بر دل گشادی | به هر رگ جوشِ ذکر هوفتادی
زدی چون در توجه نعرهٔ هُو | زبان از ذکر هوی گشت هر مو
چو می کردی به ذکر اره مشغوف | به خورشیدی شدی هر ذره معروف
ز مغزِ استخوا نها تارگ وپی | شدی دمسازِ آوازِ دم نی
چوشد آن حق خلیلی عشق ملت | به خوابِ راحتی در مهدِ تُربت
هدایت کعبهٔ او بناد معمور | به اولادِ گرامی چشم بد دور
خرد تاریخ سالش ازرهِ صدق | بگفتا "هی فتاد آن کعبهٔ عشق"

۱۱۱۸ھ

بیا ساقی به رشد بی حجابی | بر آر از ابر شیشهٔ آفتابی
مگر از پرتو عکسش برم راه | به مدحت پردهٔ شان شهنشاه

یہ پورے اشعار درج کر دیئے ہیں۔

(چھٹا عنوان فرخ سیر بادشاہ کی مدح میں)

فیضِ مدیحِ شهِ فرخ سیر
راند به بحر سخن آبِ گُهر

عبیرِ جیب فخر سلطنت راست | غبار آستانِ خُسرو ماست
ثنایش بس خرد را دلنواز است | درازی سخن عمرِدراز است
شهی فرخ فزای شرع احمد | پناه دین معین الدین محمد

شهی رونق سیر فرخنده گوهر　　　بقایش بخت دین را روشن اختر
به بزم و رزم عالمگیر ثانی　　　به دست داد او گیتی ستانی
به فتح ملك دارای معظم　　　بخواند اسمِ او چون اسم اعظم
به بزمِ فیض در عالم مثل شد　　　شرابِ عیشِ او خونِ امل شد (۲۳)

یہ ۴۱ اشعار ہیں۔

(ساتواں عنوان عشق کے متعلق)

تانکنی عشقِ مجاز اختیار
حُسنِ حقیقت نشود آشکار

الا ای دل به داغِ شوقِ دلدار　　　شده مهتابیِ جلوه گهربار (۲۴)

یہ ۲۷ اشعار ہیں۔

(اس مثنوی میں پنجاب کی تعریف بہت کی گئی ہے۔ پنجاب کے صوفیوں، عالموں، پیشہ وروں، صنعت کاروں اور تمام اہل علم وفن کی تعریف کی گئی ہے۔ ابتدائی چند اشعار یہ ہیں):

شرف دارد به هفت اقلیم پنجاب　　　چو در هفت اختران سهرِ جهان تاب
هوای اوست روح اعتدالی　　　مخالف چون توان کردن خیالی
کمال عالمی از خاکش آباد　　　نگاهِ او بهار چشم ایجاد
به آبش چشمهٔ آینه بی تاب　　　زمینِ فیض کوثر کرده سیراب
فزون تر از نجوم اهل هدایت　　　یکایك شمس تبریز ولایت
یکی سیر از برای امتحان کن　　　به بالِ شوق یك پرواز جان کن
زخاكِ مرقدِ حاجی نوشه　　　به مقصد از سُراغِ بوسه کن ره
زدانش پروری هر فردِ انسان　　　بود مجموعهٔ دانش پرستان
بدین معنی که برهان قویم است　　　علومِ مولوی عبدالحکیم است
به متن و شرح هر علمی ز تصریح　　　رساند حلِ مشکل ها به توضیح (۲۵)

یہ مضمون طویل ہے۔ میں اشعار شمار نہیں کر سکا۔

(اختتام وترقیمہ کا عنوان)

گفت غنیمت سخن دل تمام
کاتبِ او گفت علیہ السلام

غریقِ رحمت ایزد آن کسی باد		کہ کاتب را بہ الحمدی کند یاد

"تمت تمام شد مثنوی تصنیف غنیمت کنجاہی، اسم او محمد اکرم است و تخلص او غنیمت عرف نرخی کنجاہی غفراللہ لہٗ ولوالدیہ"[۲۶]

اس آخری عنوان وترقیمہ سے بچند وجوہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نسخہ مولانا غنیمت کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس باب میں حسب ذیل قرائن کا سہارا لیا جا سکتا ہے:

(۱) پہلے شعر سے ظاہر ہو رہا ہے کہ غنیمت خود کاتب ہے۔

(۲) دوسرے شعر میں بھی بحیثیت کاتب اپنے لئے فاتحہ کی استدعا کر رہا ہے۔

(۳) لفظ "غنیمت" کے ساتھ کوئی تعریفی کلمہ، مولانا یا شیخ وغیرہ درج نہیں ہے۔

(۴) "اسم او محمد اکرم است" لکھا ہے۔ اگر کسی دوسرے شخص کا لکھا ہوا ہوتا تو "محمد اکرم بود" ہوتا۔ نیز نام کے ساتھ کوئی مدحیہ جملہ ہوتا۔

(۵) کسی تذکرہ نویس نے آپ کی قومیت نہیں لکھی۔ یہاں عرف نرخی لکھنا بھی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ مولانا نے خود اپنی قومیت سے متعارف کرایا ہے۔

(۶) الفاظ غفراللہ لہ ولوالدیہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ مصنف جو خود کاتب بھی ہے۔ اپنے اور اپنے والدین کے لئے مغفرت کی دعا کر رہا ہے۔

(۷) کسی دوسرے شخص کا نام درج نہیں جو کاتب ہو۔

(۸) مولانا خود فن کتابت کے ماہر تھے۔ آپ کے رقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے نادم گیلانی، صیدی اصفہانی اور برہمن گرجستانی کے دیوان اپنے ہاتھ سے لکھے تھے۔ اگر یہ اپنی مثنوی بھی خود ہی لکھی ہو تو کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔

بہرکیف ہمارے خیال میں یہ مخطوطہ آپ کے قلم کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

رقعاتِ غنیمت:

مولانا نظم میں تو اظہر من الشمس ہیں۔ مگر کسی تذکرہ نویس نے آپ کی نثر نگاری پر کچھ نہیں لکھا۔ حالانکہ آپ اپنے زمانے میں بہترین نثر نگار بھی تھے۔ حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ذخیرہ شیرانی میں ایک خطی بیاض ملی ہے، جس کا تعارف اس سے پہلے اسی مقالے میں لکھا جا چکا ہے۔ اس میں مولانا غنیمت کے تیرہ رقعات رنگین فارسی میں درج ہیں۔ مسجع اور مقفیٰ عبارت سے مزین ہیں۔ ان کو اگر انشائے غنیمت کہا جائے تو بھی بجا ہے۔ مگر اصل تحریر میں چونکہ ہر ایک کے آغاز پر لفظ ''رقعہ'' تحریر ہے۔ اس لئے راقم الحروف نے اس کو رقعات غنیمت کے نام سے ہی موسوم کیا ہے۔ ان رقعات میں مکتوب الیہم کے اسماء درج نہیں۔

یہاں اس کے مضامین کی فہرست لکھی جاتی ہے:

(۱) اٹک جا کر کسی افسر کے نام لکھا ہے۔

(۲) کسی دوست کے فصد کرانے پر اس کی بیمار پرسی کے لئے لکھا ہے۔

(۳) کسی افسر کی فرمائش پر شکاری جانور باشہ کے تلاش کرنے اور خرید نہ کرنے کی وجہ لکھی ہے۔

(۴) کسی دوست کے نام لکھا ہے کہ دیوانِ نادم گیلانی، دیوان صیدی اصفہانی اور دیوان برہمن گرجستانی میرے ہاتھ کے لکھے ہوئے کچھ مدت سے گم ہو گئے ہیں، سنا گیا ہے کہ میرزا سجانی سیستانی کے پاس ہیں وہ مجھے اُن سے واپس لے دیں۔

(۵) کسی دوست کو لکھا ہے کہ بعض مہمان آتے ہیں تو بنگ [۲۷] بھی طلب کرتے ہیں۔ تمہارے علاقے میں یہ سبزی ہوتی ہے وہ لے کر بھیج دیں۔

(۶) کسی دوست نے اشعار تجلی کے کچھ اجزا نقل کرنے کے لئے آپ سے عاریتہً لئے اور دو سال تک واپس نہ کئے۔ یہ رقعہ اُس کو بطور تادیب و تنبیہہ لکھا ہے۔

(۷) کسی دوست نے ایک کتاب تصحیح کے لئے آپ کو بھیجی کہ اس کی نقل کو اصل سے مقابلہ کر کے صحت کریں۔ آپ نے صحیح کرنے کے بعد واپس بھیجی اور یہ رقعہ لکھا کہ کاتب نے اس میں اس قدر غلطیاں کی ہیں۔ گویا کہ اس نسخہ کو از سر نو ہی لکھنا پڑا ہے۔

(۸) کسی دوست کو معجون مقوی باہ بھیجی اور ساتھ ہی اس دوائی کی خاصیت اور طریقہ استعمال بھی تحریر کیا۔

(۹) کسی دوست کو جو پنجاب میں نئے وارد ہوئے تھے۔ لکھا کہ آپ جس جگہ رہائش پذیر ہوں آگاہ کریں۔

(۱۰) کسی دوست کو شہر اُجین میں دیوان کا عہدہ ملنے پر بطور مبارکباد لکھا ہے۔

(۱۱) کسی دوست کے ترقی دولت پانے کی خوشی میں لکھا ہے۔

(۱۲)	اشتیاقِ ملاقات میں کسی دوست کو لکھنا ہے۔

(۱۳)	یہ بھی کسی دوست کو شوق ملاقات میں لکھا ہے۔

مثنوی نیرنگِ عشق:

مولانا غنیمت کی یہ مثنوی آپ کے معاصرین سے لے کر آج تک طبقہ فضلا اور شاعروں میں مقبول رہی ہے۔ اس کے متعلق چند مشاہیر کے اقوال لکھے جاتے ہیں۔ یہ مثنوی ۱۰۹۶ھ عہد عالمگیر میں تصنیف ہوئی۔

(۱)	محمد افضل سرخوش	کلمات الشعرا (سال تکمیل ۱۱۱۵ھ) میں ''مثنوی نیز فکر کردہ''۔ [۲۸]

(۲)	کشن چند اخلاص	ہمیشہ بہار (سال تصنیف ۱۱۳۶ھ) میں ''مثنوی نیز فکر کردہ مشتمل بر داستانِ عشق عزیز و شاہد''۔ [۲۹]

(۳)	محمد احسان مجددی	روضتہ القیومیہ، رکن ۳ (سال تصنیف ۱۱۵۵ھ):

''غنیمت کنجاھی کی مثنوی نیرنگِ عشق بہت مشہور ہے''۔ [۳۰]

(۴)	سراج الدین علی خاں آرزو	مجمع النفائس (سال تصنیف ۱۱۶۱ھ):

''مثنوی را کہ قصۂ شاہد و عزیز را موزون کردہ بسیار بہ مزہ گفتہ''۔ [۳۱]

(۵)	سید احمد علی ہاشمی سندیلوی	مخزن الغرائب (سال تصنیف ۱۲۱۸ھ):

''مثنوی قصہ عزیز و شاہد کہ افتتاح آن'' الخ۔ [۳۲]

(۶)	عبدالرحمٰن مخاطب بہ شاہنواز خان مرآۃ آفتاب نما (سال تصنیف ۱۲۱۸ھ/ ۱۲۱۶ء):

''مثنوی شاہد و عزیز یادگار اوست''۔ [۳۳]

(۷)	حسین قلی خان عشق عظیم آبادی ''نشتر عشق'' (سال تصنیف ۱۲۲۴ھ):

''مثنوی نیرنگِ عشق بہ احوال آن عاشق موزون ساخت''[۳۴]

(۸)	محمد صالح کنجاہی ''سلسلۃ الاولیاء'' (سال تصنیف ۱۲۶۷ھ):

''مثنوی غنیمت یعنی نیرنگِ عشق و دیوان غنیمت از تصانیف اوست''۔ [۳۵]

(۹)	میر حسین دوست ''تذکرہ حسینی''، ''مثنوی متضمن عشق عزیز پسر نواب مذکورہ و حسن پسری رقاص شاہد نام بسیار بہ مزہ گفتہ''۔ [۳۶]

(۱۰)	غلام سرور لاہوری، مخزن پنجاب (سال تصنیف ۱۲۸۵ھ):

''کتاب نیرنگِ عشق المشہور مثنوی غنیمت اب تک زمانے میں مشہور ہے''۔ [۳۷]

(۱۱)	فارسی کا نیا نصاب حصہ دوم، ''تالیف مثنوی معروف وی نیرنگِ عشق مقارن باہمین ایام است''۔ [۳۸]

(۱۲)	آثار پارسی ''غنیمت کنجاہی کی ایک مثنوی نیرنگ عشق کو قبول عام نصیب ہوا''۔ [۳۹]

اس کتاب نیرنگ عشق کے خطی نسخے کئی کتب خانوں میں موجود ہیں، میں نے چند نوادر نسخوں کا ذکر اپنی کتاب شریف التواریخ جلد سوم کے دوسرے حصہ موسوم بہ لطائف الاخیار میں کیا ہے۔

یہ کتاب سب سے پہلے ۱۲۵۹ھ میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی، پہلی طباعت کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے۔

دیوانِ غنیمت:

مولانا غنیمت کا دیوان بھی مشہور و معروف ہے۔ اس میں ۲۶۳ غزلیں اور چند متفرق اشعار ہیں۔ اس کے متعلق شعرا کے تذکرہ نگاروں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ چند اہل علم کے اقوال ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱)　محمد افضل سرخوش　　کلمات الشعرا میں　　''دیوانی مختصر دارد''۔[۴۰]

(۲)　کشن چند اخلاص　　ہمیشہ بہار میں　　''دیوان مختصر از و یادگار است''۔[۴۱]

(۳)　سراج الدین علی خان آرزو، مجمع النفایس میں　　''درین ولا انتخاب دیوانِ او نوشتہ می شود''۔[۴۲]

اس دیوان کے تین مخطوطے ذخیرہ شیرانی۔ کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور میں موجود ہیں[۴۳]۔

دیوان غنیمت پہلی مرتبہ لکھنؤ میں چھپا۔ دوسری مرتبہ پنجابی ادبی اکادمی لاہور نے شائع کیا۔

ساقی نامہ:

اگرچہ کسی تذکرہ میں اس کا ذکر نہیں مگر برٹش میوزیم میں اس کا ایک مخطوطہ موجود ہے اس کی فہرست کے اندراج نمبر ۱۶۵۲ میں ریو لکھتا ہے[۴۴]۔ ''ایک ناکام مثنوی جو ساقی نامہ معلوم ہوتی ہے۔ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اسی شاعر غنیمت کنجاہی کی لکھی ہوئی ہے''۔

اس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

بیا ساقی کہ فصلِ نو بہار است　　　قدم گلرنگ می مطرب ھزار است

اور اختتام اس شعر پر ہے۔

چہ حاصل نکہت از طول کلام است　　　تمام است و تمام است و تمام است

غنیمت کے چند غیر مطبوعہ رقعات:

صحیفہ کے گذشتہ شمارے میں راقم الحروف کا مقالہ بعنوان ''غنیمت کے کچھ مزید حالات'' شائع ہو چکا ہے۔ اس میں راقم نے رقعات کا مفصل تعارف کروایا ہے۔

رقعات کا یہ مجموعہ خطی بیاض، ذخیرہ شیرانی نمبر ۹۳۰/۳۹۸۲ مخزونہ کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور سے منقول ہے۔

حواشی

(۱) بعض لوگ کنجاہ کو گنجاوہ لکھتے ہیں جو درست نہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں نے غنیمت کو لاہوری لکھا ہے جس سے مراد مضافات لاہور ہے۔ مثنوی نیرنگ عشق کے کسی ایک مخطوطہ کے دستخط میں غنیمت کو شاہجہان آبادی لکھا ہوا پایا گیا ہے۔ اس سے مراد دہلی نہیں ہے بلکہ علاقہ کنجاہ مغلیہ دور میں شاہجہان آباد شاہجہان پور کہا جاتا تھا۔ پرانی دستاویزوں اور تاریخ گجرات مولفہ مرزا اعظم بیگ اسی طرح لکھا ہے۔

(۲) موضع چک سادہ گجرات سے تین میل مشرق کی جانب واقع ہے۔

(۳) غنیمت کنجاہی، مثنوی گلزار محبت بہ تصحیح عارف نوشاہی، گجرات، ۲۰۰۸ء، ص ۱۰۷ (مرتبین)۔

(۴) کتاب مخزن التواریخ میں آپ کے والد کا نام محمد افضل لکھا ہے، مگر حوالہ کسی کتاب کا نہیں دیا ممکن ہے کہ یہ کسی آپ کے بھائی کا نام ہو کیونکہ محمد اکرم کا ہم وزن ہے۔

(۵) بشیر حسین، فہرست مخطوطات شیرانی، جلد دوم، ادارۂ تحقیقات پاکستان، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۳۶۳۔

(۶) مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے: گوھر نوشاہی ''مولانا غنیمت کنجاہی''، اورینٹل کالج میگزین، ج ۳۸، شمارہ ۱، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۶۴ (مرتبین)۔

(۷) ڈاکٹر عارف نوشاہی نے میرزا احمد بیگ لاہوری کے رسالہ الاعجاز کو ''احوال و مقامات'' نوشہ گنج بخش کے نام سے تصحیح کیا ہے اور مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد نے یہ کتاب ۲۰۰۱ء میں شائع کی ہے۔ اس کتاب کے صفحات پر ۴۴، ۴۶، ۴۷، ۹۱، ۹۷، اور ۱۲۰ پر قاضی خوشی محمد اور صفحات نمبر ۳۰، ۳۳، ۴۴ تا ۴۷، ۶۵، ۷۰، ۸۴، ۹۴، ۹۷، ۱۱۷ اور ۱۲۰ پر قاضی رضی الدین کا ذکر ملتا ہے۔ (مرتبین)۔

(۸) صداقت کنجاہی، ثواقب المناقب نسخۂ خطی، کتب خانہ شرافت نوشاہی، ساہنپال، ص ۱۲۵۔

(۹) حافظ محمد حیات، تذکرہ نوشاہی، بہ تصحیح و تدوین و تحشیۂ احسان احمد، شعبہ فارسی، اورینٹل کالج، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۲۰۰۴ء، تحقیقی مقالہ پی ایچ-ڈی، پنجاب یونیورسٹی مرکزی لائبریری، شمارہ TPC IV 13، صص ۲۷۲-۲۷۵ (مرتبین)۔

(۱۰) ایضاً خطی تصنیف، ۱۱۴۶ھ۔

(۱۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: چغتائی، محمد عبداللہ، ''مثنوی نیرنگ عشق کا ایک مخطوطہ''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، جلد ۱۹، عدد ۲، عدد مسلسل ۷۲، اگست ۱۹۴۲ء، صص ۵۴-۵۶ (مرتبین)۔

(۱۲) دلاوری، صادق علی، ''غنیمت کا وطن''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، جلد ۲۰، عدد ۱، عدد مسلسل ۷۵، ۱۹۴۳ء، صص ۲۶-۳۲ (مرتبین)۔

(۱۳) ثواقب المناقب، خطی، ص ۱۲۸۔

(۱۴) ''مولانا غنیمت کنجاہی''، اورینٹل کالج میگزین، جلد ۳۸، شمارہ ۱، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۶۱ (مرتبین)۔

(۱۵) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: محمد اکرام، شیخ، ارمغان پاک، نیشنل بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۳۸ھ، ص ۲۰۱، (مرتبین)۔

(۱۶) ص ۷۱ (مرتبین)۔

(۱۷) شیرانی، حافظ محمود، پنجاب میں اردو، مرتب ڈاکٹر وحید قریشی، کتاب نما، لاہور، طبع سوم، ۱۹۶۳ء، ص ۳۱۷ (مرتبین)۔

(۱۸) اکرام الحق، شیخ، شعرالعجم فی الھند، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۱۷۹ (مرتبین)۔

(۱۹) غنیمت کنجاہی، نگزار محبت، مرتبہ عارف نوشاہی، المیر ٹرسٹ لائبریری، گجرات، ۲۰۰۸ء، ص ا، (مرتبین)۔

(۲۰) ایضاً، ص ۴ (مرتبین)۔

(۲۱) ایضاً، ص ۷ (مرتبین)۔

(۲۲) ایضاً، ص ۱۲ (مرتبین)۔

(۲۳) ایضاً، صص ۱۷-۲۱ (مرتبین)۔

(۲۴) ایضاً، ص ۲۵ (مرتبین)۔

(۲۵) ایضاً، صص ۲۸-۲۹ (مرتبین)۔

(۲۶) ایضاً، ص ۱۰۷ (مرتبین)۔

(۲۷) شیخ صادق علی دلاوری نے اپنے مقالے مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین لاہور مئی ۱۹۴۲ء میں مولانا غنیمت کے حالات میں لکھا ہے کہ مولانا دہلی گئے تو شاہی مسجد کی سیڑھیوں کے پاس بیٹھ کر حقہ بھرا۔ جناب گوہر نوشاہی اپنے مقالے مجریہ اورینٹل کالج میگزین لاہور نومبر ۱۹۶۱ء میں اس واقعہ پر تمسخر اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یہ نہیں معلوم کہ مولانا نے سیڑھیوں کی دائیں طرف بیٹھ کر حقہ بھرا یا بائیں طرف''۔ جناب گوہر صاحب کو غور کرنا چاہیے کہ جو مولانا اپنے احباب کی خاطر و مدارات کے لئے بنگ جیسی سبزی کو استعمال کرنا معیوب نہ سمجھتے ہوں۔ اگر وہ خود حقہ پیتے ہوں تو کچھ جائے جائے تعجب نہیں۔ یہاں شرعی مسئلہ سے غرض نہیں کہ حقہ پینا حلال ہے یا حرام۔ ممنوع ہے یا مباح۔

(۲۸) سرخوش، محمد افضل، کلمات الشعرا، بہ تصحیح صادق علی دلاوری، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۴۲ء، ص ۸۲ (مرتبین)۔

(۲۹) اخلاص، کشن چند، ہمیشہ بہار، بہ تصحیح وحید قریشی، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۷۳ء، ص ۱۸۲ (مرتبین)۔

(۳۰) نقشبندی مجددی سرہندی، خواجہ ابوالفیض کمال الدین محمد احسان، روضۃ القیومیہ، مطبوعہ سوک سٹیم پریس لاہور، ص ۲۵۱۔

(۳۱) آرزو، سراج الدین علی خان، مجمع النفائس، بہ تصحیح مہر نور محمد خان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، جلد دوم، ص ۱۱۷۲ (مرتبین)۔

(۳۲) ہاشمی سندیلوی، احمد علی، مخزن الغرائب، تصحیح محمد باقر، جلد ۴، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، صص ۲۲۷-۲۲۹ (مرتبین)۔

(۳۳) شاہنواز خان، مرآۃ آفتاب نما، نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی مرکزی لائبریری، نمبر شیرانی ۳۳۱۸/۵۶۴۱، ص ۲۵۷ پ۔

(۳۴) عظیم آبادی، حسین قلی خان، نشتر عشق، دوشنبہ، ۱۹۸۳ء، جلد سوم، ص ۱۱۱۴ (مرتبین)۔

(۳۵) صالح کنجاہی، محمد، سلسلۃ الاولیا، سال تصنیف ۱۱۸۵ھ، نسخہ خطی، ص ۳۳، (بہ نقل از شریف التواریخ، ص (۲) ۳/۲۸۲) (مرتبین)۔

(۳۶) سنبھلی، حسین دوست، تذکرہ حسینی، انتشارات منشی نول کشور، صص ۲۳۰-۲۳۲ (مرتبین)۔

(۳۷) لاہوری، غلام سرور، تاریخ مخزن پنجاب، مطبع نول کشور، ص ۳۰۴ (مرتبین)۔

(۳۸) عابدی، سید وزیر الحسن، فارسی کا نیا نصاب، فروغ اردو، انارکلی، لاہور، ص ۹۳ (مرتبین)۔

(۳۹) بٹ، دختر امیر، آثار پارسی، ص ۸۸۔

(۴۰) کلمات الشعراء، ص ۸۲ (مرتبین)۔

(۴۱) همیشه بهار، ص ۱۸۲ (مرتبین)۔

(۴۲) مجمع النفائس، ص ۱۱۷۲ (مرتبین)۔

(۴۳) بشیر حسین، فہرست مخطوطات شیرانی، جلد اول، ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاه پنجاب، لاہور، ۱۹۷۵ء، صص ۱۲۷-۱۲۸۔

(۴۴) شرافت نوشاہی نے غلطی سے نسخے کا مقام برٹش میوزیم اور ناقل کا نام ریو لکھا ہے۔ ساقی نامہ کے اصل مآخذ کے لئے دیکھئے:
Ethe, Hermann; Catalogue of Persian Manuscripts in the India Office Library, vol.1, 1980, pp.899-900. (مرتبین)۔

(۴۵) رقعات غنیمت کے خطی نسخوں کے لئے دیکھئے: احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان، جلد ۵، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، صص ۲۷۹-۲۸۰؛ ڈاکٹر عارف نوشاہی مثنوی گلزار محبت کے مقدمہ کے صفحہ نمبر ۴۳ پر رقعات غنیمت کے ایک اور نسخے سے متعلق یوں لکھتے ہیں: ''نیشنل آرکائیوز آف پاکستان'' اسلام آباد کے ذخیرۂ مفتی کی ایک قلمی بیاض (نمبر ادب: ۲۳۵) میں ورق ۴۰ ب تا ۴۶ ب ''منشآت غنیمت کنجاہی'' کے تحت غنیمت کے رقعات نقل ہوئے ہیں۔ میں نے ان رقعات کا سید شرافت نوشاہی ایڈیشن سے تقابل کیا ہے۔ اسلام آباد کے نسخے میں کچھ اضافی رقعات ہیں''۔

ڈاکٹر ظہور الدین احمد

غنیمت کنجاہی ☆

تذکروں میں غنیمت کا بہت مختصر حال موجود ہے۔ صادق علی دلاوری نے ۱۹۴۲ء میں مقامی ذرائع سے ان کے حالات مرتب کیے تھے (۱)۔ محمد اکرم ان کا نام تھا اور غنیمت تخلص۔ کنجاہ کے رہنے والے تھے جو گجرات سے سات میل دور مغرب کی طرف ایک قصبہ ہے۔ اگست ۱۹۴۳ء میں ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی نے مثنوی ''نیرنگ عشق'' کے ایک قلمی نسخے کا تعارف کراتے ہوئے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اس کے ترقیمے میں غنیمت کو شاہجہان آبادی لکھا ہے (۲)۔ نومبر ۱۹۴۳ء میں صادق علی دلاوری نے ''غنیمت کا وطن'' کے عنوان سے مقالہ لکھا اور ''ثواقب المناقب'' مؤلفہ محمد ماہ صداقت کے حوالے سے ثابت کیا کہ غنیمت صداقت کے چچا تھے اور اس کے والد یعنی غنیمت کے بھائی نظر محمد کنجاہ کے رہنے والے تھے (۳)۔ لیکن دوسرے محققین کو اس پر اطمینان نہیں ہوا۔ غنیمت کے ہم وطن پروفیسر شریف کنجاہی نے بتایا کہ اس کا وطن شاہجہان آباد تھا جو کنجاہ کے قریب چناب کے کنارے آباد تھا۔ انہوں نے قیاساً کہا ہے کہ اس کا موجودہ نام ٹھٹھی مفتیاں ہے (۴)۔ سید شرافت نوشاہی کی رائے یہ ہے کہ کنجاہ کو شاہجہان آباد یا شاہجہان پور کہا جاتا تھا (۵)۔ انہوں نے ایک قدیم دستاویز کے حوالے سے یہ نام متعین کیا ہے لیکن اس دستاویز میں شاہجہان پور مندرج ہے۔ شاہجہان آباد نہیں (۶)۔

میرا خیال ہے یہ محض قیاس آرائی ہے۔ اس نسخۂ خطی کے کاتب کو مغالطہ ہوا ہے جس کا تعارف ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے کرایا ہے۔ کاتب نے اپنے ترقیمے میں قیاساً شاہجہان آباد لکھ دیا ہے۔

غنیمت کے والد نظر محمد فاضل آدمی تھے۔ ان کے چچا ابوالبقا بھی صاحب علم و عرفان تھے۔ غنیمت نے اپنے والد، چچا قاضی خوشی محمد اور قاضی رضی الدین سے متعدد کتابیں پڑھیں۔ انہوں نے تصوف و طریقت میں بھی تربیت حاصل کی۔ وہ صالح محمد گیلانی کے معتقد و پیرو تھے جو حضرت حاجی محمد نوشہ کے مرید تھے جن کے فیض سے سلسلۂ نوشاہیہ کو رواج و فروغ ہوا۔ غنیمت نے اپنے مرشد کے متعلق لکھا ہے:

در کشور کشای فیض سرمد　　　امام عاشقان صالح محمد
سرو سر حلقۂ صاحبدلان است　　　جنید وقت و شبلی زمان است
کند از یک نگاهِ مهر پرور　　　کف خاک ترا خورشید انور (۷)

غنیمت کو سید عبدالقادر جیلانی سے بھی گہری ارادت تھی۔ ان کی منقبت میں لکھا ہے:

☆ پاکستان میں فارسی ادب، ادارۂ تحقیقات فارسی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء، جلد سوم، ص ص ۱۰-۳۲

غنیمت ای غلام غوث اعظم فدای نام پاک قطب عالم
چو خود را من سگِ کوی تو خواندم بہ آھوی حرم نسبت رساندم [8]

غنیمت نے ایک دفعہ کابل جانے کا ارادہ کیا پر نہ گئے۔

شوق فایز سی کند تکلیف سیر کابلم
شد غنیمت دیدۂ ما عرصہ سرخاب ازو [9]

گلشن کشمیر کی سیر کو گئے۔ جب وہاں دل نہ لگا تو پنجاب واپس آ گئے۔

شد غنیمت سرد در خاطر ھوای کابلم
بسکہ دل سر گرم سیر گلشن کشمیر بود [10]

دو مرتبہ اٹک بھی گئے [11]۔ شفیق اورنگ آبادی نے لکھا ہے کہ غنیمت کچھ عرصہ کے لئے میرزا ارتق بیگ فوجدار سیالکوٹ کے پاس ملازم رہے اور انہی کے بیٹے میرزا عبدالعزیز کی داستان محبت کو اس نے اپنی مثنوی ''نیرنگ عشق'' میں منظوم کیا [12]۔ کسی اور ماخذ سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ میرزا ارتق بیگ کی شخصیت بھی متعین نہیں ہو سکی۔ البتہ بیان کا دوسرا حصہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ غنیمت نے ذیل کے شعر میں جس عزیز کی فرمائش پر یہ مثنوی لکھی وہ اسم خاص میرزا عبدالعزیز نہیں ہو سکتا بلکہ عزیز سے مراد ایک عام عزیز مراد ہے:

سخن گفتم بہ اسید تمیزی ٭ گھر سفتم بہ تکلیف عزیزی [13]

حسین دوست نے لکھا ہے کہ غنیمت لاہور میں نواب مکرم خان کے ملازم رہے۔ عزیز ان کا بیٹا تھا [14] لیکن یہ بھی غلط ہے۔ نواب مکرم خان لاولد تھے۔ سید شرافت نوشاہی نے اخبار ''پیام'' کے حوالے سے اپنی تالیف ''شریف التواریخ'' میں لکھا ہے کہ وہ دہلی بھی گئے۔ گنواروں کی سی وضع قطع تھی۔ وہ سرخوش سے جا کر ملے۔ انہوں نے اپنی غزل سنائی تو حاضرین محظوظ ہوئے۔ سرخوش نے اپنے پاس ٹھہرایا اور بڑی خاطر تواضع کی [15]۔ اس حکایت کی تصدیق کسی اور مآخذ سے نہیں ہو سکی۔ سرخوش نے اپنے تذکرہ ''کلمات الشعراء'' میں غنیمت کا ذکر کیا ہے لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ بیان نہیں کیا اور نہ ان سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

غنیمت لاہور میں بیمار ہوئے اور کنجاہ میں فوت ہوئے۔ وہیں ان کا مقبرہ ہے۔ مقبرے پر سال وفات ۱۱۱۰ھ درج ہے۔

تصانیف:

(۱) دیوان: دیوان پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ پروفیسر عبدالعزیز ربانی نے ترتیب وتصحیح کا کام سرانجام دیا ہے۔ دیوان میں دو قصیدے نعت رسول میں۔ ایک قصیدہ مدحیہ اور بارہ رباعیاں

ہیں۔ باقی تمام غزلیات ہیں۔ نور محمد قادری کے پاس دیوان غنیمت کا ایک نسخہ موجود ہے، جس میں مطبوعہ غزلیات کے علاوہ اور بھی اشعار ہیں اور بعض اشعار کے متبادل متن بھی ہیں[۱۶]۔

(۲)　مثنوی نیرنگ عشق۔

(۳)　رقعات غنیمت۔

(۴)　ساقی نامہ: انڈیا آفس لائبریری میں شمارہ ۱۶۵۲ پر ایک مجہول الاسم مثنوی ہے جو ساقی نامہ سے مشابہ ہے۔ ایتھے کا خیال ہے کہ اس کا مصنف بھی غنیمت ہے۔ یہ بھی اسی کاتب نے لکھی ہے جس نے دیوان لکھا ہے۔ اسی مثنوی کا آغاز و انجام اس طرح ہے:

بیا ساقی کہ فصلِ نوبہار است　　قدح گلرنگ می، مطرب هزار است

چه حاصل نکهت از طول کلام است　　تمام است و تمام است و تمام است[۱۷]

(۵)　مثنوی گلزارِ محبت[۱۸]: سید شرافت نوشاہی نے اس کا تعارف مجلہ العلم (کراچی) شمارہ اپریل، جون ۱۹۷۳ء میں کرایا تھا۔ اس مثنوی کا نسخہ خطی شیخ کرامت اللہ گجراتی کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔ کل ۴۴ ورق ہیں۔ ہر صفحے میں ۱۳ سطریں ہیں، مثنوی کا آغاز یوں ہے:

الٰہی ساز دل را عشق مانوس　　به طاقم نه چراغ برق مانوس[۱۹]

مثنوی کے عنوانات بھی منظوم ہیں، ابتدائی عنوانات یہ ہیں:

حمد باری، نعتِ رسول، مدح غوث اعظم، مرشد سید صالح محمد نوشاہی، مدح فرخ سیر، عشق، تعریفِ پنجاب۔

فرخ سیر کی مدح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غنیمت ۱۱۲۵ھ-ق تک تو یقیناً زندہ تھے۔

نسخہ خطی کا اختتامیہ اور ترقیمہ حسب ذیل ہے:

گفت غنیمت سخن دل تمام　　کاتبِ او گفت علیہ السلام

غریقِ رحمتِ ایزد آن کسی باد　　که کاتب را به الحمد کند یاد

تمت تمام شد مثنوی تصنیف غنیمت کنجاہی، اسمِ او محمد اکرم است و تخلصِ او غنیمت عرف نرخی کنجاہی غفر اللہ لہ ولوالدیہ"[۲۰]۔

مجلہ فنون لاہور، شمارہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۳ء میں شریف کنجاہی نے اس مثنوی کا لسانی اور فنی تجزیہ کر کے اور "نیرنگ عشق" سے مقابلہ کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ مثنوی غنیمت کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کوئی اور غنیمت ہیں۔ ان تمام دلائل کے خلاف ایک بات یہ ہے کہ کیا اس غنیمت کے مرشد بھی سید صالح محمد گیلانی

تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ ''نیرنگ عشق'' کی تالیف کے وقت زندہ تھے اور ''گلزار محبت'' کی تالیف کے وقت وہ وفات پا چکے تھے۔ ترقیمے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاتب گویا غنیمت کے عزیز احباب میں سے تھے جو اس کے اور اس کے والدین کے لئے مغفرت کی دعا مانگ رہے ہیں۔ شریف صاحب کے تجزیے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ''گلزار محبت'' غنیمت سے منسوب ہے۔

رقعات غنیمت:

غنیمت کی نگارشات میں تیرہ رقعات بھی موجود ہیں جو ایک خطی بیاض میں دوسرے انشا پردازوں کی تحریروں کے ساتھ ایک جگہ منقول ہیں۔ یہ بیاض پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعہ شیرانی میں شمارہ ۹۳۰ پر محفوظ ہے[۲۱]۔ سید شرافت نوشاہی نے ان تیرہ رقعات کو مجلّہ سہ ماہی صحیفہ، شمارہ ۶۲، جنوری ۱۹۷۳ء میں شائع کر دیا ہے۔ یہ رقعات اپنے دوست، احباب کو لکھے گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے احباب کے ہاں جاتے تھے اور احباب ان کے ہاں آتے تھے۔ یہ ان کی خاطر داری کرتے تھے۔ ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دوست ان کے ہاں آئے جو بھنگ کے رسیا تھے۔ ان کے لئے بھنگ مہیا کرنے کے لئے ایک دوست کو لکھا ہے۔ ایک دوست نے ان سے شکاری پرندہ حاصل کرنے کی فرمائش کی ہے۔ ایک صاحب کے لئے انہوں نے معجون مقوی باہ بھیجی ہے۔ قیاس ہے کہ ان کے پاس طبی نسخے موجود ہوں گے یا واقعی وہ علم طب سے بھی شغل رکھتے تھے۔ ایک خط سے ظاہر ہے کہ وہ دو مرتبہ اٹک گئے۔ ایک دوسرے خط سے واضح ہے کہ کسی حاکم یا منصب دار کی ملازمت میں وہ لشکر میں تھے جہاں سے انہوں نے خط لکھا۔

ان کے دو خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دواوین شعرا اپنے دستخط سے نقل کر کے اپنے پاس رکھتے تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ دیوان نادم گیلانی، دیوان صیدی اصفہانی اور دیوان برہمن گرجستانی کے خودنوشت نسخے گم ہو گئے ہیں۔ ان کا نوشتہ دیوان تجلّی کوئی صاحب لے گئے تھے۔ ایک خط میں ان سے بار بار تقاضا کرنے کا ذکر ہے۔ ایک دوست نے کسی کتاب کا نسخہ نقل کروا کر انہیں بھجوایا تھا تا کہ وہ اصل سے مقابلہ کر کے اس کی تصحیح فرما دیں۔ اس قسم کی تحریروں سے ان کی علمی و ادبی مصروفیات پر روشنی پڑتی ہے۔

رقعات کی عبارت منشیانہ، دقیق اور پر تکلف ہے۔ نثر میں بھی شعری تلازمات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ پہلے رقعے کے چند جملے ملاحظہ کیجیے:

''محمد اکرم کہ در تادبہ کورنش تحمل تاخیر بر اهل تقدیم گران می داشت، دست در بغل کشیدۂ مهجوری است۔ ناصیہ ای کہ غیر از خاک آن آستان صندلی نمی خواست، گرفتار درد سر هاست و لبی کہ جز دستبوس گرامی لذتی

نفهمیده زهرهای مهاجرت چشیده"[۲۲] -

شاعری

تصوف:

غنیمت نے سید صالح محمد کا مرید ہو کر درویشانہ زندگی اپنائی تھی۔ غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی کے ساتھ تو انہیں والہانہ عقیدت تھی جیسا کہ ان کے اشعار سے ظاہر ہے۔ اس نسبت کی وجہ سے ان کے کلام میں تصوف وعرفان کے مضامین پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے گہرے فلسفہ تصوف پر اظہار خیال نہیں کیا۔ نہ ہی خاص اصطلاحات تصوف استعمال کی ہیں البتہ مثالوں سے تصوف کے معانی ومطالب کی وضاحت کی ہے۔

اہل تصوف کا یہ خیال بنیادی حیثیت رکھتا ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ وہ مختلف شئون ومظاہر میں نظر آتا ہے۔ اصل حقیقت وہی ہے۔ غنیمت نے اپنے اشعار میں اس خیال کو مختلف رنگوں میں بیان کیا ہے، مثلاً:

درمیان بحر و امواجش دویی نام است و بس   جلوهٔ معشوق وحدت زیب آغوش خود است[۲۳]

خـالـی ازو نیسـت هیچ جـای   یـار نـداسـتـه ام کـجـا نیسـت[۲۴]

صوفیہ کی بنیادی فکر یہ بھی ہے کہ وہ محبوب خداوندی کے لئے اپنا سب کچھ لٹاتے ہیں۔ اپنے نفس کی سرکشی کو دباتے ہیں۔ خود کو ہر دم اس کی یاد میں محو رکھنا شعار زندگی سمجھتے ہیں۔ اس کے تصور میں حائل ہونے والی انانیت کو مٹانا ان کا شیوۂ مشرب ہے۔ خود شکنی اور خود گسستگی میں ہی ان کے لئے محبوب کے قریب کی راہ کھلتی ہے۔ غنیمت کے کلام میں اس قسم کے افکار جا بجا نظر آتے ہیں، مثلاً:

ترا ز خود شکنی فتح ها میسر شد   نبود غیر غنیمت کسی غنیم اینجا[۲۵]

گر دلی داری غنیمت پند صائب گوش کن   حفظ دولت در پریشان کردن سیم و زر است[۲۶]

غبارم سد راه منزلی مقصود شد چندی   تهی گردیدم از خود یافتم کوی حبیب اینجا[۲۷]

تفکر ومراقبہ صوفیہ کا شغل ہے۔ غنیمت لکھتے ہیں:

سالکان را آشنای بحر وحدت می کند   سر فرو بردن به فکر خویش چون گردابها[۲۸]

غنیمت کے خیال میں مال واسباب کی بربادی، سامان عیش ونشاط سے دوری درویشانہ زندگی کے عین

مطابق ہے اور اگر گردش فلک اس تباہی میں معاون ہوتی ہے تو ہمیں اس کا احسان منداور شکر گزار ہونا چاہیے نہ کہ ہم فلک بیدادگر اور کج رفتار کے شکوہ گزار بنیں۔ غنیمت نے اس خیال کو نہایت موزوں مثال سے واضح کیا ہے:

نیست مشتاق فنا را شکوہ از بیداد چرخ دانہ ام از آسیاھا زیرِ بارِ منت است (۲۹)

اگر ایک شخص کے پاس تن ڈھانپنے کو کپڑا نہیں تو لوگ اسے غریب و مفلس سمجھیں گے۔ اگر ایک فقیر درویش ارادتاً اپنے آپ کو عریاں بدن رکھتا ہے کیونکہ وہ نفس کو ہر قسم کی زیب و آرائش اور آرام و راحت سے دور رکھتا ہے تو لوگ اسے صوفی کہتے ہیں۔ غنیمت بہت حساس ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عریانی تن سے بھی حس خودنمائی کی نمائش کا امکان موجود ہے، اس لئے انہیں یہ بھی گوارا نہیں۔ وہ کہتے ہیں:

جامۂ عریانی غنیمت در نظر عشق خود نمائیست (۳۰)

عشق:

اپنے محبوب خالق کے ساتھ محبت روح زندگی میں استواری کا سبب ہے۔ ایک شاعر نے کہا تھا:

هر کرا عشق نیست آدم نیست

غنیمت بھی اس بات کے قائل ہیں کہ عشق کے بغیر زندگی ناخوشگوار ہے:

هر دل که بود بی اثر عشق تو، باشلہ در چشم غنیمت گره رشتهٔ جانها (۳۱)

بعض لوگ محض تسکین نظر کے لئے حسین چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ بعض لوگ حسینوں میں ان کے خالق کا عکس دیکھتے ہیں۔ اگر چہ اس حسن کی نظارہ بازی میں ہوس کا شائبہ نہیں ہوتا۔ پھر بھی نظر آلودہ ہونے کے اسباب موجود ہوتے ہیں۔ بعض اہل ہوس کسی مادی فائدے کے بغیر نظارہ بازی میں مصروف رہتے ہیں۔ اگر نظر پاک نہ ہو تو یہ بھی ایک قسم کا گناہ ہے۔ خیال ہے کہ غنیمت بھی اس قسم کی نظر بازی سے نادم ہیں:

جز ندامت در نظر بازی نباشد حاصلی چشم ما از کرده های خویشتن امشب تر است (۳۲)

عشق میں ایک ایسا مقام آتا ہے کہ من تو شدم تو من شدی کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ من و تو کا امتیاز اُٹھ جاتا ہے۔ عاشق و معشوق ایک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جس نے عاشق کو دیکھا اس نے خدا کو دیکھا جسے محبوب یعنی خدا کی تلاش ہے وہ عاشق کے پاس جائے تو اسے خدا تک رسائی ہوگی۔ غنیمت اس حقیقت کو جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا ہوا بتا کر اس نقطہ کی وضاحت کی ہے:

میان عاشق و معشوق فرقی نیست چندانی غنیمت ره به جانان می توان برد از سراغ من (۳۳)

سچا عشق بڑی طاقت ہے۔ وہ قوت ارادی اور قوت اعتمادی کو مضبوط کرتا ہے۔ آدمی خدا کے سوا کسی دوسرے پر بھروسا نہیں کرتا۔ اپنی حاجات کے لئے کسی کے سامنے دست دراز نہیں کرتا۔ اس لئے اس میں دنیا

غنیمت کنجاهی

والوں کے سامنے سر بلند رکھنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ غنیمت کو بھی عشق کی یہ نعمت میسر تھی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

چون غنیمت سر فرو نارم به کس از فیض عشق　　تا نفس در راه جانان سوخت باد نخوت است (۳۴)

صوفیہ کا عشق انہیں چپ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ دوسروں کے عیب نہیں ڈھونڈتے۔ دوسروں سے جھگڑا نہیں کرتے۔ صلح کل ان کا درس زندگی ہے۔ غنیمت بھی انہی اخلاق کے حامل ہیں اور دوسروں کو انہی اخلاق کی نصیحت کرتے ہیں مثلاً:

ندامت هاست حاصل گفتگوی بی تأمل را (۳۵)

علاج رخنه ایمان خویش کرد یقین　　کسی که بسته لبِ خود ز عیب جوئیها (۳۶)

تا زدم دستی به دامان بهار صلح کل　　چون گل شد در دل دشمن غبار کینه ام (۳۷)

غنیمت نے اپنے کلام میں زمانے کی اجتماعی اور اخلاقی زندگی پر تبصرہ کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ ہنر کی بے قدری تھی۔ اہل ثروت و حکومت ہنر ناآشنا تھے۔ محتسب خود مجرم تھا، صوفی میخوار تھا، باہمی رواداری، ہمدردی اور مروت عنقا تھی۔ دولت کے بل پر حریفوں کو شکست دی جا سکتی تھی۔ یہ احوال و کوائف ان کی اپنی زبانی سنیے:

نمی خرند غنیمت ز روی بی قدری　　به نرخ خاك فروشیم گر هنر اینجا (۳۸)

هر کلاهی را که من دیدم سرِ بی مغز داشت　　کلسه ها بوده است خلی زیر این سرپوشها (۳۹)

محتسب بگذاشت از کف پاس نام و ننگ را　　می زند هر جا که باید بادهٔ گلرنگ را (۴۰)

درین دریا که عیب است گرم جوشی ها (۴۱)

نظریۂ شعر و اسلوب:

غنیمت کا زمانہ شاعری میں تقلید کا دور شمار ہوتا ہے۔ شعراء ذہین تو تھے لیکن شعری موضوعات کا دائرہ محدود ہو گیا تھا۔ اس لئے شاعر کا کمال فن اس میں سمجھا جاتا تھا کہ وہ بات نئے انداز اور اسلوب سے کہے۔ قوت متخیلہ کو کام میں لا کر نئے سے نیا اور پیچیدہ و ژولیدہ خیال پیش کرے تاکہ قاری اس کے ذہن رسا کا قائل ہو جائے اور اس کے دقیق فکر کی داد دے۔

غنیمت کے پیشِ نظر متقدمین و متاخرین غزل گوشعرا کا کلام تھا۔ وہ ان کے اسلوب کو پسند کرتے تھے۔ ان کا قول تو یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے کے تتبع پر راضی نہیں تھے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

نشود طبع به اقبال تتبع راضی در زمین دگری خانه بنا نتوان کرد [۴۲]

لیکن انہوں نے جا بجا حافظ، فغانی، صیدی تہرانی، ابو طالب کلیم، صائب، قاسم دیوانہ، جلال اسیر اور ناصر علی کی غزلیات کا تتبع کیا ہے۔ بعض کے مصرعوں کو تضمین کیا ہے اور انہی کی بحر و قافیہ و ردیف میں اپنی غزلیں لکھی ہیں۔ کہیں کہیں ان کی برابری کا دم مارا ہے۔ کہیں اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے اور کہیں ان سے عالی رتبہ ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ بقول صاحب مجمع النفائس و مؤلف نشترعشق وہ محمد زمان راسخ کے شاگرد تھے [۴۳]۔ مگر ان کے اشعار میں اس کی طرف اشارہ موجود نہیں۔

غنیمت جانتے تھے کہ شاعری آسان کام نہیں۔ اس کے لئے بڑی گہری فکر کی ضرورت ہے اور کلام کی آرائش و پیرائش کے لئے بھی پیچ و تاب کھانے پڑتے ہیں۔ ان کا قول ہے:

مصرعی رنگین نشد تا خون نشد اندیشه ها

فرو رفتم به فکر و گوهر معنی به دستم آوردم [۴۴]

آرائش سخن کے متعلق فرماتے ہیں:

پیچ و تاب فکر در آرایش نظم سخن شاهدانِ حسنِ معنی را به جای کاکل است [۴۵]

گہری فکر کے ساتھ غزل کا دوسرا عنصر درد و سوز ہے۔ فریاد و فغاں ہے جو آزردہ و شکستہ دل سے نکلتی ہے۔ غنیمت کو احساس تھا کہ اس عنصر کے بغیر غزل اصلی روپ میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

بانگِ شکستِ دل غزلِ عاشقانه بود [۴۶]

درد و داغ می جوشد از کلام او امروز بر زبان غنیمت را در دل آنچه بود آمد [۴۷]

دیوان میں شاید ایک دو غزلیں ایسی نکل آئیں جو صحیح معنوں میں عاشقانہ ہوں یعنی شعری اصطلاح میں ان میں تغزل کارفرما ہو۔ ہاں ایسی غزلوں کی نشاندہی کی جاسکتی ہے جو درد و سوز سے مالا مال ہیں اور شاعر کے احساس و کرب کی آئینہ دار ہیں۔ اس قسم کی نمائندہ غزل یہ ہے:

اسیر تن پرستی گشته ای از دل چه می پرسی
برون نرفته از خود یك قدم منزل چه می پرسی

درون غنچه بنا بیرون گل یك رنگ می باشد
بود پیدا از رنگ چهره حالِ دل چه می پرسی
نیفشاندی سرشك از دیده جمعیت چه می خواهی
نکردی دانه ای در خاك از حاصل چه می پرسی
ندادی دل به شوخی ذوق سر بازی چه می دانی
نخوردی زخم تیغ و حالت بسمل چه می پرسی
به گوشت نالهٔ زنجیر مجنونی نمی آید
ز عزم ناقهٔ لیلای این محمل چه می پرسی
به هر جا می گذاری بر زمین سر آستان اوست
مقام و منزل معشوق ای غافل چه می پرسی[۴۸]

غنیمت کے کلام میں سب سے بڑی خامی وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں خیال کا خاکہ واضح نہیں ہوتا یا خیال کے لئے جامۂ الفاظ ٹھیک نہیں ملتا یعنی معنی کے اظہار کے لئے الفاظ کافی نہیں ہوتے مثلاً یہ اشعار:

به یاد داغهای کهنه دل دارد تماشایی　　بود سیر چمن طاؤس را برگشته دیدنها[۴۹]

پر از غنچه شاخیست در باغ الفت　　قد نازنین تو از جوش دلها[۵۰]

بعض جگہ مضمون پیدا کرنے کے لئے غیر حقیقی اور غیر واقعی مثالیں لاتے ہیں اور عموماً مبالغہ سے کام لیتے ہیں لیکن بعض جگہ اس کے پڑھنے سے دماغ میں شگفتگی پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہی شاعر کے پرواز تخیل یا عمق فکر کا احساس ہوتا ہے، مثلاً:

بی سخن گردد زبان اوسیه همچو غزال　　هر که می خواند غنیمت نامهٔ اعمال ما[۵۱]

یا

از بسک حرف زلف تو بسیار گفته ام　　زنجیر شد چو شمع سخن بر زبانِ ما[۵۲]

بعض جگہ مراعات لفظی کا التزام رکھنے کی وجہ سے بھی خیال میں پیچیدگی اور بیان میں الجھاؤ پیدا ہوتا ہے، مثلاً:

پیش آن چشم سخن گو همچو میل سرمه ناك　　خاك گشته بر زبانها قوت گفتارها[۵۳]

بعض جگہ مبالغہ کی وجہ سے غیر طبیعی نتیجہ نکالا ہے:

بہ چشم مست تو کردم شبی اشارہ ز دور مرا چو گردن مینلست پر شراب انگشت (۵۴)

بعض جگہ خواہ مخواہ مضمون پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مطلب میں صراحت نہ ہونے کی وجہ سے شعر ایک طرف الجھا ہوا اور دوسری طرف بے مزہ ہو گیا ہے۔ اس قسم کے اشعار کی دو مثالیں ملاحظہ کیجئے:

بہ رنگ تاک می بالد رگ جان شہید انت چو می خورند بی باکانہ از بس آب خنجرها (۵۵)

تا سجدۂ کوی شدہ معشوق تمنا وا کردہ ز ابرو بغل شوق جبین ها (۵۶)

ان کے کلام میں مضمون آفرینی کی وجہ سے ہمیں نئی اور وسیع المعنی تراکیب میسر آئی ہیں، مثلاً:

نرگسِ میخانہ سامان اور بلبلِ درد آشیان

لیکن بعض جگہ نامانوس اور غریب تراکیب بھی نظر آتی ہیں، مثلاً:

دکان آھنہا، سبز گردد دانہ زنجیر

اس عہد کا یہ بھی رجحان تھا کہ شعرا قدرت کلام دکھانے کے لئے سخت زمین تلاش کرتے تھے یا مشکل ردیف انتخاب کرتے تھے۔ اس طرح خواہ مخواہ با معنی شعر نکالنے کی کوشش کرنی پڑتی تھی اور کلام میں تکلف اور تصنع پیدا ہو جاتا تھا۔ غنیمت نے بھی بسر شک، بلغل، پری، سبو، ساکنی دارم جیسی ردیفوں میں غزلیں کہی ہیں اور پُر تکلف اشعار نکالے ہیں۔

اس دور کا ایک اور انداز مثالیہ اسلوب ہے۔ ایک مصراع میں کوئی قول پیش کیا جاتا ہے پھر اس کی تائید و توثیق کے لئے دلیل کے طور پر دوسرے مصراع میں مثال پیش کی جاتی ہے۔ صائب، کلیم، غنی اور سیادت اس میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ غنیمت نے بھی جا بجا اس اسلوب کو اپنایا ہے، مثلاً:

رفیقِ نفسِ سر کش از بلا ایمن نمی باشد اجل همراہ می گردد سوار اسپِ توسن را (۵۷)

مثال پہلے نتیجہ بعد میں:

عرق بر چہرۂ ابر از صدای رعد می جوشد ندامت هاست حاصل گفتگوی بی تأمل را (۵۸)

نیرنگ عشق:

یہ غنیمت کی مشہور و معروف مثنوی ہے جو اپنے فصیح انداز بیان کی وجہ سے کافی مقبول ہوئی ہے۔ یہ ۱۰۹۶ھ میں مکمل ہوئی۔ "گلزار بہار فکر رنگین" سے تاریخ نکلتی ہے۔ کل پندرہ سو اشعار ہیں۔ مثنوی کی کہانی مختصراً یہ ہے:

ایک غریب کے ہاں بچہ پیدا ہوا جو شوکت حسن سے مالا مال تھا۔ اس کا نام شاہد رکھا گیا۔ باپ اس کی ولادت سے پہلے فوت ہو گیا تھا۔ لڑکا دس سال کا ہوا تو قیامت نکلا۔ اس کے حسن کے چرچے ہوئے۔ ایک مرتبہ

اس کے شہر میں مقلد پیشوں کی ایک جماعت پہنچی۔ انہوں نے شاہد کی ماں کو روپیہ دے کر شاہد کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا اور اسے رقص و سرود کی تعلیم دی۔ کچھ عرصے کے بعد اسے ساتھ لے کر چل دیئے۔ ایک شہر میں پہنچے۔ جس نے اسے دیکھا تاب حسن نہ لا کر بے تاب ہوا۔ جب اس کے حسن کی گونج دور دور تک پہنچی تو محتسب کو حکم ہوا کہ اس فتنے کو دور کرے۔ محتسب اسے دیکھ کر خود اپنے بس میں نہ رہا۔ آخر قاضی کے حکم سے مقلدوں کو شہر سے باہر نکال دیا گیا۔ امیر شہر کے ولی عہد "عزیز" کو بھی دوستوں کی معرفت شاہد کی رعنائی اور دلفریبی کی اطلاع پہنچی۔ عزیز نے چوری چھپے محفل رقص منعقد کی۔ شاہد کو دیکھ کر وہ دل و جان سے فریفتہ ہو گیا۔ اسے اپنے گھر لا کر آرائش کے تمام سامان مہیا کیے۔ خواجہ سرا نے امیر کو اس حال سے باخبر کیا، جس کے حکم سے شاہد کو گھر سے نکال باہر کیا گیا۔ عزیز تاب فراق نہ لا کر اس کے پیچھے چل دیا۔ باپ شفقت پدری سے مجبور ہوا اور اس نے دونوں کو واپس بلایا۔ دونوں اکٹھے رہنے لگے۔ شاہد مدرسے میں رہنے لگا۔ چند سال گزر گئے۔ اب شاہد جوان ہو چکا تھا۔ ایک دن وہ شکار کو نکلا۔ عزیز اور دوسرے ساتھی بھی ہمراہ تھے۔ ہرن کا تعاقب کیا۔ وہ خود دور نکل گیا اور ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ ایک گاؤں میں پہنچا جہاں پنگھٹ پر گاؤں کی البیلی دوشیزائیں جمع تھیں۔ شکار کو گیا تھا۔ خود کسی کے تیر نظر کا شکار ہو گیا۔ وہ گاؤں کے نمبردار کی لڑکی تھی۔ شاہد رات اسی گاؤں میں ٹھہرا۔ اچانک اسی رات افغانوں نے چھاپہ مارا لوٹ مار کی اور بہتوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ شاہد اور اس کی محبوبہ بھی اسیر ہوئے۔ شاہد کے ساتھی اس کی تلاش میں آئے اور گاؤں میں آ کر یہ ماجرا سنا۔ انہوں نے افغانوں کی جائے پناہ پر حملہ کیا۔ شاہد اور اس کی محبوبہ کو نجات دلائی۔ شاہد نے اپنی منظور نظر کو حاصل کرنے کے لئے ایک بڑھیا کی خدمات حاصل کیں جس نے لڑکی کے والد کے پاس رشتے کا پیغام دیا۔ وہ عورت خود تو وہاں ٹھہری رہی اور لڑکی کے ساتھ خفیہ ملاقات کر کے اسے ایک فقیر کے ہمراہ وہاں سے نکلوا دیا۔ شاہد اپنی محبوبہ کو لے کر ایسا غائب ہوا کہ پھر اس کی خبر نہ ملی۔ اس کا عاشق دوست یعنی عزیز اس کی جدائی میں دیوانہ ہو گیا۔

اصلیت قصہ:

یہ بات مثنوی سے واضح ہوتی ہے کہ یہ قصہ پنجاب سے متعلق ہے عزیز حاکم وقت امیر کا بڑا بیٹا اور ولی عہد تھا۔ مطبوعہ مثنوی کے اختتام پر حاشیہ نگار نے عزیز کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نواب مکرم خان لاہور کا بیٹا تھا لیکن تاریخی شواہد سے یہ بات واضح ہے کہ نواب مکرم خان حاکم لاہور لاولد تھے۔ البتہ انہوں نے اپنا ایک متبنیٰ بنا رکھا تھا جس کا نام عبیداللہ تھا[۵۹]۔ اکثر تذکرہ نگاروں کا یہی بیان ہے کہ عزیز نواب مکرم خان کا بیٹا تھا لیکن ان کے مقابل صاحب گل رعنا نے ایک اور بیان دیا ہے لیکن اس کا مآخذ نہیں بتایا۔ اس نے لکھا ہے:

"غنیمت در اوایل حال به همراهی میرزا ارتق بیگ فوجدار قصبه سیالکوت به سر می برد- در آن ایام میرزا عبدالعزیز خلف میرزای

مذکور بر شاهد نامی امرد پسری که از رقاصان بود تعشق بهم رسانید و کارش به رسوایی کشید۔ غنیمت که از هم صحبتان و غمخواران آن عزیز مصر عشق بود به موجب فرمایش مرزا ارتق بیگ آن قصه را که هزار و پانصد بیت موافق اعداد غنیمت باشد مسمی به نیرنگ عشق موزون کرد"[۶۰]۔

یہ بیان بھی تسلی بخش نہیں کیونکہ مثنوی میں غنیمت عزیز کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ فرمانروا کا ولی عہد تھا:

در آن فرمانروائیهای موجود ولی عهدش اگر بود آن پسر بود[۶۱]

ارتق بیگ فوجدار تھا اس کے بیٹے کو ولی عہد نہیں کہا جا سکتا۔

مثنوی میں غنیمت کے اپنے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس کا چشم دید ہے اور اس نے یہ مثنوی حکم کی تعمیل میں مجبور ہو کر تصنیف کی۔ مندرجہ ذیل اشعار سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے:

حدیث عشق بود از گفتنم دور ولی بودم به حکم امر معذور

سخن گفتم به امید تمیزی گهر سفتم به تکلیف عزیزی[۶۲]

مولانا غنیمت کے ایک ہم وطن ادیب شریف کنجاہی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے[۶۳] کہ اس قصے کی اصلیت صحیح نہیں۔ مندرجہ بالا شعر میں عزیز سے مراد اسم خاص نہیں بلکہ صرف ایک عزیز مراد ہے جس کے کہنے سے مولانا نے یہ مثنوی لکھی اور شعر سے بھی یہی معنی متبادر ہوتے ہیں۔ انہوں نے مزید یہ دلیل دی ہے کہ غنیمت نے لکھا ہے کہ عزیز شاہد کی جدائی میں دیوانہ ہو گیا۔

ز شهر آرایی دانش بیرون شد اسیر وسعت آباد جنون شد[۶۴]

وہ لکھتے ہیں کیا جب وہ ''اسیر وسعت آباد جنون'' ہو گیا تھا تب اس نے اس قصے کو منظوم کرنے کی فرمائش کی تھی۔

شریف صاحب کا یہ بھی خیال ہے کہ غنیمت کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں اور مندرجہ ذیل اشعار میں جہاں وہ اپنی موجودگی کا ذکر کرتا ہے، وہ محض اندازِ بیان ہے۔ جب شاہد خود قاصد بن کر جاتا ہے تو وہ اپنے دوستوں میں سے غنیمت کا تعارف یوں کراتا ہے:

بگفتا زان میان موزون جوانی غنیمت نام بود آتش زبانی[۶۵]

مکتب کے ذکر میں کہتا ہے:

بر آمد بر در مکتب خروشم که من سیپارهٔ دل می فروشم[۶۶]

شریف صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سے بعضوں نے یہی سمجھ لیا ہے کہ غنیمت سچ مچ سیپاروں کا بقچہ بغل میں دبائے اس مکتب کے دروازے پر صدا دینے چلے گئے تھے۔ وہ بھول گئے کہ غنیمت ایک مفتی شہر کا فرزند تھا اور صاحب علم و فضل" (۶۷)۔

شریف صاحب گوارا نہیں کرنا چاہتے کہ غنیمت کا نام عزیز کے ہم مجلسوں میں ہو اور وہ اس "کار بد" میں اس کا شریک ہو۔ لیکن اگر اس واقعہ سے غنیمت کا کوئی تعلق نہیں تھا تو اس نے خواہ مخواہ اس قصے میں اپنی شخصیت داخل کر کے کیوں بیان کو غیر طبعی بنایا۔ دوسرے موقعے پر تو ایک بیان کا عنوان بھی یہ ہے:

"رفتن مولانا غنیمت برای سیر مکتب خانهٔ شاهد"

اس عنوان کے تحت جتنے اشعار لکھے ہیں، وہ اس کی اپنی شیفتگی اور عشق کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ فقیروں کی طرح "من سیپاره دل می فروشم" کی صدائیں نہیں لگاتا ہوگا لیکن اس کے عشق بھرے دل سے اس قسم کی آوازیں تو ضرور نکلتی ہوں گی۔ شریف صاحب کہتے ہیں کہ یہ نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ وہ مفتی شہر کا فرزند تھا۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ مفتی کا بیٹا ہمیشہ سنجیدہ و پرہیز گار ہی ہوتا ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو شاعری اور مثنوی طرازی دو متضاد کام ہیں۔ اگر غنیمت پر مفتی پن کی پرچھائیں ہوتی تو وہ تڑپتی اور پھڑکتی عشقیہ مثنوی نہ لکھ سکتے اور ایک لڑکے کو پری زاد اور حور شمائل بنا کر خود کو اور دوسروں کو اس کے عشق میں دیوانہ نہ بناتے۔ اب شریف صاحب نے مزید تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ غنیمت کے مفتی زادہ ہونے کا کوئی معاصر ثبوت نہیں (۶۸)۔

مضمون قصہ:

شاید ادبیات فارسی میں یہ پہلی عشقیہ مثنوی ہے جس میں عاشق و معشوق دونوں مرد ہیں۔ اگر کسی کو پہلے سے معلوم نہ ہو کہ شاھد ایک لڑکا ہے تو مثنوی کے پہلے تیس صفحوں تک اسے یہی یقین رہے گا کہ مثنوی کا محبوب صنف نازک سے تعلق رکھتا ہے۔ مصنف نے اس کے چشم و ابرو، قد و قامت، زلف و کمر کی توصیف کچھ اس انداز سے کی ہے کہ شعراء کے عام محبوب اور اس مرد بچہ کے اوصاف میں فرق نہیں کیا جا سکتا۔ کئی جگہ اس کو پری زاد نازنین اور حور خصال لکھا ہے۔ چونکہ شاہد کی عمر دس بارہ سال تھی۔ لمبے بال بھی رکھے تھے۔ نازک اندام بھی تھا۔ اس پر قیامت رقص کی تعلیم حاصل کر رکھی تھی۔ ممکن ہے کوئی خیال کرے کہ عزیز اور شہر کے دوسرے نوجوانوں نے اسے لڑکی ہی سمجھا ہو۔ کیونکہ مثنوی میں شاہد کے لئے جس شیفتگی کا اظہار کیا گیا ہے وہ اگر ایک امیر ولی عہد رموز عشق سے آشنا شخص کی طرف منسوب ہو تو عجیب اور غیر طبعی بات معلوم ہوتی ہے۔ یہ گمان بھی ہو سکتا ہے کہ عالمگیر جیسے زاہد اور سخت گیر شہنشاہ کے عہد حکومت اور فقیہ و محتسب کی فرمانروائی میں زن و مرد کی عشقیہ داستان منظوم

کرنا مفتی زادے کے لئے معیوب ہو۔ اگر یہ واقعہ سچا ہے تو کوئی بعید نہیں کہ عورتوں کی کمیابی اور حجاب کی وجہ سے ایسے غیر فطری رجحان پیدا ہو جائیں اور بھوکی نگاہیں ہوس کی تسکین کے لئے حسین دوشیزاؤں کے بجائے حسین لڑکوں کو تلاش کریں اور اگر یہ قصہ فرضی ہے اور اس کے بیان کرنے سے پہلے کہانی کا نتیجہ مصنف کے پیش نظر تھا تو مضمون کی ناگواری درگذر کے قابل ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وہ تصوف وطریقت کے پیرو ہیں اور ان کی نظر میں:

مجاز آیینه دار روی معنیست　　　سیر این جاده هم در کوی معنیست[۶۹]

عشق مجازی کے بغیر عشق حقیقی تک رسائی نہیں ہوتی:

که بی جامِ می صورت کشیدن　　　نیاری جرعۂ معنی چشیدن[۷۰]

خصوصیات:

یہ مثنوی جامی کی یوسف زلیخا کے تتبع میں کہی گئی ہے۔ مضمون کے اعتبار سے نہیں بلکہ وزن وہیأت کے اعتبار سے مصنف نے دو جگہ اس کے اشعار بھی اپنی مثنوی میں سمو لیے ہیں، مثلاً یہ شعر:

الٰهی غنچۂ امید بکشا　　　گلی از روضۂ جاوید بنما[۷۱]

غنیمت کا دل سوزِ عشق سے مالا مال ہے۔ اس نے قاضی الحاجات سے دعا مانگی تھی:

دلی ده سر بسر عشق و همه سوز　　　سرشك دیدۂ داغ دل افروز
دلی ده مسکن عشق ستم زاد　　　ز گرمی محبت آزر آباد[۷۲]

اسی لیے اس نے اس عشقیہ داستان کو جوش وسوز سے بیان کیا ہے۔ جا بجا ایسے اشعار آئے ہیں جن میں احساسات کی تندی محسوس ہوتی ہے۔ بیان میں ولولہ معلوم ہوتا ہے۔ بعض جگہ واردات کی کیفیت نظر آتی ہے۔ گویا مصنف اس داستان کو اپنی داستان بنا کر بیان کر رہا ہے۔ اپنی تصنیف کے بارے میں اس کی رائے یہ ہے:

نه شعر این نالۂ خونی نوائیست　　　شکست شیشۂ دل را صدائیست
قلم ننوشت جز بیتابی دل　　　دواتم بود حلقۂ مرغِ بسمل
نمودم چون حدیث عاشقی سر　　　پر پروانه شد اوراق دفتر
به حرفِ دل گدازی لب کشودم　　　دهن را دیدۂ گریان نمودم[۷۳]

جب آدمی اپنے دل کی بات کو دوسروں پر واضح کرنا چاہتا ہے یا کسی شخص کو اپنی مدد کے لئے پکارتا ہے تو جوش میں آ کر اپنی بات کو دہراتا ہے تا کہ سننے والے پر اس کی فریاد کا اثر ہو۔ جہاں ایسا موقع آیا ہے۔ غنیمت نے بھی اپنے دل کی ویسی ہے کیفیت کو تکرار کلمات سے ادا کیا ہے۔ اس اندازِ بیان سے جہاں اس کی قدرت کلام واضح ہے، وہاں دل کی فریاد کا طبعی اظہار نہایت موزوں ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھئے:

غنیمت کنجاهی

اسیرم کرد کافر ماجرائی رهائی یا نبی الله رهائی

مرا ای جانجان از روی ایمان مسلمان کن مسلمان کن مسلمان

به دست نفسِ کافر کیش خونخوار گرفتارم، گرفتارم، گرفتارم (۷۴)

مثنوی میں جہاں کہیں سوال و جواب کا انداز آیا ہے، اس میں بھی پیارا اسلوب ہے اور شاعرانہ لطافت موجود ہے۔ اس سے پڑھنے والے کے دل میں حیرت و تحسین کے جذبات ابھرتے ہیں مثلاً یہ اشعار:

بگفتا قیمتش؟ گفتم نگاهی بگفتم کمترک گفتا که گاهی (۷۵)

بگفتا پیشتر آ پیش رفتم تکلف بر طرف از خویش رفتم (۷۶)

سبک ہندی جو اپنی نازک خیالیوں اور معنی آفرینیوں کے لئے معروف ہے، اس مثنوی میں بھی کہیں کہیں کارفرما ہے لیکن خیال میں اتنی پیچیدگی نہیں آئی کہ معانی میں الجھاؤ پیدا ہو جائے۔ تھوڑی سی فکر کے بعد معنی اجاگر ہو جاتے ہیں۔ مثال کے لئے یہ دو اشعار ملاحظہ کیجئے:

چه تنداست این شراب آتشین جوش پسر خورد و پدر گردید مدهوش (۷۷)

شهید چشمِ مستش راست جاری به جای خون شراب از زخم کاری (۷۸)

مثنوی کی تشابیہ و استعارات میں ندرت اور شگفتگی ہے:

به روی سینه اش سیب دو پاره علاج قوتِ ضعفِ نظاره (۷۹)

رسانیدند پیغام رسیدن بهار گفتن و عید/شنیدن (۸۰)

شفق سرمایۂ چشم از دیدن گل چمن سامان نگاه از چیدن گل (۸۱)

مثنوی نیرنگِ عشق کی شروح بھی لکھی گئی ہیں۔ ابھی تک دو کا سراغ مل سکا ہے:

(۱) شرح نیرنگ عشق، نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ Pivi/161B پر موجود ہے۔ کل ۷۹ ورق ہیں۔ سال تحریر ۱۱۹۰ھ-ق ہے۔ شارح کا نام دوست محمد ہے (۸۲)۔

(۲) دوسری مبسوط و مفصل شرح بھی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ Pivi-161A پر موجود ہے۔ ۳۱۶ ورق ہیں۔ شارح کا نام محمد اشرف انصاری ہے۔ سال تالیف معلوم نہیں (۸۳)۔

حواشی

(۱) دلاوری، صادق علی، ''غنیمت کنجاہی''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، مئی ۱۹۴۲ء، جلد ۱۸، عدد ۳، عدد مسلسل ۶۹، صص ۱۴-۳۷ (مرتبین)۔

(۲) چغتائی، محمد عبداللہ، ''مثنوی نیرنگ عشق کا ایک مخطوطہ''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، فروری ۱۹۴۳ء، جلد ۱۹، عدد ۲، عدد مسلسل ۷۲، صص ۵۲-۵۴ (مرتبین)۔

(۳) دلاوری، صادق علی، ''غنیمت کا وطن''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۴۳ء، جلد ۲۰، عدد ۱، عدد مسلسل ۷۵، صص ۲۶-۳۲ (مرتبین)۔

(۴) شریف کنجاہی، ''رقعات غنیمت کنجاہی پر ایک نظر''، مجلّہ فنون، لاہور، اپریل، مئی ۱۹۷۴ء، جلد ۱۸، شمارہ ۵، ۶، صص ۳۳-۴۲ (مرتبین)۔

(۵) شرافت نوشاہی، ''مولانا غنیمت کنجاہی کے کچھ مزید حالات''، مجلّہ العلم، کراچی، اپریل-جون ۱۹۷۴ء، صص ۲۴-۳۶ (مرتبین)۔

(۶) شرافت نوشاہی، شریف التواریخ، جلد سوم، حصہ دوم، ادارۂ معارف نوشاہیہ، ساہنپال شریف، گجرات، ۱۹۸۴ء، صص ۲۷۶-۲۷۷ (مرتبین)۔

(۷) غنیمت کنجاہی، مثنوی نیرنگ عشق، بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۵ (مرتبین)۔

(۸) ایضاً، ص ۴؛ صاحب مقالہ نے یہ شعر اس طرح سے درج کیا ہے:

چو من خود را سگ کوی تو خواندم　　باھوی حرم نسبت رساندم

(۹) غنیمت کنجاہی، دیوان غنیمت، بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۲۵۵ (مرتبین)۔

(۱۰) ایضاً، ص ۱۷۷ (مرتبین)۔

(۱۱) شرافت نوشاہی، ''رقعات غنیمت کنجاہی''، مجلّہ صحیفہ، لاہور، جنوری ۱۹۷۴ء، شمارہ ۶۲، ص ۶ (مرتبین)۔

(۱۲) اورنگ آبادی، شفیق، تذکرہ گل رعنا، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعہ شیرانی، شمارہ ۱۴۹، ص ۲۲۷۔

(۱۳) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۵۴ (مرتبین)۔

(۱۴) سنبھلی حسین دوست، تذکرہ حسینی، انتشارات منشی نول کشور، ص ۲۳۰ (مرتبین)۔

(۱۵) شرافت نوشاہی، شریف التواریخ، جلد سوم، حصہ دوم، صص ۲۷۱-۲۷۲ (مرتبین)۔

(۱۶) ڈاکٹر عارف نوشاہی دیوان غنیمت کے خطی نسخوں سے متعلق مثنوی گلزار محبت کے مقدمہ کے صفحہ نمبر ۴۲ پر یوں رقم طراز ہیں:
''پاکستانی کتب خانوں میں موجود دیوانِ غنیمت کے قلمی نسخوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے: احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان، ج ۸، صص ۱۰۱۶-۱۰۱۷، ان میں ۵ نسخے قدیم اور ۳ نسخے جدید ہیں۔ ان میں سید نور محمد قادری مرحوم، چک ۱۵ شمالی، ضلع منڈی بہاء الدین کا مملوکہ وہ نسخہ شامل نہیں ہے جس کا تعارف انہوں نے اپنے مندرجہ ذیل دو مضامین میں کروایا ہے۔

۱۔ قادری، سید نور محمد، ''دیوان غنیمت کا ایک اور خطی نسخہ''، مجلہ فنون، لاہور، مارچ ۱۹۷۵ء، صص ۴۸-۵۱

۲۔ قادری، سید نور محمد، ''دیوان غنیمت کا ایک نادر مخطوطہ'' ماہ نامہ نقوش، لاہور، سالنامہ، جون ۱۹۸۵ء۔

اس وقت یہ نسخہ سید نور محمد قادری کے صاحبزادہ سید محمد عبداللہ قادری، مقیم واہ چھاؤنی کے پاس ہے۔ ۲۰۰۶ء میں راقم السطور (عارف نوشاہی) نے اس کے پاس دیکھا تھا اور اچھی حالت میں ہے'' (مرتبین)۔

(۱۷) Ethe, Hermann; Catalogue of Persian Manuscripts in the India Office Library, Vol.I, 1980, pp.899-900

بقول ڈاکٹر عارف نوشاہی کے: ہرمن اتھے نے انڈیا آفس لندن میں ایک ساقی نامہ کو غنیمت کے ایک قلمی دیوان (نمبر۱۶۵۲) کے ساتھ مجلد ہونے کی وجہ سے غنیمت کی تصنیف قرار دیا ہے۔ بعد میں غنیمت کے سوانح نگاروں نے اسے بھی غنیمت کی تصانیف کی فہرست میں شامل کر لیا جیسے: شرافت نوشاہی، العلم، ۳۶ (غلطی سے نسخے کا مقام برٹش میوزیم اور ناقل کا نام ریو لکھا ہے)؛ گوہر نوشاہی، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۶۱ء؛ ظہور الدین احمد، پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ، ج ۳، ص ۱۳۔ اتھے نے اس ساقی نامہ کا جو مطلع نقل کیا ہے۔ وہ ناصر علی سرہندی کے ساقی نامہ سے ملتا ہے (احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان، ج ۸، ص ۹۸۱) اور اس کا جو مقطع لکھا ہے اس سے شاعر کا تخلص ''نگہت'' معلوم ہوتا ہے۔

چه حاصل نگهت از طول کلام است　　　　تمام است و تمام است و تمام است

اگر لندن کا نسخہ سامنے ہوتا تو اسے ناصر علی سرہندی کے ساقی نامہ کے کسی اور نسخے سے ملا کر کسی حتمی نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے۔ احقر [عارف نوشاہی] کے خیال میں فی الحال اسے غنیمت کی تصانیف کی فہرست میں شامل نہیں کیا جانا چاہیے''۔ (بہ نقل از حواشی مقدمہ گلزار محبت، ص ۴۳)۔ (مرتبین)

(۱۸) ڈاکٹر عارف نوشاہی نے جنوری ۲۰۰۸ء میں یہ مثنوی مقدمہ تصحیح و تعلیقات کے ساتھ شائع کی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: غنیمت کنجاہی، مثنوی گلزار محبت، مرتبہ عارف نوشاہی، المیر ٹرسٹ لائبریری مرکز تحقیق و تالیف، گجرات، جنوری ۲۰۰۸ء (مرتبین)۔

(۱۹) گلزار محبت، ص ۱ (مرتبین)۔

(۲۰) ایضاً، ص ۱۰۷ (مرتبین)۔

(۲۱) منزوی احمد، فہرست مشترک نسخہ ھای خطی فارسی، جلد ۵، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، صص ۲۷۹-۲۸۶ (مرتبین)۔

(۲۲) رقعات غنیمت کنجاہی، مجلہ صحیفہ، ص ۵ (مرتبین)۔

(۲۳) دیوان غنیمت، ص ۶۸ (مرتبین)۔

(۲۴) یہ شعر مطبوعہ دیوان میں موجود نہیں ہے (مرتبین)۔

(۲۵) ایضاً، ص ۴۱ (مرتبین)۔

(۲۶) ایضاً، ص ۶۵ (مرتبین)۔

(۲۷) ایضاً، ص ۳۷ (مرتبین)۔

(۲۸) ایضاً، ص ۴۰ (مرتبین)۔

(۲۹) ایضاً، ص ۸۲ (مرتبین)۔

(۳۰) ایضاً، ص ۸۲ (مرتبین)۔

(۳۱) ایضاً، ص ۴۳ (مرتبین)۔

(۳۲) ایضاً، ص ۶۵، صاحب مقالہ نے دوسرا مصراع اس طرح سے لکھا ہے:

چشم ما از کرده های خویش امشب تر است (مرتبین)۔

(۳۳) ایضاً، ص ۲۴۸ (مرتبین)۔

(۳۴) ایضاً، ص ۸۲ (مرتبین)۔

(۳۵) ایضاً، ص ۴۱ (مرتبین)۔

(۳۶) ایضاً، ص ۵۱ (مرتبین)۔

(۳۷) ایضاً، ص ۲۲۵ (مرتبین)۔

(۳۸) ایضاً، ص ۳۵ (مرتبین)۔

(۳۹) ایضاً، ص ۴۸، صاحب مقالہ نے پہلا مصراع اس طرح سے لکھا ہے:

هر کلاهی که من دیدم سر بی مغز داشت

(مرتبین)

(۴۰) ایضاً، ص ۵۰ (مرتبین)۔

(۴۱) ایضاً، ص ۴۴ (مرتبین)۔

(۴۲) ایضاً، ص ۱۴۰ (مرتبین)۔

(۴۳) آرزو، سراج الدین علی خان، تذکرۂ مجمع النفایس بہ تصحیح مہر نور محمد، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، جلد دوم، ص ۱۱۷۲؛ عظیم آبادی، حسین قلی خان، نشتر عشق، دوشنبہ، ۱۹۸۳ء، جلد سوم، ص ۱۱۱۵ (مرتبین)۔

(۴۴) دیوان غنیمت، صص ۳۴، ۴۲، اصل مقالہ میں یہ مصرعے ایک شعر کی صورت میں اس طرح سے درج ہیں:

مصرع رنگین نشد تاخون نشد اندیشه ها

فرو رفتم بفکر و گوهر بدستم آوردم

(مرتبین)

(۴۵) ایضاً، ص ۷۲ (مرتبین)۔

(۴۶) ایضاً، ص ۱۱۹ (مرتبین)۔

(۴۷) ایضاً،ص ۱۲۶(مرتبین)۔

(۴۸) ایضاً،ص ۲۶۷(مرتبین)۔

(۴۹) ایضاً،ص ۳(مرتبین)۔

(۵۰) ایضاً،ص ۵(مرتبین)۔

(۵۱) ایضاً،ص ۱۳(مرتبین)۔

(۵۲) ایضاً،ص ۱۹؛ صاحب مقالہ نے پہلا مصراع یوں لکھا ہے:

بسکہ حرف زلف تو بسیار گفتہ ام

(مرتبین)

(۵۳) ایضاً،ص ۲۰(مرتبین)۔

(۵۴) ایضاً،ص ۷۶(مرتبین)۔

(۵۵) ایضاً،ص ۲۱(مرتبین)۔

(۵۶) ایضاً،ص ۴۴(مرتبین)۔

(۵۷) ایضاً،ص ۱۴(مرتبین)۔

(۵۸) ایضاً،ص ۴۱(مرتبین)۔

(۵۹) شاہنواز خان، نواب صمصام الدولہ، مآثر الامرا، بہ تصحیح جناب مولوی مرزا اشرف علی، ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال کلکتہ، ۱۸۹۴ء، ص ۷۹۸۔

(۶۰) اورنگ آبادی، شفیق، تذکرہ گل رعنا، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۱۴۹۰ء، ص ۳۲۷ب۔

(۶۱) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۱۱(مرتبین)۔

(۶۲) ایضاً،ص ۵۴(مرتبین)۔

(۶۳) شریف کنجاہی، ''غنیمت کنجاہی کی مثنوی''، روز نامہ امروز، لاہور، فروری ۱۹۵۸ء، شمارہ ۹، (مرتبین)۔

(۶۴) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۵۳(مرتبین)۔

(۶۵) ایضاً،ص ۳۷(مرتبین)۔

(۶۶) ایضاً،ص ۳۳(مرتبین)۔

(۶۷) شریف کنجاہی صاحب نے غنیمت سے متعلق تین مقالات تحریر کیے ہیں اور یہ عبارت ان تینوں مقالات میں موجود نہیں ہے(مرتبین)۔

(۶۸) شریف کنجاہی، رقعات غنیمت کنجاہی پر ایک نظر، مجلہ فنون، لاہور، اپریل-مئی ۱۹۷۴ء، جلد ۱۸، شمارہ ۵، ۶، ص ۳۲ (مرتبین)۔

(۶۹) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۷(مرتبین)۔

(۷۰) ایضاً،ص ۷ (مرتبین)۔

(۷۱) ایضاً،ص ۳۷ (مرتبین)۔

(۷۲) ایضاً،ص ۲ (مرتبین)۔

(۷۳) ایضاً،ص ۵۴ (مرتبین)۔

(۷۴) ایضاً،ص ۳ (مرتبین)۔

(۷۵) ایضاً،ص ۳۳،اس مطبوعہ نسخہ میں یہ شعر اس طرح درج ہے:

بگفتا قیمتش گفتم نگاهی بگفتا کمترک گفتم که گاهی

(مرتبین)

(۷۶) ایضاً،ص ۳۳ (مرتبین)۔

(۷۷) ایضاً،ص ۲۷ (مرتبین)۔

(۷۸) ایضاً،ص ۱۲ (مرتبین)۔

(۷۹) ایضاً،ص ۴۲ (مرتبین)۔

(۸۰) ایضاً،ص ۱۶ (مرتبین)۔

(۸۱) ایضاً،ص ۸ (مرتبین)۔

(۸۲-۸۳) منزوی ،احمد، فہرست مشترک نسخه های خطی فارسی پاکستان، جلد۸، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء،ص ۱۰۲۴؛

Abdullah, S.M,A Descriptive Catalogue of Persian, Urdu and Arabic Manuscripts in the Punjab University Library, Vol I, Fasciculus II, Lahore, 1948, P.375(مرتبین)

دکتر محمد ظفر خان

غنیمت کنجاہی ☆

علاقه اهل پاکستان نسبت به زبان و فرهنگ و ادبیات ایران از قدیم الایام ادامه دارد ' زیرا دو ملت ایران و پاکستان قرنها قبل از طلوع اسلام روابط فرهنگی و سیاسی و تجارتی داشتند- در عهد پادشاهان هخامنشی و ساسانی قسمتی ازین سرزمین جزو کشور ایران بود، ولی نفوذ زبان پارسی در پاکستان به طور فاحش در اوایل قرن پنجم هجری با ورود غزنویان به شبه قاره هند و پاکستان و تاسیس حکومت اسلامی در پاکستان باختری آغاز شد و ازان بعد هر خانواده ای که سریر آرای سلطنت شد ، در ترویج زبان فارسی و تشویق شعرا و نویسندگان دقیقه ای فرو نگذاشت- ولی زمان حکومت مغول با این زبان در شبه قاره پاکستان و هند بر اوج قدرت خود رسید و زبان رسمی و علمی و ادبی این سر زمین گردید-

زبان فارسی در پاکستان باختری بالخصوص در پنجاب به اوج کمال رسید و اول کسی که بعد از ورود غزنویان در این سامان احساسات و جذبات خود را در شعر فارسی اظهار نمود ، مسعود سعد سلمان لاهوری (د- ۵۱۵ ق) بود- او را می توانیم جد امجد سخنوران فارسی گوی پاك و هند شمار کنیم- ازین بعد بسیاری از شعرای نغز گو درین سر زمین متولد شدند و به همت شان زبان فارسی ریشه دار گردید و هم اکنون که نه صد سال گذشته است، بازار این زبان درین سامان گرم است- بدون مبالغه است اگر بگوییم که عدهٔ شعرای فارسی گوی پنجاب بیش از عدهٔ شعرای دیگر نقاط پاکستان و هند می باشد- برما لازم است که درین باب تجسس و کنجکاوی را به کار برده از احوال و آثار شعرا و نویسندگان پنجاب پرده بکشیم تا دوستداران زبان فارسی از نبوغ آنان تقدیر نمایند و ارزش کلام آنان را آن طوری که باید بشناسند- چنانکه گفته ایم زبان و ادبیات فارسی در دورهٔ مغول بیشتر انتشار یافت، می خواهیم

☆ هلال، کراچی، مارس ۱۹۶۱م، جلد۸، شماره ۳-٤ ، صفحات ٦٤-٧١

که یکی از شعرای نامور آن دوره را که به تخلص خود اعنی غنیمت معروف است به وسیله مجله شریفهٔ هلال معرفی نماییم۔

محمد اکرم المتخلص به غنیمت یکی از معروف ترین شعرای دورهٔ اورنگ زیب عالمگیر بوده است۔ آباء و اجدادش از شام هجرت نموده، در پاکستان باختری وارد شدند و در دهکدهٔ کنجاه که به فاصلهٔ هفت میل از بلدهٔ گجرات واقع است، متمکن شدند۔ افراد خانوادهٔ شاعر ما عالمان دین بودند۔ پدرش نذر محمد و عمش ابو البقا از دولت دینوی و معنوی بهره ور و از مریدان و خلفای سید العارفین حاجی محمد نوشه گنج بخش بودند۔ سال ولادت آن شاعر نامور در تتق خفا مستوراست ولی از ماخذ داخلی می توان استنباط کرد که او در نصف دوم قرن یازدهم پا به عرصهٔ وجود نهاد۔ در ایام طفولیت مایل به تحصیلات علم و فن نبود و در لهو و لعب به سر می برد۔ ولی نظر عنایت سید صالح محمد گیلانی (د- ۱۰۷۲ق) او را از حضیض جهالت برداشته فضیلت علم کرامت فرمود۔ غنیمت اظهار عقیدت خود نسبت به آن مرشد کامل در مثنوی نموده گفته است:

بیا بنگر در شاهی که آنجا — تجلیهاست مشتاق تماشا
نظر گر سرمه سا گردد ز توفیق — بدین در حلقه بینی چشم تحقیق
در کشور کشای فیض سرمد — امام عاشقان صالح محمد
مهین نوباوهٔ گلزار وحدت — گزین گلدستهٔ باغ سیادت
سر و سر حلقهٔ صاحبدلان است — جنید وقت شبلی زمان است
خیال از جلوهٔ او روح در بر — دهن از نام او لبریز کوثر
کند از یك نگاه مهر پرور — کف خاك ترا خورشید انور
می شوقت اگر در جام ریزد — انا المقصود از گرد تو خیزد [1]

نمی توانیم بگوئیم که غنیمت تحصیلات علوم متداوله از که نمود ولی در فن شاعری او تلمیذ رشید محمد زمان راسخ (د-۱۱۰۷ ق) است۔ به فیض صحبت آن خوش خیال زمان صیت شهرت شاعری و سخن پردازی او به غایت رسید که سرخوش او را "از خاکیان هند غنیمت" است [2]۔ لاریب در مثنوی گویی سبقت از

همگنان ربوده است۔

غنیمت شاعر نغز و بدیهه گو بود جمله تذکره نگاران براین اتفاق دارند که غنیمت به غایت خوش خلق و شگفته مزاج بود۔ شگفتگی مزاجش از مثنویش آشکار است۔ در ضمن بدیهه گوئی او گفته اند که غنیمت روزی در بازار می رفت ' طفلی شوخ و شنگ نزدش آمد و بدون سلام مسنون گفته پرسید " وزن رباعی چیست؟ " غنیمت نگاهی بر او انداخته فی الفور گفت :

شیطان پسری پیش من آمد در راه　　پرسید ز من وزن رباعی ناگاه
چون شوخی طبعش را بدیدم گفتم　　لاحول ولا قوة الا بالله

از کلمات الشعرای سرخوش این امر واضح است که در آن زمان امرا و شاهزادگان همچو پادشاه گیتی پناه ارزش کلام شعرا را کماحقه نمی شناختند و شعرا که شعر را وسیلهٔ معیشت خود دانسته بودند در عالم کس مپرسی به سر می بردند۔ غنیمت نیز شکوه سنج قدر ناشناسی ارباب زمانه است چنانکه گوید:

نمی خرند غنیمت ز روی بی قدری　　به نرخ خاك فروشیم گر هنر اینجا (۳)

وجای دیگر نیز اشاره نموده :

نظر به شعر غنیمت نمی کنی چه کنم　　ز جان عزیز تری قدر جان چه می دانی (٤)

ممکن است این باعث شد که غنیمت از کنجاه به دهلی رفت تا اشعار و افکار بدیع را پیش دانشمندان هنر پرور و شعر دوست عرضه کند و تحسین و آفرین را به طور صله گیرد بی مناسبت نبود اگر بگوییم که غنیمت در آن زمان مثنوی را به پایان رسانده بود و یك سال بعد از تکمیل مثنوی اعنی در ۱۰۹۷ ق مربیش نواب مکرم خان از حکومت لاهور معزول شد، گمان می بریم که غنیمت خواسته بود که ممکن باشد در دارالخلافه رفته مشتری این " گوهر سیراب " که آبش از خون جگرش بود پیدا کند۔ به هر حال او رو به دهلی نهاد و به خانهٔ سرخوش رسید۔ آن زمان سر خوش در میان شعرا و احباب نشسته بود ، غنیمت سلام کرد و در گوشه ای نشست۔ سرخوش از قیافه اش او را دریوزه گری دانست و خواست که او حاجت خویش بیان کند تا مقصودش را به حصول رسانده او را مرخص کند ولی این مهر به لب بماند ۔یکی از آنها

که از سر در رفته بود گفت " چه کسی و چرا از سر زمان افتاده ای " غنیمت که در سخن سرایی کمال مهارت را بهم رسانیده بود فی الحال گفت :

کرده ام از مهر لب نقد بیانها در گره بسته ام چون غنچه سوسن زبانها در گره (۵)

حاضرین وقتی که این مطلع شنیدند مات و منگ ماندند و چون دانستند که این شعر از غنیمت است و فی البدیهه گفته است باور نکردند۔ ولی سرخوش ایستاد به او معانقه کرده، به پهلوی خویش جا داد۔ تذکرهٔ شعر و سخن را از سر گرفتند۔ سرخوش بر سبیل امتحان گفت : ما بر مصرعی که قافیه و ردیف پست افتاده است، مست افتاده است دارد ' طبع آزمایی همی کردیم۔ شما هم غور و فکر بکنید۔ مولانا غنیمت بعد از چند دقیقه غزلی سرود که مطلعش اینست:

وحشتم پر زور و طاقت زیر دست افتاده است
همچو موج از خود به کار ما شکست افتاده است

و این دو شعر نیز خالی از متانت و بلند خیالی نیست :

چاه راهِ خویش گردیدند چون گرداب ها
همت ارباب دنیا بس که پست افتاده است
طاقت برخاستن چون گرد نمناکم نماند
خلق می داند که می خوردست و مست افتاده است (۶)

این غزل همه را در وجد و حال آورد بسیار منفعل و خجل شدند و معذرت خواستند و قلیان سیم که نی از طلا داشت، چاق کرده پیشش نهادند و ازان بعد در آن محفل ادبی و علمی دارای مقام و مورد توجه و احترام بود۔

غنیمت عاشق پیران طریقت خود بود۔ او سفر را بر حضر ترجیح می داد۔ ولی وسایل دخل محدود بود و بسا آرزوهای مسافرت از میهن خود در دلش شکست۔ ولی تمنای قلبی اش مبدل به حسرت و یاس شد۔ همچنین آرزوی سیر کابل ناخن بردلش می زد :

شوق فایز می کند تکلیف سیر کابلم
شد غنیمت دیدهٔ ما عرصه سرخاب ازو (۷)

لاکن غنچهٔ آرزو اش نا شگفته پژمرده و تمنای گلگشت کشمیر تولید یافت، چنانکه خود گوید:

شد غنیمت سرد در خاطر هوای کابلم
بس که دل سر گرم سیر گلشن کشمیر بود (۸)

جای دیگر نیز گوید:

بیا بلبل اگر داری گلی نذر تماشا کن
غنیمت بهر سیر گلشن کشمیر می آید (۹)

لکن زود دلش از هوای کشمیر سرد شد و حب وطن بر ضمیرش مستولی گشته او معاودت نمود:

آب شد کشمیر در چشم غنیمت از حجاب
تا که نادانسته نام خطهٔ پنجاب برد (۱۰)

حب این شاعر به " حسن آباد پنجاب " از اشعار مثنویش آشکار است که چندی از آن، این است:

ندیدم کشوری غارت گر تاب — به خوبی های حسن آباد پنجاب
چه پنجاب انتخاب هفت کشور — قسم خورده به خاکش آب کوثر
فضای نشهٔ مستی هوایش — زمینی که آسمانها خاك پایش
بنای کعبهٔ دلها ز خاکش — عروج نشهٔ معنی ز تاکش
غبارش آب و رنگ چهرهٔ گل — گیاهش دل ربای زلف سنبل
به هر جا سبزه از خاکش دمیده — رخ خوبان به پیشش خط کشیده
به خاکش سایهٔ پرهای بلبل — جواب یك چمن خندیدن گل
شفق سرمایهٔ چشم از دیدن گل — چمن سامان نگاه از چیدن گل
ز شوق آن که تا آید به پنجاب — دل کشمیر صد ره می شود آب (۱۱)

پنجاب را بر هر کشور و دیار ترجیح می دهد چنانچه دربارهٔ ایران می گوید:

نخواهم لاله زار گلشن ایران که سر بر زد
گل داؤدی صبح وطن از خاك پنجابم (۱۲)

نواب صدیق حسن دز " شمع انجمن " نویسد که " در عهد عالمگیر پادشاه به خدمت نواب مکرم خان به سر می برد "[۱۳] ـ نواب مکرم خان به قول مؤلف ماثر الامراء "به تازگی در سال بیست و ششم (۱۰۹۳ق) به ادراک ملازمت ناصیه سعادت برافروخبت و به حکومت لاهور تعین یافت و در سال سی ام (۱۰۹۷ق) عزل یافت و پس از آن به مصاحب صوبکی ملتان کمر عزیمت بر بست و بعد ازان باز حاکم صوبه لاهور در سی و نهم (۱۱۰٦ق) معین گردید و در سال چهل و یکم (۱۱۰۹ق) معزول گشته استعفای نوکری نموده در دارالخلافه متقاعد و موظف گردید "[۱٤] ـ حاشیه نگار مثنوی مطبوعه نول کشور گوید که "با پسر نواب مکرم خان عزیز نام الفتی تمام داشت ـ به استد عای او این مثنوی در سلك نظم کشید "[۱۵] مثنویش چنانکه او خود گوید در ۱۰۹٦ق به پایهٔ تکمیل رسید ـ ازین می توان استنباط کرد که غنیمت در ۱۰۹۳ ق یا چندی بعد از آن دربار نواب مکرم خان باز یافت و در سلك ملازمان او منخرط گشت ـ

مولف " شمع انجمن " در ضمن وفات غنیمت گوید" که در اواخر ماه احدی عشر نقد حیاتش غنیمت دست اجل گردید "[۱٦] ـ آقای فضل محمود سال وفاتش را ۱۱۱۷ ق نوشته اند و سال وفات از " غم والم " اخذ نموده است ـ ولی دیگر محققین عصر کنونی سال وفاتش را قبل از ۱۱۱۵ ق تصور می کنند ـ "ایته " سال و فاتش را ۱۱۱۰ ق نوشته است[۱۷] ولی " ریو " (۱۱۰۷ق) متعین کرده است[۱۸] و بعضی بنا بر قول "سرخوش " که غنیمت از خاکیان هند غنیمت بود " استدلال کنند که چون سر خوش تذکره خویش را در ۱۱۰۸ ق بعد از تجدید نظر به پایهٔ تکمیل رسانده بود ، لذا می توان گفت که غنیمت درآن زمان رهگرای عالم بقا شده بود و عقیده دارند که وفاتش در ۱۱۰۷ ق اتفاق افتاد ـ لکن برخی گویند که چون کلمات الشعرا تاریخ ولادت برادر زاده سر خوش که اسدالله نام داشت که از شیر خدا بر می آید و به حساب ابجد عددش مساوی به ۱۱۱۵ق می باشد لذا سال وفات غنیمت را قبل از ۱۱۱۵ ق باید دانست ـ قول اول به نظر ما قرین صحت است زیرا برادر زاده اش در ثواقب المناقب می نویسد که غنیمت در لاهور مبتلای مرض الموت شد و او غنیمت را از لاهور به

کنجاه آورد [۱۹] - ازین حدس می توان کرد که غنیمت درآن زمان در زمرهٔ ملازمین نواب مکرم خان باشد زیرا این نواب بار دگر در (۱۱۰۶ ق) استاندار لاهور متعین شد و در (۱۱۰۹ق) استعفا داد -پس باید درگذشت غنیمت قبل از (۱۱۰۹ق) واقع شده باشد- والله اعلم بالصواب-

به قول سولف ثواقب المناقب چون او غنیمت را از لاهور به دهکدهٔ خویش می آورد، غنیمت در راه به حال اغما افتاد چون به هوش آمد گفت: "به حضور پیر روشن ضمیر سید محمد صالح گیلانی رفتم و قصیده ای عرضه کردم آنان قبول فرموده خلعتی عطا فرمودند " و او چند بیت از آن قصیده که در عالم استغراق گفته بود پیش برادر خود سرود [۲۰] - غنیمت در دهکدهٔ کنجاه وفات یافت- مزار آن شاعر شیرین گفتار در کنجاه است- در (۱۳۴۲ق) قمری به سعی بخشی منظور علی تعمیر شد-

اهالی کنجاه و گجرات غنیمت را صاحب کرامات و خوارق عادت می دانند- آنان اعتقاد دارند که اگر کسی آرزو دارد که شاعر بشود بر مزارش تا چهل روز خلوت گزینند، شاعر خواهد شد- نیز گویند که اگر کسی برگ درختی که جانب شمال مزار است بخورد، ذکی الفهم می شود- والله اعلم بالصواب-

آثار غنیمت

نیرنگ عشق:

سرخوش " در کلمات الشعرا " می نویسد" دیوان مختصر دارد و مثنوی نیز فکر کرده" [۲۱] - آثارش به قرار ذیل است- مثنویش نیرنگ عشق همواره مورد توجه و علاقه مردم این سامان بوده است- مثنوی غنیمت قصهٔ بسیار ساده و عوامانه را بیان می کند و طرز بیان شیرین و عام فهم خواننده را مجذوب می سازد(ما به وسیلهٔ مجلهٔ هلال (۱۹۵۶م) تلخیص مثنوی را پیش دوستداران فارسی عرضه کرده بودیم-)

غنیمت این مثنوی را در ۱۰۹۶ ق به اختتام رسانید چنانکه گفته است:

چون شد ختم کلام سینه پر درد — خرد تکلیف تاریخش همی کرد
نمایان گشت تاریخ نو آیین — ز " گلزار بهار فکر رنگین " [۲۲]

جمله تذکره نگاران به جز احمد علی هاشمی در تعریف مثنویش رطب اللسان هستند- هاشمی آن مثنوی را گرچه از فصاحت و بلاغت افتاده نوشته است ولی با این همه گوید که" از مزه خالی نیست"[۲۳] - به خلا فش نواب صدیق حسن در شمع انجمن نویسد:

" نیرنگ عشق ، مثنوی او شهرت و قبول تام دارد و در چستی عبارت و نزاکت اشارت فایق بر مثنویات شعرای نامدار است- ترکیب دل نشین معجون سفرح خاطر نازك خیالان است و تضمین رنگینش عزیز دلهای آشفته حالان"[۲٤] -

تعداد اشعار مثنوی مساوی به اعداد تخلصش یعنی پانزده صد است-

دیوان غنیمت:

سر خوش دیوانش را گرچه " مختصر " گفته است لاکن دیوانش که در ۱۹۰۸م به سعی و کوشش اکادمی پنجابی با چاپ دلپسند و زیبا انتشار یافته است- محتوی ۳۲۳ غزل ، دو نعت ، دو سنقبت و دوازده رباعی و یك قصیده نامکمل است- فهرست غزلیات به ترتیب الفبایی بر حسب مصراع اول سطالع غزلیات درج است- نسخهٔ خطی دیوان غنیمت که در کتاب خانهٔ دانشگاه پنجاب است در ۱۱٤۲ق نقل شد و فقط ۲۲٤ غزل دارد[۲۵] - شهرت این دیوان در پاك و هند همواره بسیار بوده است- دیوان غنیمت که سالها پیش در لکهنؤ به چاپ رسید ، کامل نبود بلکه منتخب و بر گزیده دیوان را انتشار داده بودند- آن مشتمل بر ۲٦۳ غزل بود- نقادان و متقدمین و معاصرین در توصیف کلامش سعی لا کلام به کار برده اند- آرزو او را بسیار " خوش زبان و معنی تلاش " گفته است و اضافه کرده گوید در اواسط عهد عالمگیر در پنجاب طنطنهٔ شاعری او کوس لمن الملکی می زد[۲٦] - همچنین احمد علی هاشمی مولف مخزن الغرائب اشعارش را " نازك و همواره " گوید[۲۷] و نواب صدیق حسن او را صیاد آهوان مبانی تازه و دام گستر معانی بی اندازه قرار داده است[۲۸] - غنیمت نسج شعر از لطایف صنایع مانند ایهام و مراعات النظیر و تجنیس و تشبیه و امثال آن به کار برده و غزلیات در تتبع صائب ' قاسم دیوانه ' ناصر علی سر هندی ' کلیم '

نظیری ' و غیر ذالك نوشته است و در اشعار خود پیروی آنان را اعتراف کرده است۔

نیست هم طرح علی بودن غنیمت در قلدرتم　　مصرعی رنگین نشد تا خون نشد اندیشه ها (۲۹)

تا رسانم نشأ طرز نظیری در غزل　　با علی امشب غنیمت من به یك ساغر زدم (۳۰)

غنیمت از زبان گوشهٔ ابروی هر مصرع　　برای میرزا صائب جواب ساکنی دارم (۳۱)

در خیالم بود ساقی قاسم دیوانه　　شب که در دست غنیمت دفتر اشعار بود (۳۲)

شب غنیمت مصرعی ناخن بدل زد از کلیم　　"گر قدم در ره نمی" فرسود منزل دور بود (۳۳)

از جان اسیر طرز جلالم که گفته است　　ماییم و یاد دوست غنیمت کجا بریم (۳۴)

ولی با این همه او بر روش خود می بالد و بر سخن سنجی و فهمی خود فخر می کند و می گوید:

دل نمی دانم غنیمت آشنای طرز کیست　　هر نفس صد معنی بیگانه در خاطر گذشت (۳۵)

تاهم اعتراف می کند که سرودن شعر کار ساده و آسان نیست بلکه همچو اقبال عقیده دارد:

صد نالهٔ شبگیری صد صبح بلا خیزی　　صد آه شرر ریزی یك شعر دلاویزی (۳۶)

غنیمت گوید:

غنیمت نیست آسان فکر معنی غنچه می داند
چه خونها کرده باشد تا که رنگین گشت مضمونی (۳۷)

اکنون می خواهیم که غزلیاتی چند از دیوان آن شاعر شیرین بیان نقل کنیم تا اندازه موضوع و طرز فکر و بیان شاعر را نشان بدهد و خوانندگان گرامی ندرت تشبیهات و استعارات و قدرت کلام و ابداع ترکیبات و اغراق و ابهام و تلمیحات که معمول سبك هندی است ، مطالعه کنند و شرح احساسات و عواطف و احوال درون

عشاق را در قالب الفاظ ببینند و بدانند که در فضای پهناور و بیکران اندیشه طائر فکر و خیالش تا به کجا می رسد۔

ای حمد تو آراسته گلزار سخن ها
لبریز زبان ساخته چون غنچه دهن ها
ای ریخته یاقوت لبت خون یمن ها
آواره بوی سر زلف تو ختن ها
بی جلوه نیرنگی حسن تو کند درد
گوش فلک از نالهٔ طاوس چمن ها
هر روز شهیدان تمنای تو چون صبح
در چشمهٔ خورشید بگیرند کفن ها
تا مهر تو کردند چراغ دل عشاق
شد شام غریبان به نظر صبح وطن ها
جمعی که پریشان سر زلف مجازاند
بستند دل خویش غنیمت به رسن ها (۳۸)

زبالینش ایاز بی وفا گر زود بر خیزد
به جای گرد آه از تربت محمود بر خیزد
غبار جادهٔ طی کردهٔ مستانه رفتارش
چو آه از سینهٔ مستان شراب آلود بر خیزد
به بزم این کریمان گر سوالی درمیان آید
به تعظیمش زجای خویش رسم جود بر خیزد
شهید شعلهٔ خوی تو نخوت ها به سر دارد
نشیند گربه خاکش پشهٔ نمرود بر خیزد
در آن محفل که گوشی نیست بر آواز خوبان
زساز دل شکستن نغمهٔ داود بر خیزد

رود گر بر لب غواص حرفی از بنا گوشت
ز گوهر چون سپند روی آتش دود بر خیزد
پس از عمری که آن شوخ قیامت وعده می آید
غنیمت اعتباری نیست ترسم زود بر خیزد (۳۹)

دوستدارد وصل خوبان دشمن خویش است و بس
نوش مهمان تو نعمت خانهٔ نیش است و بس
پا برون نه از خود و در جلوه گاهش سیر کن
منزلش از خود پرستی یك قدم بیش است و بس
باغ گیتی را بود هر برگ سبزی خنجری
زین چمن آن گل که من چیدم کفم ریش است و بس
عقل در جولانگه او لغز پای بیش نیست
توسن راه محبت رفتن از خویش است و بس
می خورد افسوس بر حال گرفتاران حرص
در جهان قوت حلال از بهر درویش است و بس
آن که ما خود را غنیمت در ره او باختیم
مذهب و ملت نمی داند جفا کیش است و بس (۴۰)

چو بی روی تو در صحن چمن نظاره می کردم
به رنگ گل زدست خود گریبان پاره می کردم
کف پای نگارین ترا تا بوسه می دادم
خیال عارض خوبان گل رخساره می کردم
عروج اهل دنیا با تنزل بس که می دیدم
خیال جستن و افتادن فواره می کردم
کف خاکستر گرمی که شب برباد می دادم
دل من بود کز شوق تواش آواره می کردم
غنیمت چشم بیمارش طبیب من نشد روزی
فغانی وار ورنه درد خود را چاره می کردم (۴۱)

حواشی (از مرتبین)

(۱) غنیمت کنجاہی، مثنوی نیرنگ عشق، به تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکادمی، لاهور، ۱۹۶۲م، ص ۵؛ در مقاله، شعر چهارم چنین نوشته شده است:

ببین نو بادۂ گلزار وحدت   گزین گلدستۂ باغ سیادت

(۲) سرخوش، محمد افضل، کلمات الشعرا، به تصحیح صادق علی دلاوری، شیخ مبارك علی اینڈ سنز، لاهور، ۱۹۴۲م، ص۸۲۔

(۳) غنیمت کنجاہی، دیوان غنیمت، به تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکادمی، لاهور، ۱۹۸۸م، ص ۳۵۔

(٤) ایضاً، ص ۲٦۸۔

(۵) ایضاً، ص ۲٦٤۔

(٦) ایضاً، صص ۹۰-۹۱، در مقاله، مصراع اول چنین نوشته شده است:

چاه را خویش گردیدند چون گرداب ها

(۷) ایضاً، ص ۲۵۵۔

(۸) ایضاً، ص ۱۷۷۔

(۹) ایضاً، ص ۱۲۵۔

(۱۰) ایضاً، ص ۱۰۵۔

(۱۱) ایضاً، ص ۸۔

(۱۲) ایضاً، ص ۲۲۳۔

(۱۳) صدیق حسن، نواب، تذکره شمع انجمن، ۱۲۹۳ھ، ص۳۵٦۔

(۱٤) شاه نواز خان، نواب صمصام الدوله، مآثر الامرا، به تصحیح جناب مولوی مرزا اشرف علی، ایشیاٹك سوسائٹی، بنگال، کلکته، ۱۸۹٤م، ص ٦۹٦۔

(۱۵) غنیمت کنجاہی مثنوی، نیرنگ عشق، طبع انتشارات منشی نول کشور۔

(۱٦) شمع انجمن، ص ۳۵٦۔

(۱۷) Ethe, Herman: Catalogue of Persian Manuscripts in the India Office Library, Vol-I, 1980, p.844.

(۱۸) Rieu, Charles, Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum, Vol: i-iii, London, 1879-83, Supplement London, 1895, 700/2.

(۱۹) کنجاهی صداقت، ثواقب المناقب، قلمی نسخه، کتب خانه شرافت نوشاهی، ساهنپال، ص ۱٤۸

(به نقل از شریف التواریخ، جلد۳، حصه دوم، ص ۳۰۷)

(۲۰) ایضاً ص ۱٤۸۔

(۲۱) کلمات الشعرا، ص ۸۲۔

(۲۲) مثنوی نیرنگ عشق، صص ٥٤-٥٥۔

(۲۳) هاشمی سندیلوی، احمد علی، تذکره مخزن الغرائب، تصحیح محمد باقر، جلد۴، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۳م، ص۲۲۷۔

(۲٤) شمع انجمن، ص ۳٥٦۔

(۲٥) بشیر حسین، محمد، فهرست مخطوطات شیرانی، ادارهٔ تحقیقات پاکستان، دانشگاه پنجاب، لاهور، ۱۹۷٥م، ص۱۲۷

(۲٦) آرزو، سراج الدین علیخان، مجمع النفایس، به تصحیح مهر نور محمد خان، اسلام آباد، ۲۰۰٦م، جلد دوم، ص ۱۱۷۲

(۲۷) تذکره مخزن الغرائب، ص ۲۲۷۔

(۲۸) شمع انجمن، ص ۳٥٦۔

(۲۹) دیوان غنیمت، ص ۳٤، در مقاله این شعر چنین نوشته شده است:

نیست هم طرح علی بودن غنیمت در قدیم
مصرع رنگین نشد تا خون نشد اندیشه ها

(۳۰) ایضاً، ص ۲۲۲۔

(۳۱)	ایضاً، ص ۲۱۸۔

(۳۲)	ایضاً، ص ۱۱۱۔

(۳۳)	ایضاً، ص ۱۱۲۔

(۳٤)	ایضاً، ص ۲۳٤۔

(۳۵)	ایضاً، ص ٦۲۔

(۳٦)	اقبال، علامه محمد، کلیات اقبال فارسی، به اہتمام شہرت بخاری، اقبال اکادمی، لاهور، ۱۹۹۰م، ص ۳۰۳

(۳۷)	دیوان غنیمت، ص ۲۸۵۔

(۳۸)	ایضاً، صص ٤۳-٤٤۔

(۳۹)	ایضاً، صص ۱۳۲-۱۳۳؛ در مقاله، مصراع اول شعر چهارم چنین نوشته شده است:

شبیه شعلهٔ خوی تو نخوت ها بسر دارد

(٤۰)	ایضاً، صص ۱۸٦-۱۸۷۔

(٤۱)	ایضاً، ص ۲۳۱۔

حصہ دوم

تصانیف: تعارف، تنقید و تبصرہ

محمد عبداللہ چغتائی

مثنوی نیرنگ عشق کا ایک مخطوطہ ☆

اورینٹل کالج میگزین بابت مئی ۱۹۴۲ میں ایک مفید مقالہ بعنوان ''غنیمت کنجاہی'' ازقلم شیخ صادق علی دلاوری صاحب [1] مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا۔ جس کے فوراً بعد راقم کو گذشتہ دسمبر ۱۹۴۲ء میں بیجاپور میں خواجہ امین کی درگاہ کا کتب خانہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جو فی الحال گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے۔ مگر اس کا بیشتر حصہ قدیم مخطوطات پر مشتمل ہے۔ جس کی مختصر تفصیل الگ مرتب کی گئی ہے۔ مگر یہاں محض ایک مخطوطہ بنام مثنوی ''نیرنگ عشق از مولانا غنیمت'' کو پیش کرنا مقصود ہے۔ جو امید ہے قارئین کرام اورینٹل کالج میگزین کے لئے مزید دلچسپی کا باعث ہوگا۔ یہ مخطوطہ بیجاپور نہایت عمدہ مجلد اور اعلیٰ نستعلیق خط میں مطلا و مذہب چھوٹی تقطیع پر ہے۔ اس کا ترقیمہ یہ ہے جسکو یہاں پیش کرنا اصل مقصد ہے:

''نیرنگ عشق، مولانا غنیمت، تمت تمام شد کار من نظام شد کتاب نیرنگ عشق من تصنیف مولوی مغفوری مولانا غنیمت ساکن شاہ جہان آباد بہ خط فقیر حقیر عاجز خاکسار محمد یار در ماہ رجب المرجب بتاریخ چہارم سنہ چہار جلوس والا در عہد خدیو زمین و زمان شاہ عالم بہادر بادشاہ غازی در قصبہ ناندیر فتنہ انگیز کہ بالای ملک دکن واقع است و تعلق صوبہ داری محمد آباد عرف بیدر در صوبہ داری شہامت پناہ امین خان برادر خان عالم و منور خان مرحومین دکنی کہ در جنگ محمد شاہ عالم شہید شدند و سو بہارام دیوان امین خان تمام شہر را وروپی جی چودھری بزازان رابہ سوجب روز تعدی تاراج کردہ مبلغ خطیر گرفتہ۔ نوشتہ شد بہ روز جمعہ وقتی سہ پہری در خانہ سیر مرحوم میر محمد شریف کہ واقعہ نگار ناندیر بودہ و بندہ نیز ہمین قصبہ درین حویلی قیام داشت والسلام والا کرام ہر کہ را دعای

☆ اورینٹل کالج میگزین، لاہور، اگست ۱۹۴۲ء، جلد ۱۹، عدد ۲، عدد مسلسل ۷۲، صفحات ۵۴-۵۶۔

طبع دار و زان کہ من بندہ گنہگارم نوشتہ بماند سیہ برسفید نویسندہ را نیست را (ء) فردا امید ہر مسلمان کہ این مثنوی را بخواند بہ واسطہ خدا یك فاتحہ در حق این عاجز بگوید، ازین دریغ نکند آمین و رب العالمین۔

اس ترقیمہ میں بہت سے ایسے امور آ گئے ہیں۔ جو خاصی دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کو ذیل کی سطور میں مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ مولانا غنیمت کو ساکن ''شاہ جہاں آباد'' لکھا ہے مگر عام طور پر یہ مسلم چلا آتا ہے کہ مولانا محمد اکرم، المتخلص بہ غنیمت، کنجاہ ضلع گجرات پنجاب کے باشندے تھے مگر یہ بھی ضرور ہے کہ کسی ہمعصر تذکرہ نگار نے آپ کو کنجاہی نہیں لکھا۔ بقول مولانا دلاوری محمد افضل سرخوش نے اپنے تذکرہ کلمات الشعرا میں اسی قدر لکھا ہے: ''غنیمت از خاکیان ہند غنیمت بود۔ دیوانی مختصر وارد مثنوی نیز فکر کردہ''[۲]۔ اور اتفاق سے محمد افضل آپ کے ہمعصر علما میں سے تھے، جن کو آپ کے حالات سے مکمل اطلاع کا ہونا امکان ہوسکتا ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ مابعد کے تذکرہ نگاروں نے قریب قریب اسی بیان سرخوش کا اعادہ کیا ہے۔ مزید براں عہد اورنگ زیب کے علماء وشعرا پر ایک مفید تالیف بنام ''فرحتہ الناظرین'' قبل ازین خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی اورینٹل کالج میگزین ۱۹۲۸ء میں طبع کر چکے ہیں۔ جس میں حسن اتفاق سے دو علماء یا شعرا محمد خویشی کنجاہی[۳] اور لطف اللہ مرہب کنجاہی[۴] کا ذکر ملتا ہے۔ مگر مولف فرحتہ الناظرین نے غنیمت کے ذکر کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو مولف کو مولانا غنیمت کا کچھ علم ہی نہیں تھا یا اس کو حالات میسر ہی نہیں آئے ہاں یہ ضرور ہے کہ اسی فرحتہ الناظرین میں سرخوش محمد افضل[۵] اور ایک مولانا محمد اکرم لاہوری[۶] کا ذکر ملتا ہے۔ اور مؤخر الذکر مولانا غنیمت کا اصل نام تھا۔ غرضیکہ یہ لوگ مولانا غنیمت کے ہمعصر تھے۔ مگر یہ بھی درست ہے کہ آپ کے کلام سے کہیں تعین نہیں ہوتا۔ کہ آپ واقعی کنجاہ ضلع گجرات (پنجاب) کے باشندہ تھے اس متذکرہ بیانات اور مخطوطہ بیجاپور میں آپ کو ساکن شاہجہان آباد لکھنا ضرور قابل توجہ ہے۔ اور ہمیں مزید حالات کے واقعات کی وضاحت کیلئے انتظار کرنا چاہئے اس لئے آپ کو فوراً کنجاہی کہنے سے ذرا تامل کرنا چاہئے۔

۲۔ محمد یار کاتب کوئی مقامی آدمی تھا جو نہایت عمدہ نستعلیق میں خوب مہارت رکھتا تھا۔

۳۔ تاریخ رجب المرجب چہارم سنہ جلوس شاہ عالم بہادر شاہ غازی یعنی ۴ رجب ۱۱۲۱ھ۔

۴۔ قصبہ نا ندیر جو اس وقت محمد آباد عرف بیدر کی صوبہ داری میں تھا۔ اور آج بھی حیدر آباد دکن کے بہت اہم ضلعوں میں شمار ہوتا ہے۔

۵۔ صوبہ دار امین خان دکنی کا مفصل تذکرہ معہ اس کے ہر دو متذکرہ بھائیوں کے حالات کے ماثر الامرا میں دیا ہے اور متذکرہ واقعات کی طرف بھی کسی قدر اشارہ کیا ہے۔[۷]

۶۔ دیگر اشخاص سے متعلق ممکن ہے کوئی مقامی تاریخ روشنی ڈال سکے۔

مولانا غنیمت نے اپنی مثنوی ۱۰۹۶ھ میں ختم کی جیسا کہ اختتام پر شعر ذیل سے واضح ہے:

نمایان گشت تاریخ نو آئین ز گلزار بہار فکر رنگین[۸]

۱۰۹۶ھ

اور اس وقت تک آپ کے پیرو مرشد حضرت شاہ صالح ابھی مقید حیات تھے نہ کہ بقول مولانا دلاوری ان کا انتقال ۱۰۷۲ھ میں ہو چکا تھا۔ کیونکہ اس کی تائید نہ محض ایک منقبت کے اشعار کے مطالعہ سے بھی ہوتی ہے، جو مولانا غنیمت نے اپنی نیرنگ عشق کے ابتدا میں دی ہے بلکہ تذکرہ نوشاہی اور خزینۃ الاصفیا[۹] سے بھی ہوتی ہے کہ آپکا انتقال ۱۱۱۸ھ میں ہوا۔ مولف مؤخر الذکر نے اول الذکر کے حوالہ سے اسے قبول کیا ہے۔ کیونکہ اگر ان کا انتقال ہو چکا تھا تو ضرور تھا کہ مولانا غنیمت انکے مزار مبارک اور مقام مزار کا ذکر کرتا جیسا منقبت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ضمن میں ملتا ہے:

بہ گرد مرقدت گردیدہ باشم	مراد دیدہ و دل دیدہ باشم
بیا ساقی بدہ تا خط بغداد	شراب روح عشق و جان ارشاد[۱۰]

اس مثنوی نیرنگ عشق میں سب سے اہم امر علاوہ نفس کتاب کے ''مدح شاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی'' ہے جسے عام طور پر فراموش کیا جاتا ہے۔ مگر اشعار ذیل خالی از دلچسپی نہیں۔ جن سے استعارۃً اورنگزیب کے حالات تخت نشینی کی طرف اشارہ ہے۔ اور غنیمت نے اپنے آپ کو اورنگ زیب سے وابستہ کیا ہے:

سر و سر کردۂ گردن فرازان	بغداد جہان برخویش نازان
بہ ہر جا تیغ تیزش سرفرازد	چہ جاندارد کہ دشمن سر نیازد
بہ زیر خاک رستم را بہ صد تاب	چو شمع ہیبتش شد استخوان تاب
بہ دور عدل این شاہ ستم سوز	سگ آید بر در روباہ ہر روز
کہ من از بندگان جانفشانم	چہ می گویم سگ این آستانم[۱۱]

مسٹر دلاوری نے ایک مفید تفصیل مزار مولانا غنیمت اپنے قیمتی مقالہ میں بہم پہنچائی ہے۔ جو غالباً ان

کے ذاتی مشاہدات کا نتیجہ ہے۔ مگر میرے خیال میں اس کی موجودہ تعمیر میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو کا بھی خاصہ حصہ ہے جو عوام کو کم علم ہے۔ اور یہ ان کے اوائل زمانہ قیام پنجاب کے کارناموں میں ایک کارنامہ ہے۔ مخطوطہ مثنوی نیرنگ عشق مولانا غنیمت کا متذکرہ بالا ترقیمہ تاریخی واقعات کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ جسکو کسی قدر اوپر واضح کیا گیا ہے اور مخطوطہ کا ابتدائی مصرعہ یہ ہے:[۱۲]

"جلوہ کردن شاهد رعنا"[۱۳]

حواشی

(۱) دیکھیے: صفحات ۱۴-۳۷ (مرتبین)۔

(۲) سرخوش، محمد افضل، کلمات الشعرا، بہ تصحیح صادق علی دلاوری، انتشارات شیخ مبارک علی، لاہور، ۱۹۴۲ء، ص ۸۲ (مرتبین)

(۳-۴) اورینٹل کالج میگزین، اگست ۱۹۲۸ء، نمبر ۳۵، ص ۶۹ و نمبر ۱۰۷، ص ۱۰۵۔

(۵-۶) اورینٹل کالج میگزین، اگست، ۱۹۲۸ء، نمبر ۶۵، ص ۸۴ و نمبر ۸۴، ص ۹۵۔

(۷) شاہنواز خان، صمصام الدولہ، مآثر الامرا، جلد ا، طبع نولکشور، ص ۳۵۳-۳۵۸۔

(۸) غنیمت کنجاہی، مثنوی نیرنگ عشق، بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۵۵ (مرتبین)۔

(۹) غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، مطبوعہ نولکشور، ص ۱۷۶ (مرتبین)۔

(۱۰) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۴؛ صاحب مقالہ نے دوسرے شعر کا پہلا مصرع اس طرح درج کیا ہے:

بهر جا جمع تیزش سرفرازد

(مرتبین)

(۱۱) ایضاً، ص ۶ (مرتبین)۔

(۱۲) میں نے جلدی میں اسے قلم بند کر لیا تھا۔ مگر مطبوعہ سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ اس سے مختلف ہے۔ بہرحال اسے یہاں پیش کر دیا گیا ہے۔

(۱۳) مثنوی نیرنگ عشق، ص ۸ (مرتبین)۔

شریف کنجاہی

غنیمت کنجاہی کی مثنوی نیرنگ عشق ☆

غنیمت کی یہ مثنوی اکرام صاحب کے الفاظ میں ''طویل نہیں لیکن اس میں ایک عجیب کیف و مستی ہے اور تمام کی تمام تشبیہوں اور استعاروں سے مرصع ہے'' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خاک پنجاب کے اس ''گل واؤدی صبح وطن'' کی رعنائی لالہ زار ایران سے کسی طرح کم نہیں۔ اس کی تشبیہیں اور ترکیبیں اس قدر انوکھی اچھوتی اور پیاری ہیں کہ پڑھنے سے جی سیر نہیں ہوتا اور ساری مثنوی میں وہ اس طرح جا بجا ملتی ہیں اور اس کثرت سے جیسے بہار میں پھول۔ بیان ایسا لطیف، حسین اور بھرپور جیسے خوشبو سے بوجھل نسیم۔

صنف سخن کے لحاظ سے مثنوی ادب فارسی کا بہت قدیم اور بہت گراں بہا سرمایہ ہے۔ اس صنف میں متقدمین سے لے کر متاخرین تک ہر دور میں کچھ نہ کچھ لکھا گیا ہے اور اپنے اپنے انداز کے مطابق وہ سب قابل ستائش ہے۔ میرا مقصد غنیمت کا ان سے مقابلہ ہے نہ موازنہ۔ ہر پھول کا اپنا بانکپن ہوتا ہے۔ فردوسی، گورگانی، اسدی، نظامی، رومی، سعدی، خسرو کس کی مہک سے دماغ معطر نہیں ہے۔ یہی کیفیت غنیمت کی مثنوی کی ہے۔ جس مثنوی میں اس قسم کے اشعار ہوں۔

شبی از چشم آھو آفریدہ   ز شوخی بر رخ عالم دویدہ (۱)

نوشتہ بر زمین نقش سم او   چو آب شوخ چشمہای آھو (۲)

غزالی از رمیدن آفریدہ   چو رنگ از چہرہ صحرا بریدہ (۳)

کمان ابروی آن آفت جان   رگ ابر سیاہ تیر باران (۴)

دھن گفتم رسید از غنچہ بویی   ندیدم من شنیدم گفتگویی (۵)

زاعضایش کزو شد صبح بی تاب   بہ جای سایہ می افتاد مہتاب (۶)

اس مثنوی اور مثنوی نگار کے شاعرانہ مقام کے بارے میں ہمیں تفتیش میں جانے کی ضرورت نہیں

☆ روزنامہ امروز، لاہور، ۹ فروری ۱۹۵۸ء

پڑتی اور پھر جب ایک زمانہ اس کے مقام کو تسلیم بھی کر چکا ہو۔ لیکن نیرنگ عشق کے ایک دو گوشوں کی طرف بہت کم نگاہیں اٹھی ہیں اور میرا موضوع وہی نہ چھیڑی گئی یا زیر لبی نوا ہے۔

فارسی مثنویوں کی طویل فہرست میں سے آپ کو نیرنگ عشق کے سوا ایک بھی ایسی مثنوی نہیں ملے گی جس میں اپنے دور کے عوام کو شامل داستان کیا گیا ہو اور محبت کی باتوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہو جس طرح عام گوشت پوست کے آدمیوں میں وہ ملتی ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس کی یہ بات چشم پوشی کے قابل نہیں کہ اس نے دو ہم جنسوں کی محبت کا قصہ چھیڑ دیا اور ہم یہ فقرہ سنتے چلے آئے ہیں کہ ''مضمون زشت است ولی بہ آب زر نوشتہ است''۔ لیکن اگر اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو غنیمت کا قصور اس سے زیادہ نہیں کہ جو بات صدیوں سے غزل اور قصیدہ کا موضوع تھی۔ اس نے مثنوی کو بھی اس سے آشنا کر دیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ غنیمت کا یہ فنی کمال تھا اور بے باکی اظہار کہ اس نے اپنی مثنوی کے لئے موضوع اپنے آس پاس سے لیا اور جہاں ہم تاریخوں اور تزکوں میں عالمگیری عہد کی شریعت مآبی کے بارے میں بہت کچھ پڑھتے ہیں وہ تنہا غنیمت اس وقت کے عوام بلکہ خواص کی زندگی کی کمزوریوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی لوگ شرابیں پیتے تھے اور داد عیش دیتے تھے۔ عزیز کے دوستوں کی محفل اس عہد کے بر سر اقتدار طبقے کے بگڑے ہوئے لاڈلوں کی داستان ہے اور بے راہرو نو جوانوں کے مشاغل کی عکاس۔

جوانی چند از ارباب دولت ۔۔۔ چراغ افروز گرمی ھای صحبت
بہ رنگ بوسہ خوبان دل بند ۔۔۔ بھم پیچیدہ در موج شکر قند
ھمہ سامان محفل کردہ حاصل ۔۔۔ نمودہ نام آن جمعیت دل
زحسن دلبران غارت ھوش ۔۔۔ تماشا داشت صد کنعان در آغوش
سخن سنجان بہ صد رنگین ادایی ۔۔۔ بہ سیر گلشن طبع آزمایی (۷)

اور داستان کا ھیرو ''عزیز'':

و سرخیل مجلس نو جوانی ۔۔۔ بہ علم عشق بازی نکتہ دانی
بہ ملك عشق والا دست گاھی ۔۔۔ بہ صدر بی خودی مجنون پنا ھی
زثروت نیز حاصل داشت کامی ۔۔۔ سعادت طالع او را غلامی
مھین فرزند والا شان امیری ۔۔۔ سکندر شوکت افلاطون وزیری (۸)

ایسے بگڑے امیر زادے کے دوست اس سے مختلف کیوں کر ہو سکتے تھے:

دیا رانی کہ بودند اھل محفل ۔۔۔ رفیق صحبت رسوایی دل

کسی کز عشق کامل حصه ای داشت | ازو تکلیف رنگین قصه ای داشت
شدی به یك ازان صحبت گزینان | به دامان شنیدن گوهر افشان
ز رنگین قصه های غارت هوش | به کوثر غوطه می زد ساغر گوش (۹)

اسی طرح ہمیں مثنوی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ جہاں آباد میں عالم گیری احتساب کتنا ہی کڑا کیوں نہ ہو دیہات میں بھگت باز محفل شب کی رنگینی کا باعث بنا ہی کرتے تھے اور تھیٹر اور سینما کے رواج سے پہلے پنجاب کے دیہات میں ان "راس ہاریوں" کے ٹولے اکثر پھرا کرتے تھے۔ غنیمت نے ان کے "کاروبار" کا یوں ذکر کیا ہے۔

به علم رقص و تقلید اوستادان | مراد خاطر عشرت نژادان
به فن خویشتن استاد هریك | گهی مرد و گهی زن گاه مردك
گهی سناسیان مو پریشان | گهی اسلامیان اهل ایمان
گهی هندو زنان فتنه همدوش | مسلمان زاده ها را غارت هوش
ز هر قومی که خواهی جلوه سازند | به هر رنگی که گویی عشوه بازند (۱۰)

بھگت بازوں کے ایک ایسے ہی ٹولے میں وہ "فقیہ زادہ" بھی ہے جو سارے افسانے کی جان ہے۔
اس کا باپ اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی چل بسا تھا اور مالی حالت جو کچھ ہو سکتی تھی ظاہر ہے۔

عطا فرزوده چرخ مقرنس | قرش را خلعت عریانی (۱۱)

یہ لڑکا ذرا بڑا ہوتا ہے تو۔ فلک نیرنگ بازی کرد۔ آغاز: اس گاؤں میں مقلد باز آ جاتے ہیں اور ع

به دست تنگدستی هایش دیدند

یہاں جب غنیمت بیان کرتا ہے کہ:

زر آوردند، در راهش فشاندند
زراهش برده سوی خویش خواندند (۱۲)

تو وہ معاشرے کی یہ کیفیت بھی ظاہر کر جاتا ہے کہ قانون کے پس دیوار بردہ فروشی اور بردہ خری کے کاروبار چلتے رہتے تھے اور اداکاروں کے اس بازار میں یوسفوں کی خرید و فروخت ہوتی رہتی تھی۔

اس فقیہ زادے شاہد کو ساتھ لے کر جب وہ بھگت باز شہر میں آتے ہیں تو اس کے حسن ایمان سوز کے چرچے ہونے لگتے ہیں۔ عزیز کے یارانِ محفل میں بھی ایک آتش بیان آن کہتا ہے جو غالباً پرانے قصہ ھای حسن و عشق میں کھوئے ہوتے ہیں۔

که تا چند از بیان رفتگان شور | حدیث زنده گویم مرده در گور (۱۳)

اور پھر ''راس ہاریوں'' کے بارے میں تفصیل بتا کر کہتا ہے:

سرا از ذکر این ها مطلب آن است		که این جا یوسفی در کاروان است[۱۴]

پھر اس ''یوسف کارواں'' کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ہمارے قصبوں اور شہروں میں رہنے والے ایک خاص قسم کے نوجوانوں کے خاص قسم کے رجحانات کا آئینہ دار ہے۔ لیکن ذرا اندازِ بیان ملاحظہ ہو:

زهر عضوش عیان رخسار دیگر

اور:

شهید چشم مستش راست جاری		به جای خون شراب از زخم کاری[۱۵]

یوسفوں کے ان خریداروں کی تو جو کیفیت ہوئی ہو گی اہل زہد کو ان کی آمد کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اطلاع ملتے ہی محکمہ احتساب حرکت میں آ گیا۔ محتسب بھیجا گیا لیکن غنیمت کہتے ہیں:

روان شد محتسب از بهر تنبیه		به جنگ شعله بازان دبه پیه
به حالش سخت می لرزد دل من		که خون خویش می گیرد به گردن
ازان چشمی که باصد فتنه جفت است		سرخود گر سلامت برد مفت است[۱۶]

اور اس طرح بالواسطہ اشارہ کر جاتے ہیں کہ ان دنوں بھی آج کی طرح ایسے محکموں میں ایسے ہی کمزور کردار کے لوگوں کے ہاتھ میں زمام ہوتی تھی۔ وہ لوگ بے فکر بیٹھے تھے کہ محتسب صاحب کی نظر پڑ گئے۔ ہمہ لاحول گو از جا رمیدند۔ شاہد اس وقت سو رہا تھا۔ شور سن کر اٹھا تو کس طرح چون چشم مست خویش از خواب برخاست۔ دوسری طرف محتسب صاحب:

به یک نظاره ای شوخ ستم کار		چون عضوی رفته از جا ماند بی کار[۱۷]

شاہد اب وہ فقیر زادہ نہیں رہا تھا۔ اب وہ ایک عشوہ فروش تھا اور ادا فہم۔ بھانپ گیا کہ صیاد خود صید ہو گیا ہے۔ دام کے حلقے اور کسنے کے لئے:

گرفتش دست و گفتا: خیر مقدم		بود تنها کرم یا مطلبی هم؟[۱۸]

بس اب کیا تھا:

زتاب آتش عشق آب گردید		غلط گفتم شراب ناب گردید[۱۹]

ذرا اس شراب ناب گردید کا انداز دیکھئے:

چنان در نیک و بد گردید مشهور		که آن چوب عصا شد تاک انگور
شد آخر قاضی از حالش خبریاب		که آن ظرف نمک شد پُر می ناب[۲۰]

حاکم شہر یعنی عزیز کے باپ کے حکم سے ان بھگت بازوں کو ذلیل کر کے شہر سے نکال دیا جاتا ہے اور عزیز اور اس کے ساتھیوں کی حسرتیں دل ہی دل میں رہ جاتی ہیں۔ عزیز خفیہ طور پر ایک راز دار کو بھیج کر شاہد کو بلا لیتا ہے۔ رقص ہوتا ہے اور آخر میں عزیز شاہد کو بھگت بازوں سے ہٹا کر اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ لیکن جب باپ کو پتہ چلتا ہے تو وہ شاہد کو گھر سے نکال دیتا ہے۔ عزیز کو اس جدائی کی بھلا کہاں تاب تھی۔ وہ بھی گھر سے منہ موڑ لیتا ہے۔ یہاں باپ اپنی محبت پدری کے سبب جیتی ہوئی بازی ہار دیتا ہے اور مجبور ہو کر شاہد کو بھی واپس گھر بلا لیتا ہے۔ غنیمت اسے کس خوبصورتی سے بیان کرتا ہے:

چه تند است این شراب آتشین جوش | پسر خورد و پدر گردید مدهوش [۲۱]

شاہد کو اب تربیت کی فکر ہوتی ہے اور اس طرح ہم غنیمت کے ساتھ ایک مکتب میں پہنچ جاتے ہیں۔

پری بزمی که مکتب بود نامش | ز روی حسن صد کنعان غلامش
به یك خاور دو صد خورشید پیدا | به یك زندان دو صد یوسف هویدا
کتاب از پرتو روهای رخشان | چو گل رنگین شده در دستِ طفلان [۲۲]

مکتب کے اسی سراپا جمال ہونے کے باعث جب شاہد وہاں پہنچتا ہے تو غنیمت اسے یوں ادا کرتے ہیں:

به مکتب می رود طفل پری زاد | مبارك باد مرگ نو به استاد [۲۳]

مدرسوں اور مکتبوں کے بارے میں اس قسم کے رجحانات اور تصورات بھی ایک خاص طبقے میں اور عمر کے ایک خاص حصے میں ہر دور میں اور ہر جگہ پائے گئے ہیں اور یہ اشعار غنیمت کے عہد کے بیسیوں دلوں کی آواز تھے۔ اب ذرا ان مکتب میں پڑھنے والوں کی باتیں سنئے۔

یکی را در سبق دل سبقت اندیش | کتاب دیگری افگنده در پیش
یکی در اختراع حیله چند | کزان واقف نباشد روح آخوند
یکی بیماری چشمش بهانه | معلم در دعای عاشقانه
یکی را مانده لب از حرف خاموش | سبق چون نام مشتاقان فراموش
به سرعت آن یکی خوانان سبق را | نخوانده صفحه گرداند ورق را
یکی با دیگری در مصلحت خویش | زمکتب خاسته لیکن پس و پیش
یکی بهر سبق نوبت طلبگار | زبان در حرف دل در سیر بازار [۲۴]

شب و روز کا چکر چلتا جاتا ہے اور شاہد کو شباب آشنا کر دیتا ہے۔ ایک دن وہ شکار کو نکل جاتا ہے۔ کسی ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈال دیتا ہے اور ایک گاؤں میں جا پہنچتا ہے۔ شام ہونے والی ہے۔ ایسے وقت میں گاؤں کی لڑکیاں عام طور پر پنگھٹ پر پانی بھرنے آ جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ جس طرح آج چل رہا ہے اسی طرح آج

سے صدیوں پہلے بھی تھا۔ اس لئے جہاں ہم بیسویں صدی میں حفیظ جالندھری کی زبان سے ''شام رنگیں'' کے تذکرے میں یہ اشعار سنتے ہیں۔

کمسن سہیلیوں کا پنگھٹ پہ جمگھٹا ہے
جانے اکیلیوں کا دن کس طرح کٹا ہے
یہ بار بار باتیں یہ بار بار ہنسنا
یہ بے شمار باتیں یہ بے شمار ہنسنا
اک گدگدا رہی ہے، چھینٹے اڑا رہی ہے
اک بھر چکی ہے پانی گاگر اٹھا رہی ہے
شرما کے اک نے اوڑھے منہ پر ہنسی کے مارے
رنگیں اوڑھنی کے بھیگے ہوئے کنارے
شرم و حیا کی سرخی چہرے پہ چھا رہی ہے
شام اس کو دیکھتی ہے اور مسکرا رہی ہے (۲۵)

حواشی (از مرتبین)

(۱) غنیمت کنجاہی، مثنوی نیرنگ عشق، بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۱۰

(۲) ایضاً، ص ۳۵

(۳) ایضاً، ص ۴۱

(۴) ایضاً، ص ۴۱

(۵) ایضاً، ص ۴۲

(۶) ایضاً، ص ۱۷

(۷) ایضاً، ص ۱۰

(۸) ایضاً، ص ص ۱۰-۱۱

(۹) ایضاً، ص ۱۱

(۱۰) ایضاً، ص ۱۱؛ اصل مقالہ میں چوتھے شعر کا پہلا مصراع یوں درج ہے:

گھی ھند و زنان فتنہ بر دوش

(۱۱) ایضاً، ص ۹

(۱۲) ایضاً، ص ۹

(۱۳) ایضاً، ص ۱۱

(۱۴) ایضاً، ص ۱۱

(۱۵) ایضاً، ص ۱۲

(۱۶) ایضاً، ص ۱۳

(۱۷) ایضاً، ص ۱۳

(۱۸) ایضاً، ص ۱۳

(۱۹)　ایضاً، ص ۱۴

(۲۰)　ایضاً، ص ۴۱

(۲۱)　ایضاً، ص ۲۷

(۲۲)　ایضاً، صص ۳۰-۳۱

(۲۳)　ایضاً، ص ۳۰

(۲۴)　ایضاً، ص ۳۱؛ اصل مقالہ میں پہلے شعر کا پہلا مصراع یوں درج ہے:

یکی را در سبق دل برفت اندیش

(۲۵)　حفیظ جالندھری، کلیات حفیظ جالندھری، مرتب خواجہ محمد ذکریا، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، صص ۲۴۸-۲۴۹

دکتر محمد ظفر خان

مثنوی نیرنگ عشق☆

به نام شاهد نازك خیالان   عزیز خاطر آشفته حالان[1]

نخستین بیت مثنوی معروف مولینا غنیمت را از زمان اورنگ زیب عالمگیر پسر شاهجهان تا امروز دوستداران زبان فارسی در شبه قاره هند و پاکستان زمزمه کرده و اشعار شیرین و نغمهٔ دلنواز او لذت برده اند۔ بالاخص در مراکز فرهنگی پاکستان غربی کمتر کسی است که مقداری از اشعار این مثنوی حفظ نداشته باشد۔

غنیمت در اواسط قرن هفدهم در دهکده از " کنجاه " در پنج میلی شهرستان گجرات در پنجاب متولد شد و از مطالعه اشعارش پیدا است که از علوم متداول وقت و زبان عربی و آثار متصوفین بزرگ ایران و هند بهره وافر برده است۔

به عقیدهٔ دانشمندان معاصرؒ غنیمت اشعار زیادی سروده، ولی از آن جمله مثنوی اوست که همواره مورد توجه و علاقهٔ مردم این سامان بوده است۔

مثنوی غنیمت قصهٔ بسیار ساده و عوامانه را بیان می کند و طرز بیان شیرین عام فهم خوانده را مجذوب می سازد۔

قبل ازین که به معرفی این مثنوی بپردازیم باید بگوییم که معاشقه با پسر بچه ها در کشور های ما معمول بوده است و با داشتن آثار بزرگان شعر فارسی در ایران و هند حاجت به شرح و بیان این مضمون نمی باشد۔ قصه ای که غنیمت در مثنوی بیان می کند این است که " عزیز " عاشق یك پسر بچه به اسم " شاهد " می گردد و بعد از تحمل سختی ها و کشیدن رنج و درد بسیار عاشق از عشق مجازی به عشق حقیقی راه می یابد۔ نتیجهٔ این داستان همان است که مولانا از داستان کنیزك و پادشاه (در دفتر اول مثنوی معنوی) می گیرد، ولی " غنیمت" به جای پرواز و سیر به

☆ هلال، کراچی، اوت، ۱۹۵۶م، ص ۲۲-۲۹

آسمانها خط سیر خود را به دهکده های پنجاب محدود می کند و متوجه محدودیت های خوانندگان و نبوغ شعری خود نیز می باشد۔

اکنون سعی می کنیم که مختصر این مثنوی را که از چندین قرن در دره سند طنین انداز است معرفی نماییم۔

در یکی از دیهات پنجاب مرد فقیری با زن خود زندگی می کرد۔ " شاهد " که رل معشوق را در این داستان بازی می کند ، پسر این زن و مرد فقیر بوده و پدرش پیش از تولد این بچه در گذشته و زن در حال بیچارگی و تنگدستی گرفتار شد۔ چند سال به همین منوال گذشت و چون هیچ وسیله ای برای زندگی خود و بچه اش نداشت، در ده سالگی شاهد را به دست عده ای " مقلد پیشه " (کولیها) فروخت و آنها شاهد را در رقص و آواز وغیره تربیت نمودند و برای کسب معاش شهر به شهر می رفتند تا رسیدند به شهری که آنجا " عزیز " یگانه پسر جوان حاکم آنجا زندگی می کرد۔ شهرهٔ زیبایی شاهد به گوش عزیز رسید۔

اینجا ابیات چند از این قسمت داستان نقل می شود :

درین کشور که پنجابش بود نام　　فقیری بود بس نیکو سر انجام
زنی در عقد او مستورهٔ راز　　صفای وقت او را یار دمساز [۲]

آبسته شدن زن و در گذشت پدر را قبل از تولد بچه چنین بیان می کند:

سحاب او به بارش آشنا شد　　صدف بر کام دل گوهر ربا شد
گهر را جلوه اش موقوف میعاد　　که ابر سایه گستر رفت برباد [۳]

کولیها شاهد را از مادرش خریدند و:

ز فن خویش تعلیمش نمودند　　به اندك فرصتش از جا ربودند [٤]

چون به شهر " عزیز " می رسند به آن جوان خبر می دهند که با دستهٔ کولی ها که تازه وارد شهر گردیده اند:

پری زادیست با این قوم همراه　　نموده جلوهٔ او رخصت آه
گذارد پا اگر در چشم بلبل　　نخارد از خیال خندهٔ گل
حدیثش برد هوش از اهل محفل　　شنیدن کار دیدن کرد در دل [٥]

ندیده جلوهٔ دیدار قاتل ‌ ‌ ‌ ‌ شنیده نام تیغ و گشته بسمل

در تمام کوچه و برزن سر و صدای زیادی از حسن و جمال " پسر بچه " که کولی ها همراه خود داشتند، بلند شد و محتسب شهر " از بهر تنبیه " در محلی که ایشان خیمه زده بودند، به اتفاق عده ای پاسبانها وارد شد. همینکه پاسبانها و محتسب را دیدند، همه کولی ها پا به فرار نهادند ولی :

ز بیمش جمله رم خوردند ناکام ‌ ‌ ‌ ‌ بماند آن نازنین در خواب آرام

از آن شور و شغب بیتاب برخاست ‌ ‌ ‌ ‌ چو چشم خویش مست از خواب برخاست

چو دیدش محتسب تاب و توان باخت ‌ ‌ ‌ ‌ به رنگ موم آتش دیده بگداخت (٦)

شعرای فارسی زبان نظیر این موضوعات را کراراً بیان نموده و داد سخن داده اند و می توان گفت شاعر " کنجاهی " در ابتکار فکر و بیان عقب نمانده، مصراع:

" چو چشم خویش مست از خواب برخاست"

"به رنگ موم آتش دیده بگداخت "

قوه تجسم فکر و ذوق در ایجاد تشبیه شاعر پنجاب را به خوبی نشان می دهد :

" قاضی " شهر از دل باختگی و دستپاچگی محتسب اطلاع حاصل کرده و بر آشفت و دستور داد که آن " آشوب شهر " را احضار و تنبیه اش کنند. غنیمت گوید :

روان شد فوج سرهنگان خود کام ‌ ‌ ‌ ‌ همه از خون ناحق باده آشام

روان بر مسکن شاهد رسیدند ‌ ‌ ‌ ‌ درش را مطلع الانوار دیدند

پریرو شد ازین هنگامه آگاه ‌ ‌ ‌ ‌ که برق فتنه زد بر خرمن ماه (٧)

" شاهد " بیچاره نمی داند چه کند، غنیمت عجز و لابه شاهد را در این بیت کم نظیری بیان می کند:

چو زلف خود به پای هر یك افتاد ‌ ‌ ‌ ‌ که می باید مرا زین راه سر داد (٨)

به دستور " قاضی " شهر شاهد را از دروازهٔ شهر بیرون کردند. " عزیز " که ناظر تمام این جریانات بوده، محرمانه پیغامی برای شاهد فرستاده و شاهد نیز دعوتش را

پذیرفته به خانه عزیز برگشت- عزیز خطاب به شاهد می گوید :

کنم جای تو ای آشوب محفل   چو بوی گل نهان در غنچهٔ دل
به نامت باشد اموالی که دارم   غلامت گردد اقبالی که دارم (۹)

و هنگامی که شاهد دوستی و همنشینی عزیز را قبول می کند عزیز از خوشحالی در پوست نمی گنجد و پنهانی هر دو باهم زندگی می کنند- دیری نپاید که حسودان داستان عشقبازی عزیز را به پدرش رساندند و به دستور او دوباره شاهد را شهر بدر کردند- ولی عزیز نتوانست مفارقت شاهد را تحمل کند و دنبال معشوق خود پا به صحرا نهاد و بعد از تگ و دو او را پیدا نموذ و عاشق و معشوق دوباره بهم رسیدند- آنطوریکه در بالا متذکر گردیدیم " عزیز " یگانه پسر حاکم شهر بود و بعد از رفتن عزیز حال حاکم نیز دگرگون گردید و از کرده خود پشیمان گشته عده ای را فرستاد تا عزیز و شاهد هر دو را به شهر بیاورند- پدر عزیز نامه ای می فرستد و می گوید:

رضا دادم که باهم یار باشید   گلستان گل بی خار باشید
مرا باشید هر دو نور دیده   علاج سینهٔ درد آرمیده (۱۰)

عزیز و شاهد نزد حاکم شهر برگشتند- این ملاقات را غنیمت چنین مجسم می کند-

کشید آن هر دو را یکبار در بر   ز ماه و مهر شد برج دو پیکر
پدر از جلوهٔ آن هر دو سر جوش   دو شمع افروخت در فانوس آغوش
کنار از عاشق و معشوق آباد   ز بادام دو مغزی یاد می داد (۱۱)

بعد از این شاهد را برای تحصیلات به مدرسه فرستادند و در مدت کوتاهی او شاگرد بسیار قابلی و جوان آراسته از آب درآمد- مدتی همین طور گذشت-

روزی شاهد از عزیز برای دیدن نمودن از مادر خود کسب اجازه نمود- عزیز هرگز مایل نبود، شاهد از او جدا شود ولی برای رضای خاطر معشوق با دل ناخواسته اجازه مرخصی داد- شاهد از عزیز جدا شده نزد مادرش رفت- اما عزیز نتوانست دور از او زندگی نماید و با تغیر لباس به عنوان قاصد " عزیز " نزد شاهد آمد :

بگفت آن قاصدش پیغام خود را   که بر گو راز خویش و نام خود را[۱۲]

از طرز گفتار " قاصد " شاهد زود می فهمد که قاصد خودش عزیز است:

عزیزش دید خون پی بردهٔ کار   ز حال خویشتن کردش خبردار

که ای شاهد عزیزم من عزیزم   که از دست تو چندین بی تمیزم

کشیدش در بر آن آرام دلها   می مقصود اندر جام دلها[۱۳]

دوباره شاهد پیش عزیز بر می گردد و روزی از روزها در آن ایام جوانی چنانکه افتد و دانی ، شاهد برای شکار به جنگل رفت و همینکه یك غزال را دنبال می کرد از همراهان خود دور شد و:

ز همراهان جدا گردیده در راه   گذارش بر دهی افتاد ناگاه

در آن ده بود چاهی کوثر آبی   به آبش تشنه هر دم آفتابی

ستاده بر لب آن چاه دل بند   به خون بی گناهان تشنهٔ چند

همه از یك دگرها دلرباتر ،   سبوهای پر آب آورده برسر[۱۴]

منظرهٔ چاه در دیهات پنجاب‌را مثل یك نقاشی زبردست تجسم داده است۔ از قرن ها دختر های جوان دیهات سبو به دوش دور چاه جمع می شده اند و گاه گاهی اتفاق افتاد که مسافری نیز برای رفع تشنگی یا استراحت مختصری آنجا در رسیده باشد۔ در افسانه های محلی پنجاب، چاه ده رل یك مسافر خانه یا مهمانخانه کنونی را داشته است۔

" شاهد " که در نتیجه همهٔ آن تگ و دو خسته و تشنه شده به چاه نزدیك شد :

به شاهد تشنگی زد جوش ناگاه   چو یوسف جلوه گر شد بر لب چاه

فرود آمد چو از توسن بر آن چاه   شکار چون خودی گردید ناگاه[۱۵]

دختر جوان ده را غنیمت چنین معرفی می کند :

نگارین دختری بردش ز سر هوش   چه دختر با قیامت دوش بر دوش[۱۶]

آری آن دختر که با قیامت دوش بر دوش بود، نیز متوجه جوان رعنا قامت گردید :

نه تنها شاهد من خویش را باخت   که آن معشوقه را هم محو خود ساخت[۱۷]

دل او هم فدای روی شاهد خراب غمزهٔ جادوی شاهد

عشق متقابل در دلهای شاهد و آن دختر که دختر رئیس ده بوده، جوش می زد و دختر شاهد را به عنوان مهمان نزد پدرش برد و خانواده اش از شاهد پذیرایی گرمی به عمل آورد- اما پدر دختر از عشق این دو نفر بی اطلاع بود- غنیمت گوید :

نهان در پرده دل گرم فغانها خموشی داستان در داستان ها
رئیس ده که دختر را پدر بود ز خدمتگاری شاهد نیآ سود
از آن غافل که برق خانه او شبی خون کرد بر کاشانه او
وزین هم بی خبر کان شمع سرکش زده در خانه او نیز آتش [۱۸]

شاهد و دختر و خانواده اش و سایر اهالی ده از بد بختی بزرگی که در انتظار آنها بود بی خبر در تاریکی شب به خواب رفتند- همینکه ایشان به خواب فرو شدند، فتنه سوزان بیدار شد- نیمی از شب گذشته بود که یك دسته بزرگ از غارتگران افغانی بر آن ده فرو ریختند و عده ای را که شاهد و دختر جزو آنها بودند، با مال و اموال اهل ده به اسارت بردند :

ز شب نیمی چو شد تاراج دوران بر آن ده تاختن آورد افغان
به غارت رفته زان ده جمله اموال به دل گردید با ادبار اقبال
نه شاهد ماند و نه آن شاهد آزار به دست قوم افغان شد گرفتار [۱۹]

عزیز که در فراق شاهد روز و شب را در کرب و درد و بی قراری به سر می برد، پرس پرسان به دهی رسید که شاهد آنجا به دست افغان ها گرفتار گردیده بود- بعضی از اهالی ده به عزیز گفته که :

گل اندامی که شاهد بود نامش دِه ما بوده است امشب مقامش [۲۰]

و اضافه نمودند که :

به رنگ دستهٔ گل بسته بردند چو بلبل با درون خسته بردند [۲۱]

با شنیدن این خبر " عزیز " آه از نهادش برخاست :

سرش برداشت بی تابی چو از خاك ز دل سر کرده صد آه المناك
به یاران گفت با صد ناتوانی مبارکباد عید جانفشانی [۲۲]

عزیز با عده‌ای از جوانان فداکار و مسلح به شهر افغانها حمله برد:

غنیم آمد ز شهر خویش بیرون
به عزم جنگ فوج تشنهٔ خون

در افتادند باهم جنگ جویان
زدند آتش به جانها شعله خویان

سلاست رخت بر بست از چپ و راست
ز آب تیغ طوفان اجل خاست

هزیمت از صف دشمن عیان شد
جهان پر شور بانگ الامان شد

برون آمد ز اعدا آخر کار
به جای نیزه ها انگشت زنهار

عزیز آن فتح چون آمد نصیبش
فرامش گشت دنبال رقیبش (۲۳)

عزیز شاهد را با هزار شادمانی همراه خود آورد ولی شاهد دیگر همواره نقشه ها برای ملاقات با معشوقه خود و فرار از دست عزیز می کشید.

بالاخر شاهد یك عجوزه پر مکر و کید را به خانه پدر معشوقه شاهد فرستاد تا پنهانی "وفا" (اسم معشوقهٔ شاهد) را از خانه پدرش فرار دهد. آن پیره زن مقداری "دروغهای راست مانند" تراشیده و خود را از بستگان خانواده "وفا" معرفی نمود.

پدر ساده لوح "وفا":

به تعظیم و ادب بوسید پایش
درون خانهٔ خود کرد جایش (۲٤)

عجوزه پیغام شاهد را به "وفا" رساند و او را برای فرار از خانه اش آماده ساخت. نیمه شب وفا از خانه پدرش فرار کرده و در یك دهکده ای دیگر خود را پنهان کرد. پیر زن شاهد را از محل اختفای معشوقه اش اطلاع داد و شاهد به بهانهٔ ملاقات به یك نفر پیر و مرشد اجازهٔ مرخصی گرفته و با 'وفا' ملحق گردید. شاهد که به مقصودش رسیده بود، دیگر عزیز را فراموش کرد و به اتفاق وفا به دیار بی کنار عشق عزیمت نمود.

عزیز از دوری معشوقه اش بلای بی درمان شده و شب و روز آه و ناله می کرد. دو نفر از همراهان شاهد که به اصل قصهٔ شاهد و وفا اطلاع کرده بودند، بر گشتند و عزیز را از موضوع آگاه کردند. سعی و کوشش عزیز برای دوباره پیدا کردن شاهد بی نتیجه ماند و در فراق یار می سوخت تا در نتیجهٔ این سوز و ساز پیهم بارقه از انوار ازل در قلب او افتاد. اینك ابیات چند از آخرین قسمت مثنوی که از

حیث لفظ و معنی و صنایع شعری بهترین نمونهٔ شعر غنیمت می باشد:

عزیز آن کشتهٔ بی رحمی یار / فریبی خورده از نیرنگ دلدار
صدای پای هر کس چون شنیدی / ز بیتابی ز خود بیرون دویدی
رسیدند آن دو خدمتگار مهجور / به زیر گرد خجلت زنده در گور
چو گفتندش حدیث آن رمیدن / نگفتن ریزش خون شنیدن
فزون شد گرمی هنگامهٔ آه / روان شد سوی گردون نالهٔ آه
خبر جویان ز هر جانب دویدند / ز هر سو بی خبر تا زان رسیدند
گمان هرجا که تعین مکان کرد / تجسس رفت و نومیدی بیان کرد
ز جست جوی او چون گشته نومید / به یادش این چنین می گفت جاوید
که کار خوبرویان بی وفائیست / طریق دلبران نا آشنائیست
ز بس جان کند از اندوه بیداد / تو گویی کوه غم را بود فرهاد
چو شد از بادهٔ غم بی خود و مست / گرفتش لطف معشوق ازل دست

جمال لایزالش چهره بنمود
شکست آن بت که نامش غیر او بود(۲۵)

حواشی (از مرتبین)

(۱) غنیمت کنجاہی، مثنوی نیرنگ عشق، به تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیدمی لاهور، ۱۹۶۲ء، ص ۱

(۲) ایضاً، ص ۹

(۳) ایضاً، ص ۹

(٤) ایضاً، ص ۹

(٥) ایضاً، صص ۱۱-۱۲

(٦) ایضاً، ص ۱۳

(۷) ایضاً، ص ۱۵ ؛ در مقاله، مصراع دوم شعر دوم چنین نوشته شده است:

ـ درش را مطلع انوار دیدند

(۸) ایضاً، ص ۱۵

(۹) ایضاً، ص ۱۸

(۱۰) ایضاً، ص ۲۸

(۱۱) ایضاً، صص ۲۹-۳۰ .

(۱۲) ایضاً، ص ۳۸

(۱۳) ایضاً، ص ۳۸ ؛ در مقاله، مصراع دوم شعر سوم چنین نوشته شده است:

ـ پی مقصود اندر جام دلها

(۱٤) ایضاً، ص ٤۱

(۱۵) ایضاً، ص ٤۱

(۱٦) ایضاً، ص ٤۱

(۱۷) ایضاً، ص ٤۲ ؛ در مقاله، مصراع اول چنین نوشته شده است:

ـ نه تنها شاهد ما خویش را باخت

(۱۸) ایضاً، ص ٤۳

(۱۹) ایضاً، ص ٤۳

(۲۰) ایضاً، ص ٤٤ ؛ در مقاله، مصراع اول چنین نوشته شده است:

ـ گل اندامش که شاهدٔ بود نامش

(۲۱) ایضاً، ص ٤٤

(۲۲) ایضاً، ص ٤۵

(۲۳) ایضاً، صص ٤۵-٤٦

(۲٤) ایضاً، ص ٤۹، در مقاله، شعر چنین نوشته شده است:

ـ به تعظیم و ادب بوسیده پایش درون خانهٔ خود داد جایش

(۲۵) ایضاً، صص ۵۲-۵۳

دکتر محمد ظفر خان

نظری به مثنوی شاهد و عزیز ☆

(۱)

غنیمت کنجاهی د- ۱۱۰۸ق مثنویی را به نام نیرنگ عشق که هم به نام مثنوی شاهد و عزیز معروف است و دارای داستان عشق عزیز با شاهد است ' قریب به سیصد سال قبل نگاشت که از سایر نگاشته هایش معروفتر است و شهرتی در تمام شبه قاره پاکستان و هند به دست آورد و تا کنون هم هیچ از شهرتش کاسته نشده است- این مثنوی در ادبیات فارسی مقام ارجمندی را دارا است و اسم آن شاعر نامی را زنده نگاه داشته است- این منظومه دلنشین و کوتاه مشتمل بر ۱۵۰۰ شعر است و بارها به چاپ رسیده است- آخرین بار در سال ۱۹۶۲م از طرف اکادمی پنجابی در لاهور به چاپ رسید- چند سال است که این مثنوی بیش از پیش مورد توجه دانشمندان و نقادان پاکستانی قرار گرفته است-

مثنوی غنیمت مرقع ای است بسیار زیبا که از شهرت وافی بهره دارد و داستان موثر مهیجی است به طوری که ظاهر آن حس را لذت بخشد و باطنش عقل را تنبیه دهد و هر که و مه را مجلوب و مجذوب می سازد و هیچ کس نمی تواند از تعریف و توصیفش خود داری نماید- این مثنوی یکی از مثنویات عشقیه محسوب می شود ولی داستانش دارای ندرت است و از حیث موضوع و نفس مضمون بی همتا و بدین جهت مدتی مشمول کتب درسی بوده است- موضوعش موضوع عامیانه غزل است ، ولی از سرایندگان متقدمین و متاخرین کسی نیست که این موضوع را برای مثنوی انتخاب کرده باشد- در این زمان هم که عدهٔ سخنوران غزل گوی فارسی زبان در پاکستان کم نیست مثنوی نوشتن دشوارتر است و همچنین سخنوران معاصر ایران این روش قدیم را کمتر دنبال می کنند- زیرا مثنوی سرودن کوه کندن و کاه بر آوردن است و فی زماننا این صنعت ادب گرمی بازار هم ندارد- ازین رو ، مثنوی غنیمت از حیث موضوع همواره نادرهٔ روزگار خواهد ماند-

---

☆ هلال، کراچی، مه ۱۹۷۱م، ص ۳۲-۳۵؛ ژوئن ۱۹۷۱م، ص ۲۸-۳۵

این مثنوی در بحر هزج مسدس مقصور (محذوف) است و این داستان عشق شاهد و عزیز اساس بر " المجاز قنطرة الحقیقت " دارد و در ۱۰۹۶ق در حیطهٔ تحریر درآمد۔ وی تحت عنوان خاتمه کتاب می نویسد:

چو شد ختم این کلام سینه پر درد خرد تکلیف تاریخش همی کرد
نمایان گشت تاریخ نو آئین " ز گلزار بهار فکر رنگین "[۱]

" گلزار بهار فکر رنگین " ماده سال نگارش است و به حساب ابجد ۱۰۹۶ق از آن بر می آید۔

قبل ازین که ما به محاسن و معایب مثنوی اشاره کنیم مناسب می دانیم که هر چه خود غنیمت دربارهٔ منظومه خویش سروده است نقل نماییم:

چو من این گوهر سیراب سفتم شنیدن را مبارك باد گفتم
نه شعر این انتخاب عشق بازی است تراوشهای زخم جانگدازی است
نه شعر آن شورش امواج خون است حدیثی از لب زخم درون است
نه شعر این نالهٔ خونی نوایی است شکست شیشهٔ دل را صدایی است
به ترتیب معانی دل نهادم رگ ابر گهر باری کشادم
به شوق معنی از دل خاست جوشم شراب گوهر دل برده هوشم
قلم ننوشت جز بی تابی دل دواتم بود حلق مرغ بسمل
به حرف دل گدازی لب گشودم دهن را دیدهٔ گریان نمودم[۲]

نیرنگ عشق به لحاظ نفس مضمون ' مورد پسند بعضی از منتقدین قرار نگرفته است و آنان از جرأت و جسارت سراینده بر آشفته و خشمگین هستند ولی از روی فن داستان گویی و خصوصیات شعری همه در تعریفش رطب اللسان اند؛ الا احمد علی هاشمی ، مولف مخزن الغرائب ، که این مثنوی را از " فصاحت و بلاغت افتاد "[۳]۔ گفته است برخی را مایه خیرت دست داده است که چگونه در عهد پادشاهی مثل اورنگزیب عالمگیر چنین مثنوی نگاشته و به حسن قبول تلقی شد۔ به خیال ما جای تعجب و شگفتگی نیست۔ لازم است که جهت سنجش اهمیت این مثنوی اندکی به تاریخ آن زمان بنگریم و وضعیت جامعه را که در عهد اورنگ زیب و اخلافش بود ' بررسی نماییم۔ خواهیم دید که غنیمت وضع سیاسی و جامعه ای آن

زمان را با صراحت فوق العاده ای بیان و توضیح نموده است. اوراق تاریخ کاشف و پرده بردار حقایقی است که غنیمت نگاشته است و محققان ونقادان نیرنگ عشق با وجودی که نفس مضمونش را نمی پسندند نتوانسته اند تاریخ نگاری وی را تکذیب کنند. بلکه آنان تصدیق نموده اند که رجحانات و تمایلات افراد جامعه آن دوره کاملاً همان بوده است که این مثنوی به آن اشاره می کند.

این مثنوی اگرچه داستان است، اما به قول بعضی از تذکره نگاران داستانهایش دارای حقایق تاریخی است در ظرف این ربع قرن دربارهٔ این مثنوی بحث های فراوانی به عمل آمده است.

ادب عکاس زندگانی است و آثار و افکار آن نویسنده و شاعر با رز می باشد که عکاسی زندگی افراد جامعه می کند. معایب اجتماع را آشکار کرده هرچه مبنی بر حقیقت است برملا ابراز نماید و احوال واقعی را به روز می دهد. غنیمت شاعری است که نقاب از چهره تمدن و فرهنگ زمان خود برداشته نه فقط ما را در گرداب استعجاب در می اندازد بلکه بر حیرت و خود فریبی ما متبسم شده از نوک قلم ریش درون ما را می خراشد. ازین امر ما رنگ به رنگ می شویم لاکن زود ما این شاعر رك گو را مورد غیظ و غضب قرار می دهیم. او بر ریش های ما مرهم می نهد گویی یك کمی مداوای درد ما می کند. غنیمت چه خوش گفته است:

میم بس تند و عهد پارسایی است		فزودن در تکلف نارسایی است
مخاطب اندکی نازك مزاج است		سخن کم گو که کم گفتن رواج است [4]

در این مثنوی غنیمت عکس صور افراد جامعه آن دوره را برداشته است و این جرأت رندانه اش سزاوار ستایش است. لاریب تلخی حقایق را حس می کنیم لاکن ما باید این جرعات تلخ را به میل و رغبت تمام بنوشیم زیرا این کردار معاشرین یك دوره را بر منصهٔ شهود جلوه گر می کند و ما با خیالات و احساسات، رسوم و سنن، تمدن و فرهنگ آن افراد را که سی صد سال قبل زیست می کردند آشنا می شویم.

معترضین به جز این نمی توانند اعتراض کنند که در تعریف و توصیف شاهد طوالت بی جا را به کار برده است. هر جا که نام شاهد برد در ستایش خوب رویی و رعنایی او خود داری کردن نتواند مثلاً وقتی شاهد در بلده وارد شود و شهرهٔ حسن و

زیبایش در شهر شود و دوستان عزیز آن دلدادهٔ حسن بتان را چنین طور مطلع کنند:

پری زادیست به این قوم همراه   نموده جلوهٔ او رخصت آه
به چشم مست دیدارش رگ خواب   به یاد شوخی او برق بیتاب
دهن رمز حدیث لن ترانی   زبان حرفی ز اسرار نهانی.[۵]

دوازده شعر در خوبی و زیبایی او نوشته است:

عزیز وقتی شاهد را طلب کند شاعر رنگین نوای ما چنین مدح سرا می شود:

که آمد از در آن سر جلوهٔ حور   نگاهش نور چشم شعلهٔ طور
بتی آشوب شیخ و سرگ زاهد   بتی مانند نام خویش شاهد
رخش آیینه دار شمع ایمن   چراغ طالع پروانه روشن[۶]

بر این موقع پانزده شعر در مدحش به رشتهٔ تحریر در آورده است.

شاهد چون از وطن مالوف به دیار عزیز برگردد، غنیمت بار دگر در توصیف وی رطب اللسان می شود و ده شعر را زینت قرطاس می سازد. چند تا را در اینجا نقل کردن خالی از لطف نباشد:

رخی یك جلوه رنگین تر ز گلزار   نگاهی آرزو را جام سرشار
هنوزش نو بهار حسن در جوش   هنوزش نرگس ظالم قدح نوش
هنوزش غمزه در جادو طرازی   هنوزش عشوه گرم بی نیازی
هنوزش آنچه می بایست موجود   هنوزش آتش رخسار بی‌دود
هنوز از تیر مژگان ستم زاد   جگرها همچو ماهی نشتر آباد[۷]

شاعر ما از حسن آن پری تمثال چنان مرعوب است که هر جا نامش بر زبان آرد، چند شعر در مدح پیکر سیمین آن دلارام زهره نژاد نوشتن لازم دارد. به طور مثال بگوییم عزیز چون شاهد را برای رقصیدن طلبد، غنیمت اول تعریف حسنش کند و چون او برای رقص بایستد، چند شعر درین ضمن سراید و چون رقصد دوازده شعر در این باره بر سطح قرطاس منتشر شود. تشبیهات و استعارات در قالب تخیل جان اندازد و آن منظر دل آویز پیش چشم قاری مجسم بشود.

سه تا شعر را در اینجا نقل می کنیم:

عزیز آن دل فدای راه جانان   شده در خیر مقدم گوهر افشان

پی تعظیم او برخاست ناگاه | ز سر هوشش ز رخ رنگش ز دل آه
نشست و بزم را رشك چمن کرد | چمن را اخگری در پیرهن کرد (۸)

این همه را صرف نظر نموده زیرا هر چه گفته است بی مناسبت نیست و طبع لطیف از خواندن این همه اشعار لطف اندوز شود البته باید متذکر شویم که شاعر شیرین سخن جایی که ذکر شاهد به کسی کند وی را عاشق و شیفتهٔ او ساخته از زبان آن دل باخته اظهار عشق کند یا عواطف و کیفیتش را تجسیم کند۔ محتسب باشد یا معلم ' طفلان مکتب باشند یا جوانان عصر گویی کسی نیست که به او برخورد و فریفتهٔ او نشود۔ هر که و مه مرعوب جمال جهان آرای آن دلبر طناز هست و دم عشقش هم زنند تا به این حد اگر بودی طبع قاری از اطناب نفور نشدی و زبان شکوه از حسن محاکات و بلندی تخیل و معنی آفرینی خاموش ماندی لاکن طائر تخیل شاعر پرواز کرده به مقامی رسد که آشیانه اش از نگاهش ناپدید شود و آن در وادی تجاهل عارفانه و غلو سر گردان شود۔ در آنجا عالم نو به نظرش آید و حروف ابجد هم به شاهد عشق ورزد۔ آن محبوب دلربا به مکتب آمد و الف با تا خواندن آغاز کرد و " به یك بسم الله اش استاد بسمل " گشت کیفیت حروف ابجد را ملاحظه بفرمایید :

به پیش او الف چو دال خم شد | میان عشق بازانش علم شد
ز بس در عشق او با از الم کاست | عصا کرد از الف آنگاه برخاست
چو جیم از چشم خون ریزش خبر یافت | سر خود را به دامن کرد و بشتافت
بدان خوبی چو دید از دور دالش | نداد از دست دامان وصالش (۹)

غنیمت هفده شعر نوشته است ولی اطمینان قلبی به دستش نیامده است۔ لذا چون شاهد بعد از درس گرفتن از مکتب برفت حالت حروف ابجد در هجر و فراقش را به هیجده بیت اظهار نموده است۔ چند تا شعر تقدیم می شود :

جدا از قامت او شد الف آب | به پشت با نه طاقت ماند و نی تاب
سر جیم آرزو مند بریدن | به شوق نقطه چون در دل تپیدن
ز بار درد پشت دال خم شد | سرش چون غنچه در جیب عدم شد (۱۰)

غنیمت ازین طوالت بیان آگاه است ولی مقصد وحیدش تعریف حسن است؛ زیرا از بیان خوبی های شاهد غبار از خاطر اندیشه اش رفته می شود :

ز خوبی های شاهد بس که گفتم غبار از خاطر اندیشه رفتم [۱۱]

باید مثال دیگر ازین اطناب به تذکار آید چون پدر عزیز براین امر وثیقت نامه بنویسد که:

رضا دادم که باهم یار باشید گلستان گل بی خار باشید

مرا باشید هر دو نور دیده علاج سینهٔ درد آرمیده [۱۲]

برای آن که عزیز یقین قطعی پیدا کند در وثیقه نامه سوگند خورد و شاعر شیرین گفتار ما ۳۰ شعر دراین باب سپرد قلم کند چهار شعر ملاحظه شود:

به حسن لا یزال شاهد غیب به عشق نا تمام فتنه در جیب

به شاهد بازی نظاره جویان به عاشق پروری های نکویان

به شور نالهٔ پر درد بلبل نمك پاش جراحت کاری گل

به حسن توبهٔ رنگین جوانان به زخم کاری از پوست پنهان [۱۳]

بدون شك و ترس تردید می گوییم که این سخنور عالی قدر در این همه اشعار چنانکه ملاحظه نموده اید، قوت بیان را اظهار نموده است- زادگان طبع وقاد را از حلیه تشبیه و استعاره پیراسته است و از کحل تلاش معانی چشم تخیل را جلا بخشیده است- ترشحات فکری را به گلهای بو قلمون صنایع لفظی و معنوی رنگ و بوی دگر داده است و هر یك از آن جالب نگاه و باعث راحت روح است، لاکن در بعضی از جاها مبالغه تا به حد غلو رسانده است و این بر رخسار زیبای ندرت بیان و طرز نگارش خالی است که بعضی را خوش نمی آید- مطالعه مثنوی بر ما منکشف می کند که تصور و تخیل غنیمت اگر وقتی خسته و درمانده شود او پروایی نداشته مست و سرشار راه خود را می پیماید و آرزومند آرام نمی شود- گاه گاهی قدمش می لغزد، ولی او برای حصول مطلوب و منزل مقصود سعی و کوشش را از دست نمی دهد و خواسته خویش را به اسلوب دلپذیر بیان کند لکن در بعضی جاها طوالت بی جا را ذوق سلیم نمی پسندد؛ چنانکه گفته اند:

مکرر گرچه سحر آمیز باشد
طبیعت را ملال انگیز باشد

حواشی (از مرتبین)

(۱) غنیمت کنجاهی، مثنوی نیرنگ عشق، به تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیدمی، لاهور، ۱۹۶۲م، صص ٥٤-٥٥

(۲) ایضاً، ص ٥٤؛ در مقاله ، شعر چهارم چنین نوشته شده است:

نه شعر این نالهٔ خوبی نوائیست شکستهٔ شیشهٔ دل را صدائیست

(۳) هاشمی سندیلوی، احمد علی، تذکره مخزن الغرائب، تصحیح محمد باقر، جلد ٤، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۳م، ص۲۲۷-

(٤) مثنوی نیرنگ عشق، ص ٥٥-

(٥) ایضاً ، صص ۱۱-۱۲-

(٦) ایضاً ، صص ١٦-١٧-

(۷) ایضاً، ص ۳۹؛ در مقاله بعد از شعر اول دو مصراع جداگانه مثل یك شعر چنین نوشته شده است:

هنوزش نو بهار حسن در جوش هنوزش عشوه گرم بی نیازی

(۸) ایضاً ، ص ۱۷-

(۹) ایضاً ، ص ۳۱-

(۱۰) ایضاً ، ص ۳۲-

(۱۱) ایضاً ، ص ٥٤-

(۱۲) ایضاً ، ص ۲۸-

(۱۳) ایضاً ، ص ۲۸-

(۲)

غنیمت کنجاهی در مثنوی شاهد و عزیز نه تنها تحلیل نفسی و تجزیه روحی بعضی از افراد جامعه کرده است، بل کوشیده است که اوضاع اجتماعی و اقتصادی آن زمان و خیالات و رجحانات توده مردم آن دوره را تجسیم کند۔ به اعجاز ایجاز کلام که یکی از مختصات اوست، مساعی جمیله اش بار آور شده به حسن قبول تلقی گشت۔ این مثنوی شگاف در شبستان راحت و عشرت امیر زادگان و نوابان است و ما را در اندرون دیدن آن کمك می نماید و ما مشاهده می کنیم که در محافل متمولین و خوانین رقص و سرود و چنگ و رباب وجه سرور و انبساط بود۔ دراین بزم های عیش و نشاط چون " آتش زبانی و شعله بیانی " که جوانی خویش را صرف ماه رویان نموده بود چون " رنگین قصه های غارت هوش " را تذکار می کرد و در خوش گلی و خوش گلویی امرد یا در حسن و جمال دوشیزگان مه تمثال و مه جبینان سیم تن رطب اللسان می شد، همه اهل محفل نادیده عاشق شده می خواستند که وی را در محفل مسرت آگین خویش بیاورند و ازین گلهای خندان و غنچه های متبسم که باعث سرور روحی و تسکین قلبی شان بود، حظ وافر ببرند۔

مطالعه مثنوی بر ما منکشف می کند که در آن دوره اوضاع مردم عامه وخیم بود۔ تهی دستی و مفلسی اقدار اخلاقی را چنان پست کرده بود که پس پردهٔ قانون و احتساب خوید و فروش امرد گرمی بازار داشت۔ آیا هیچ متاع عزیز عزیزتر از پسر برای مادر هست؟ ولی در آن محیط نا مساعد مادر مجبور بود که لخت جگر را بفروشد۔ آب و تاب سیم و زر چشمش را خیره کند و او جگر گوشه ای خویش را چون کالای فروختنی با کمال خونسردی بیش " بهگت بازان " اندازد ـ مولانا غنیمت "برده فروشی و برده خری " را به اسلوب دلکش اشاره کرده گوید:

زر آوردند و در راهش فشاندند　　ز راهش برده سوی خویش خواندند (۱)

غنیمت در جای دیگر نیز اشاره صریح به این امر کرده گفته است:

قزلباشانه گه امرد خریدار

در ماضی بعید همچو عصر حاضر سینما و تیاتر نبود، ولی این "بهگت بازان" از رقص و آواز قلوب شنوندگان را مسحور می کردند۔ فضای بسیط از نغمات شیرین و دلپذیرشان در وجد و حال می آمد و همه ماحول غریق سرور می شد۔ این "بهگت بازان" در قریه ها و بلده ها گردش کرده مظاهره فن خویش می کردند۔ در لباسها و شکلهای مختلفی جلوه گر می شدند و کیفیات و اوضاع مختلف النوع حیات انسانی را پیش ناظرین تجسیم کرده آنان را تحت تاثیر آورده بی خود می ساختند۔ هر یك از آنان برای آن که حقایق زندگانی انسانی را بر منصهٔ شهود جلوه گر سازد، همه صلاحیتهای فطری و اکتسابی را به روی کار می آورد و وجه تفنن طبع تماشه چیان شده چند تا از لمحات حیات ناپائدارشان که مملو به زحمات گوناگون بود، به مسرت و شادمانی هم کنار می کرد۔ تفصیل این اجمال از زبان غنیمت خوش خواهد آمد:

به علم رقص و تقلید اوستادان	مراد خاطر عشرت نژادان
همه خوش لهجگان نغمه پرداز	به حرف اصطلاح ما بهگت باز
به فن خویشتن استاد هر یك	گهی مرد و گهی زن گاه مردك
گهی سناسیان مو پریشان	گهی اسلامیان اهل ایمان
گهی هندو زنان فتنه همدوش	مسلمان زاده ها را غارت هوش
گهی گبرو مترش نا مسلمان	گهی دهقان زن و گه پیر دهقان
قزلباشانه گه امرد خریدار	غلامی گه چو طوطی چرب گفتار
گهی رنگ زن نو زاده بر رو	به دست دایه گریان زادهٔ او
گهی دیوانه و گاهی پری بود	کلامش را شنیدن باوری بود
زهر قومی که خواهی جلوه سازند	به هر رنگی که گویی عشوه بازند (۲)

نه تنها اهل دیهات از رقص و آواز شان محظوظ می شدند بل ساکنین بلده ها و شهرها اینان را باعث دل گرمی خود دانستند بالخصوص نوجوانان و توانگران به سوی آنها بیشتر مایل و راغب بوده بر دیده می نشاندند و جای می دادند، زیرا خواسته های دل شان از آنان یافت می شد۔ ما اگر به دقت نظر مطالعه اوضاع و احوال شان بکنیم، واضح می شود که وقتی آنان در گهواره های نشاط و انبساط چشم گشودند

دور خویش بیشتر از ضمائر انسانی راسخ شده دیدند- دخت رز را چون رونق بزم سرود و سرور آبایی خود دیدند- آنان نیز در تقلید بزرگان خانواده رقص جام و سرود مینا را پسندیدند و دل بستهٔ ساز و آواز شدند- غنیمت عکس محفل آنان را چنین بر می دارد:

جوانی چند از ارباب دولت   چراغ افروز گرمی های صحبت
به رنگ بوسهٔ خوبان دل بند   بهم پیچیده در موج شکرخند
همه سامان مجلس کرده حاصل   نموده نام آن جمعیت دل
نگاه گرم خوبان آب کردند   چو در ساغر شراب ناب کردند
عیان از جام می در دست ساقی   اشارت های چشم مست ساقی
دل عشاق مست ناز مطرب   کباب شعلهٔ آواز مطرب
نبوده در کف آن ناز پرور   به جز عاشق نوازی سازدیگر
ز حسن دلبران غارت هوش   تماشا داشت صد کنعان در آغوش
نگاه نرگس جادو نگاران   جواب شکوهٔ بی اعتباران
ادا می کرد با هر خوش خطابی   زبان گوشهٔ ابرو جوابی
متاع صبر و نقد آرمیدن   نیاز غیرت دزدیده دیدن
به زور طبع ارباب معانی   همی دادند داد نکته دانی (۳)

اوضاع اجتماعی را صرف نظر کرده اگر احوال هر یك از افراد جامعه مدنظر داریم ، به این حقیقت پی می بریم که امرد مرجوع آنان بود و هر کس ... خورد و بزرگ، درویش و غنی، معلم و متعلم دل باخته و واله امرد بود- شاهد چون تحصیل علم به مکتب رود غنیمت داند ، از روی خوب شاهد بر معلم چها خواهد گذشت ، اینجا است که غنیمت نقاب تقدس صوری را از رخش بر دارد و اگرچه متعلم را مجرم گرداند که روبه روی چنین نیکو چهر و خوب روی کسی نتواند که خود داری کند-

غنیمت گوید :

به مکتب می رود طفل پری زاد   مبارك باد مرگ نو به استاد
اگر باشد معلم خود فلاطون   به اندك روز خواهد گشت مجنون
اگر این است طفل مکتب او   رسد هر شب به گردون یا رب او (۴)

لذا وقتی که شاهد پیش آموزگار زانوی ادب تهه کرد ، استاد گرامی دست پاچه شد :

بگفت استادش ای مجموعهٔ ناز　　　　که بسم الله ز بسم الله کن آغاز [۵]

آن مجموعه ناز چون بسم الله خواند استاد بسمل شد:

شد اول از سر بی تابی دل　　　　به یك بسم الله اش استاد بسمل [۶]

و چون آن تلمیذ رشید از مکتب به خانه رفت ، استاد مفتون در فراق آن دلربا کف افسوس مالید و به روی خویش سیلی زد- این بود حال آموزگار اکنون حالت شاگردانش از زبان غنیمت بشنوید :

نظر کردند چون بر روی شاهد　　　　شدند آشفته تر از موی شاهد

ز طفلان هر طرف برخاست فریاد　　　　که یاران آتشی در مکتب افتاد

صفای صفحه رویش چو دیدند　　　　ز خجلت جمله پیشش خط کشیدند

شدند اطفال زان غارت گر تاب　　　　چو طفل اشك ما خونین دلان آب [۷]

آن " سرو آزاد " چون از مکتب رفت :

همی شستند طفلان تختهٔ خویش　　　　به آب چشم داغ سینهٔ ریش [۸]

این ها افراد جامعه بودند که ضعف قوت ارادی شان اظهر من الشمس است ولی محتسب که در سینه اش به جای دل سنگ خارا نهاده اند قیافه اش خشن و باطنش عبوس باشد و او به هر که و مه ترش رویی و تند خویی را ابراز نماید- چون مواجه به شاهد شود از آب و تاب حسنش دلش مثل موم شود و درشتی و بد خلقی به نرمی و ملایمت مبدل می شود :

روان شد محتسب از بهر تنبیه　　　　به جنگ شعله بازان دبه پیهه

گروهی اهل تقویٰ در رکابش　　　　همه فرمانبران احتسابش

به حالش سخت می لرزد دل من　　　　که خون خویش می گیرد به گردن

ازان چشمی که باصد فتنه جفت است　　　　سر خود گر سلامت برد مفت است [۹]

غنیمت محتسب را اگرچه " دبه پیهه " گفته است ولی می داند که عوام الناس از شخصیت او چه قدر مرعوب هستند- محتسب چون برای تنبیه بر مسکن شاهد

رسید همه فرار را بر قرار ترجیح دادند:

چو روی محتسب از دور دیدند — همه لاحول گو از جا رمیدند
ز بیمش جمله رم خوردند ناکام — بماند آن نازنین در خواب آرام(۱۰)

البته آن "نگار بی مروت تشنهٔ خون" را چون شور و شغب به گوش رسید، از خواب شیرین بیدار شده بی باکانه برون آمد و محتسب تاب حسن و رعنایی آن فخام که پرستیدنی بود، نیاورد۔ طاقتش طاق و زبانش لال شد:

چو دیدش محتسب تاب و توان باخت — به رنگ موم آتش دید بگداخت
به یك نظارهٔ شوخ ستم گار — چو عضوی رفته از جا ماند بی کار
چو زلف او سری افگنده در پیش — به پا بوسش تو گویی رفته از خویش
ز تاب آتش عشق آب گردید — غلط گفتم شراب ناب گردید(۱۱)

و نوبت به اینجا رسید که هر که و مه از عشقش آگاه شد۔

غنیمت حقا دندان افراد جامعه را شمرده است و مقصود و مطلوبش از معرفی نمودن اینها به جز تخطئه ارباب اختیار و دانشمندان محترم و غیرهم نیست۔ از این مطالب جزیی که شاعر وصف کرده است بر ما هویدا شود که اکثریت عامة الناس در قعر مذلت افتاده است۔ قوت ارادی شان ضعیف است و آنان در قبال سرکشی و تخطی نفس اماره عاجز و بی دست و پا هستند۔ بدین سبب نه تنها وظایف خود را به طریق احسن انجام نمی دهند بلکه باعث نشو و نمای آن میکروب های بدی و آزر می شوند که وجود جامعه را مفلوج کند۔ این حقیقت الحق تا امروز باطل نشده است و وجود نا مسعود چنین افراد باعث شده است که صورت اقدار اخلاق مسخ شود۔ بدتر ازین این است که چنین کسانی به جای آن که اعتراف جرم خویش کرده از وقاحت و پر رویی خود منفعل شده تو به کنند ساعی شوند که از دلایل و براهین جواز خطا و نسیان را بیش کنند۔ برهان آنان همچو دلیل محتسب پوچ و بی معنی باشد۔ قاضی چون از والهی و شیفتگی محتسب آگاهی یافت او را تهدید شدید و زجر و توبیخ بلیغ کرده گفت:

خدا را بندهٔ بت را سجده کردن — نکشتم گر ترا خونم به گردن(۱۲)

آقای محتسب در جواب گفت:

تو هم بینی اگر آن روی نیکو   شوی مانند من دیوانهٔ او
زیك نظارهٔ او دارم آن چشم   که خاکستر شود این شعله خشم
برد مژگان گیرا یش دل از دست   دروغی نیست اینك شاهدی هست (۱۳)

لیکن قاضی نه از این سخن های لغو و بیهوده متاثر شد و نه از روی زیبای شاهد مرعوب بل او را فتنه و بلا دانسته حاکم وقت را مطلع نمود- بلندی کردار و پاك طینتی قاضی "راه سفارش" را مسدود کرد و حکم نفی برای آن "شهر آشوب" و فتنه زا صادر شد-

به این افراد جامعه ما اکثر و بیشتر برخورد کنیم و کوایف شان از نگاه ما پنهان نباشد ولی بعضی از افراد جامعه هستند که ظاهر آراسته و جذاب دارند و همه را از عظمت و تقدس ظاهری مرعوب کنند از " قیافه ملکوتی و نگاه های پر از رافت و عاطفت هیچ تصور نمی کند که ماورای این زیبایی یك روح نا هموار و ظلمت زده باشد " ولی مرور ایام چون تیرگی باطن و ذمایم اخلاقی آنان را آشکار کند و نقاب تقدیس پاره پاره کرده در فضای بسیط منتشر سازد، ما همه مات و سنگ شویم- آنان ماری باشند که از نقش و نگار ظاهری شان توجه همه مجلوب شود ولی گزیدهٔ آن دست از جان بشوید- چنین کسان کارهای زشت را طوری انجام دهند که کسی را اطلاعی نباشد و چون شخصیت آنان از شکوك و شبهات بالاتر باشد، لذا از پنجه آهنی قانون و آیین محفوظ مانند-

در این مثنوی ما به پیر زنی و درویشی برخورد کنیم که وجود نا مسعود آنان "خانه ناموس" را سیل بلا و برای چراغ عفت و عصمت باد ، تند و تیز است- این چنین مرد و زن جنت خانواده را مبدل به جهنم کنند- دختران عفیف را این عنیف ها در باغ سبز نمایند و از تبسم های پر از لطف و الفت و از طلاقت و فصاحت زبان دام های تزویر نهند و آنان مسحور شده چون یك بار مایل شوند در دام گرفتار آیند و از این زللی در قعر مذلت افتند و برای همیشه در رنج و محنت و شکنجه روحی می مانند و بالاخره به آن محیط بسازند- غنیمت وقتی که آن عجوزه را به ما معرفی نماید، حس می کنیم که آبی زیر پوستش رفته است- البته ما صورت و سیرتش را روشن می بینیم :

دو چارش شد کهن زالی ستمگار — ز خردی ها پدر کش مادر آزار
بلای خانه ناموس زالی — به چرخ فتنه پردازی هلالی
مصور افترای دلنوازی — مهیای هزاران کار سازی
فراخی بخش عیش تنگ دستان — تسلی دل شهوت پرستان
هزاران بزم عشرت در نوشته — خراش آباد ایام گذشته
ز عمر او درازی سر کشیده — به چشم خود هزاران حشر دیده[14]

شاهد یکی از این "حیله زای مکر اولاد" آگاه شد و دست به دامنش زده او را به خانه محبوبه خود که به اسم وفا موسوم بود، فرستاد۔ آن مکاره از مکر و حیله آدرس عزیزان و قرابت داران پدر وفا را دریافته به خانه اش رسید و افراد خانواده را به این طور رام کرد که فلان بر رشتهٔ پاره شدن به شما متالم و متاسف هستند و می خواهند که تعلقات دیرینه از سر استوار کنند و آرزو دارند که دختر خویش را به پسر شما در سلك ازدواج منسلك گردانند و برای آنکه آنان را از سر وا کند چیزی به طور "شگون" داد۔ آن ساده دل و ساده لوح به غایت عز و توقیر وی را پذیرا شدند و آن دغل باز بی وفا پچ پچ کرده نام شاهد برد و ساز عشقش را مضراب آشنا کرده گفت:

بتی دلکش و لیکن خاك راهت — چو چشم خویش بیمار نگاهت
ز عشقت شعله اش افتاد در جان — سمن زارش به رنگ پنبه سوزان
منش تا صد پیامش برلب من — بود موقوف رخصت های گفتن[15]

آن پتیاره وفا را به لطایف حیل از راه به در برد و به سوی خود مایل کرد و مشورت داد که از خانه پدر پا به فرار گذارد۔ آن دختر ساده صمیمیت و محبت که با شاهد داشت در قبال فشار گفتارش نتوانست پا فشاری کند تن در داد۔ آن زال نشانی درویش که همچو او مار خوش خط و خال بود، به وفا داده گفت که او به مکر و فن برادر خواندهٔ من است۔ ازین الفاظ غنیمت ما را اژیر دهد:

نه هر که سر بتراشد قلندری داند

این درویشان گندم نما و جو فروش به سعادت و آسایش عوام الناس بازی کنند و از افعال زشت شان زهره شرفا روی آب افتد ولی آنها از چشم عمال دولتی

مستور مانند تخیر عمال از اعمال شان چشم بپوشند بل آنان را نگاه دارند۔

این مثنوی هم کاشف است که عیش کوشی و چشم عاملان چپوچیان و غارت گران را بر تاخت و تاراج بر می انگیخت و آنان شب خون زده بعد از غارت و چپاول مردان و زنان را به اسارت می بردند۔ غنیمت گوید:

ز شب نیمی تا چوشد تاراج دوران	بر آن ده تاختن آورد افغان
به فرمان عداوت های دیرین	شب خون برد آنجا لشکر کین
به غارت رفته زان ده جمله اموال	به دل گردید با ادبار اقبال
نه شاهد ماند و نه آن شاهد آزار	به دست فوج افغان شد گرفتار (۱۶)

رسوم و رواج:

از مطالعهٔ مثنوی وضع و عادات و رسوم زندگی دهکده ها و روستاهای پاکستان باختری و پس منظر زندگانی روستایان جلوی چشم ما گردش می کند۔ همه گشاده رو و خوش خو و میهمان پذیر و مخلص بودند۔ زنان بالخصوص دوشیزگان آب از چاه می آوردند۔ این "خوبان سبوکش" اگر به مسافری برخورد می کردند به خانه می آوردند و اهل خانه در میهمانی او می کوشیدند۔ لذا وفا چون شاهد را به خانه خود برد۔ پدرش که کد خدا بود در خدمتگاری او دقیقه فرو نگذاشت۔

رئیس ده که دختر را پدر بود	ز خدمتگاری شاهد نیا سود (۱۷)

کمی از مراسم ازدواج درین مثنوی هم به نظر می آید یعنی گفتگوهای ابتدائیه به وسیله دوستان و اعزا و اقربا یا غیر از آن به عمل می آمد۔ همواره عزت و شهرت والدین پسر و دختر مد نظر داشته می شد و بعد از تصویب حلقه نامزدی را در انگشت پسر یا دختر کرده می شد و آن را "شگون" می گفتند:

شگونی را که باشد رسم داماد	روان پوشیده در دست پسر داد (۱۸)

در زمانه قدیم وسایل نقل و حمل موثر و آرام ده نبوده حصول کتب برای تشنگان علم به ویژه روستا نشینان خیلی مشکل بل محال بود و برای مشکل کشایی شان کتب فروشان کتب به دوش در دهکده ها و شهرها گردش می کردند و صدا می زدند و مردمان با سواد و تحصیل کرده از آنان کتاب های پسندیده خود می

خریدند- این صداهای دلنواز هم اکنون در بلده ها هم شنیده می شود-

عذرهای لنگ که طفلان مکتب در زمان مولانا غنیمت می تراشیدند در این زمان نیز به همان بهانه از کلاس بیرون می روند و با دوستان در تفریح و تفرج اوقات گرانمایه را ضایع می کنند- بعضی از آنها که در اتاق درس مانند سوی درس توجه خود را مبذول نمی کنند و بعضی ها آموخته را یاد ندارند و از بهانه های نوع به نوع بکوشند که مستوجب مجازات و سزاوار سزا نشوند- اینجا تمایلات و رجحانات شان را تکرار کردن به جز اطالهٔ کلام نیست- درین جهت این داستان مکتب را از زبان ملا غنیمت بشنوید و حظ ببرید :

یکی را بر زبانی چون رگ گل — به تکرار سبق آواز بلبل
ز دست سیلی این دیگر به فریاد — مراد خاص خاطر مرگ استاد
یکی در سبق دل سبقت اندیش — کتاب دیگری افگندی افگنده در پیش
یکی در اختراع حیلهٔ چند — کزان واقف نباشد روح اخوند
یکی بیماری چشمش بهانه — معلم در دعای عاشقانه
یکی را مانده لب از حرف خاموش — سبق چون نام مشتاقان فراموش
به سرعت آن دگر خوانان سبق را — نخوانده صفحه گردانده ورق را
یکی با دیگری در مصلحت خویش — ز مکتب خاسته لیکن پس و پیش
یکی بهر سبق نوبت طلبگار — زبان در حرف دل در سیر بازار[19]

خصوصیات شعری:

مولف شمع انجمن در تعریف و توصیف این مثنوی چنین رقم طراز است:

"نیرنگ عشق، مثنوی او شهرت و قبول تمام دارد و در چستی
عبارت و نزاکت و اشارت فایق بر مثنویات شعرای نامدار است-
ترکیب دل نشین معجون مفرح خاطر نازك خیالان است و
تضمین رنگینش عزیز دلهای آشفته حالان"[20]

لاریب غنیمت در مثنوی مطالب مطلوبه را به طریق احسن عرضه کرده است که خوانندگان گرامی فصاحت کلامش و حلاوت بیانش، روانی طبعش و دقت

ذهنش را تحسین کنند- بر جدت تشبیه و ندرت استعاره و دیگر صنایع لفظی و معنوی و بلندی تخیل و مضمون آفرینی آفرین گویند- لازم به یاد آوری است که غنیمت در منظر کشی و کردار نمایی و جذبات نگاری و غیر ذالك مهارت تامه خود را نشان داده است- الفاظ موزون و تراکیب دل نشین تصور و تخیل شاعرانه او را به حسن و خوبی مجسم می کند- می خواهیم چند تا اشعار را اینجا به خوانندگان عالی قدر تقدیم نماییم:

(۱) منظر کشی :

منظره ای را در قالب الفاظ تجسیم نمودن کاری است خیلی صعب و دشوار، لاکن کمال شاعر و شاعری در این پنهان است- شاعر را باید که منظره ای را چنین طور بیان نماید که سامعین و یا قارئین به عالمی رسند که شاعر موجود است، گویا گوش سامع و قاری مبدل به دیده شود، چنانکه گفته اند : " الوصف یقلب السمع بصیرا " وصف مولانا بخوانید و ببینید :

شاهد وقتی که در بزم عشرت آگین عزیز در آید و در تعمیل ارشاد عزیز رقصد، غنیمت جزئیات آنها را حتی تاثرات بینندگان را در قید قلم آرد- بزم طرب عزیز چون از جلوهٔ رنگین شاهد آراسته و آن شوخ و شنگ مانند شعله تند و تیز از جا برخاسته رقصیدن گرفت ؛ همهٔ اعضا اش چون موج باده در جوش بوده ساغر صبر و شکیب عشاق را لبریز می کرد- دست افشانیش بر رخ زهد و پر هیز سیلی می زد- زنگوله ها که بر پایش بسته بود گویی دلهای نالان سر های خود را به پایش می سود- "کناری " که بر دامنش دوخته شده بود، به وقت چرخش چراغ شعله جواله را روشن می کرد:

چو رنگین جلوه او مجلس آراست ز دلها بی خود این آهنگ برخاست
که دیدن چشم در راه سماع است قیامت را نشستن اختراع است
چو می باید نشست ای شعله پر جوش به رنگ آتش یاقوت خاموش
شنید این نغمه چون آن شوخ پرمست به سان شعله تند و تیز بر جست
چو رقص از شعله انگیز سر شد ز باد دامن خود تند تر شد
بر رقصش گرم شوخیها برد هوش تمام اعضا چو موج باده در جوش

دل عشاق شد در بی قراری | ز پایش فتنه ها را دستیاری
نشستن صد بیابان رم در آغوش | ستادن با قیامت دوش بر دوش
گهی چون برق جستن ساز دادی | گهی چون شاخ گل کج ایستادی
چو بردی بر کمر دست آن ادا مست | شدی سوی کمر خط کف دست
چو می کردی به دست افشانی انگیز | زدی سیلی به روی زهد و پرهیز
به پا کوبی چو جستی مست از جا | شکستی دانه انگور دل ها
برون می آمد از هر دانه آبی | ندانم خون نابی یا شرابی
به هر راهی که سر کردی مغنی | نمودی شاهدش طی بی تانی
مگر زنگوله بر پا بست جانان | به پایش سوده سر دلهای نالان
کناری وقت چرخش زیب دامن | چراغ شعله جواله روشن
گل رخسار او چون شد عرق پاش | شنید از بلبلان گلبانگ باش [۲۱]

غنیمت منظره ای جدال و قتال را هم به خوبی کشیده است۔ همین که فوج ظفر موج عزیز بر افغانان که قبل ازین بر دهکده ای که شاهد میهمان بود تاراج کرده بودند ' هجوم آورد سلامت از چپ و راست رخت بر بست و از آب تیغ طوفان اجل برخاست ' از گردنهای بی سر مقتولین خون همچو مینای شراب روان بود۔ میدان کار زار بحر خون شد و درآن کاسهٔ سر حباب آسا نمودار بود۔ بالاخره دشمنان از آن عرصهٔ کار زار پا به فرار نهادند۔ معجز نگاری خامهٔ غنیمت ملاحظه شود :

در افتادند باهم جنگ جویان | زدند آتش به جانها شعله خویان
سلامت رخت بر بست از چپ و راست | ز آب تیغ طوفان اجل خاست
به تندی های تیر ناوک از شست | نشان زخم از دلها برون جست
به هر جانب ز فیض آب پیکان | شگفته گلشن زخم نمایان
روان گردید خون مشهد آرا | ز گردن های بی همچو مینا
در آن آشوب گاه عرض نیرو | چو گل آمد یلان را زخم بر رو
نه زان سو عجز نه زین سو تحمل | نه زان سو طرح نه زین سو تغافل
چنین چندی چو قایم ماند بازی | کشید این فتنه کارش بر درازی

شهید شاهد آمد بر سر کار | به صد بی رحمی یار ستم گار
به وقت نیزه بازی ها دران دشت | قیامت آمد و گرد سرش گشت
ازان سرها که تیغش بر زمین سود | زمین صحن دکان کله پز بود
به بحر خون اعدای تبه کار | حباب کاسهٔ سر شد نمودار
هزیمت از صف دشمن عیان شد | جهان پر شور بانگ الامان شد
برون آمد ز اعدا آخر کار | به جای نیزه ها انگشت زنهار
صف افغان شکست کار دیده | نهان گردید چو رنگ پریده (۲۲)

(۲) کردار نمایی :

دسترس غنیمت در کردار نمایی از اشعار او هویدا است که در ضمن زن پیر و حیله جو و محتسب و غیرهم نوشته است۔ عزیز که قهرمان این داستان است، هم رزم آرا است و هم بزم آرا۔ رزم آرایی او از اشعار فوق واضح است۔ دیگر خصوصیات او که غنیمت شعار کرده است به این قرار است :

سر و سرخیل مجلس نوجوانی | به علم عشق بازی نکته دانی
به رنگ فکر خود صاحب تمیزی | چو نام خویش در دلها عزیزی
به ملك عشق والا دستگاهی | به صدر بی خودی مجنون پناهی
به علم عاشقی فرزانه استاد | کتاب قصهٔ مجنون و فرهاد
دل پروانه آتش نشیمن | سواد عشق پیشش کرده روشن
ز ثروت نیز حاصل داشت کامی | سعادت طالع او را غلامی (۲۳)

(۳) جذبات نگاری :

جذبات و احساسات انسانی نازك و لطیف و دقیق باشد و آنها را به همه جزئیات وصف نمودن خیلی مشکل، بل محال است۔ غنیمت جذبات و احساسات عشاق را محسوس کرده، در اظهار آن کوشیده و ازین عهده هم به طریق احسن بر آمده است۔ مثلاً موقعی که شاهد می خواهد به خانهٔ مادر خود برود و این آرزوی خویش بر عزیز عرضه کند، آن کشتهٔ تیر نگاهش برای پاس خاطرش اجازه مرخصی

دهد، لذا چون آن محبوب دلنواز بر اسپ سوار شود، اضطراب عزیز رو به فزونی نهد- غنیمت این واقعه دلگداز افتراق عشاق را چنین وصف می نماید:

عزیز آمد به هنگام سواری — عنان دل به دست بی قراری
گهی می گشت گرد توسن او — نمودی راست گاهی دامن او
گهی بی خویشتن می کرد فریاد — رکاب آسا به پایش بوسه می داد
چو دیدش یار ز انسان در غم و درد — تسلی دل غم پرورش کرد
که گردم چو نفس در یك نفس باز — دل از غم های تنهایی بپرداز
چو بشنید این حدیث نازنین را — به طوفان داد چشمش آستین را
ازان سو ناله در آتش عنانی — وزین سو عشوه گرم مهربانی
ازان سو گریه طوفان تلاطم — و زین سو آب در چشم ترحم
ازان سو التماس چاره سازی — و زین سو وعده عاشق نوازی
ازان سو بر زبان آه جگر پاش — وزین سو هر زمان برلب که خوش باش (۲۴)

همچنین روزی شاهد برای صید و شکار رفت و در دنبال غزالی اسپ خویش دوانید و بر چاهی دهکده ای رسید که در آن جا "وفا" با چند تا از دوستان و همسایگان برای حصول آب آمده بود- هر دو یك دگر را دیده دل از دست دادند- پیکان محبت در دل شان پیوست- تصویر این هیجانات روحی و اضطراب قلبی که در اولین منزل بر آنان مستولی گشت و عکسش از رخسار و رفتارشان هویدا بود، در این اشعار کشیده است:

گل رخسارها بر افروخت — به رنگ لاله دلها درمیان سوخت
بهم دز دیده دیدن جستجو داشت — همین چشم سخندان گفتگو داشت
تپش تحریص دلها کرد پر جوش — حجاب انگشت بر لب زد که خاموش
حدیثی را که دل از لب نهفتی — زبان شوخی دنباله گفتی
سوالش آن که در دل عشق زد جوش — جوابش آن که فهمیدیم خاموش (۲۵)

(٤) سراپا نگاری:

غنیمت همواره در توصیف حسن و جمال شاهد رطب اللسان است و

وصف چشم و مژگانش ، لب و دندانش ، ساعد سیمین و لب لعلینش ، کف دست و پایش و غمزه و ادایش را کرده است۔ انتخاب الفاظ و نشست آنها جدت تشبیه و ندرت استعاره وسعت نظر و قوت اختراع شاعر دامن دل می کشد و ذوق لطیف لطف اندوز می شود و شاعری ساحری به نظر می آید۔ اشعار متعدد را ما قبل نقل کرده ایم و امیدواریم که طبع سلیم از خواندن آنها منتعش شده باشد۔ لذا آن اشعار که در تعریف حسن و زیبایی شاهد گفته است، صرف نظر نماییم و در پایان این مقاله سرا پای وفا که محبوبه شاهد بود نقل کنیم، زیرا اینها نیز شاهد بر حسن مقال او است:

نگارین دختری بردش ز سر هوش		چه دختر با قیامت دوش بر دوش
نهان در گیسوی او لیلة القدر		عیان از جبهۀ او مطلع الفجر
کمان ابروی آن آفت جان		رگ ابر سیاه تیر باران
غزال چشم تکلیف رم هوش		نگاه مست صد میخانه درجوش
نه مژگان چنگل شاهین تقدیر		ربوده دل ز دست مرغ تدبیر
دراز از زلف او عمر تسلسل		عیان از پیچ و تابش مرگ سنبل
بنا گوشی که شد جانها فدایش		گهر گردد سر حسن صفایش
بهار عارضش را وقت دیدار		لطافت چون عرق ریزان ز رخسار
ببین بر بینی، آن نازنین حور		که شد موجی بلند از چشمۀ نور
لبش با آب حیوان در تکلم		نموده عرض جانها در تبسم
دهن گفتم رسید از غنچه بویی		ندیدم من شنیدم گفتگویی
ز دندانش چو سفتم در سخن در		دهان از گوهر یك دانه شد پر
ازان سیب ذقن دل حرف می راند		لطافت ریخت آهم در دهن ماند
صراحی تا نظر کردش به گردن		سرش فرسود از بس سجده کردن
خراب با زویش تاب و توانها		سپر افگنده زورش کمانها
مرا با ساعدش دلبند ازان است		که در دستش رگ جان جهان است
حنایی پنجه اش خورشید دلها		هلال ناخنش عید تماشا
برش چون داد نور خویش را عرض		نماز صبح بر عشاق شد فرض

شود دیوانه اینجا هوش وصاف
که دارد شوخی چشم پری ناف

خوشا آیینهٔ نیرنگ زانو
کزو شد طوطی طبعم سخن گو

رود هر جا سخن زان ساق پر نور
فتد آتش به جان شمع کافور

هوس از پشت پای آن دل آرا
به رخسار بتان زد دست ردها

کف پا با لطافت دوش پر دوش
حنا ثابت کن خون سیاوش [۲۶]

حواشی (از مرتبین)

(۱) غنیمت کنجاهی، مثنوی نیرنگ عشق، به تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکادمی، لاهور، ۱۹۶۲م، ص ۹-

(۲) ایضاً، ص ۱۱؛ در مقاله، مصراع دوم شعر سوم چنین نوشته شده است:

گہی سرد و گہی زن گاه طفلك

و شعر ششم چنین نوشته شده است:

گہی دهقان زن و گه پیر دهقان   گہی گبرو مترس نا مسلمان

(۳) ایضاً، ص ۱۰-

(٤) ایضاً، ص ۳۰-

(٥) ایضاً، ص ۳۱-

(٦) ایضاً، ص۳۱-

(۷) ایضاً، ص۳۱-

(۸) ایضاً، ص۳۲-

(۹) ایضاً، ص ۳۱-

(۱۰) ایضاً، ص۱۳؛ در مقاله، مصراع اول شعر دوم چنین نوشته شده است:

زبیش جمله رم خوردند ناکام

(۱۱) ایضاً، صص۱۳-۱٤-

(۱۲) ایضاً، ص۱٤-

(۱۳) ایضاً، ص ۱٤-

(۱٤) ایضاً، ص٤۸-

(۱٥) ایضاً، ص ٤۹؛ در مقاله، مصراع اول شعر دوم چنین نوشته شده است:

زعشقش شعله اش افتاده در جان

(۱٦) ایضاً، ص ٤۳-

(۱۷) ایضاً، ص٤۳-

(۱۸) ایضاً، ص٤۹-

(۱۹) ایضاً، ص ۳۱۔

(۲۰) صدیق حسن خان، نواب، تذکره شمع انجمن، ۱۲۹۳ھ، ص ۳۵۶۔

(۲۱) مثنوی نیرنگ عشق، صص ۱۷-۱۸ ؛ در مقاله، مصراع اول شعر سوم، مصراع اول شعر چهارم، مصراع اول شعر ششم و مصراع دوم شعر چهاردهم چنین نوشته شده است:

چو می باید نشست ای شعیه پر جوش

شنید این نغمه چون آن شوخ سرمست

برقص گرم شوخی ها برد هوش

نمودش شاهدش طی بی تانی

(۲۲) ایضاً، ص ۴۵۔

(۲۳) ایضاً، صص ۱۰-۱۱۔

(۲۴) ایضاً، صص ۳۵-۳۶۔

(۲۵) ایضاً، ص ۴۲۔

(۲۶) ایضاً، صص ۴۱-۴۲ ؛ در مقاله، مصراع دوم شعر چهارم، مصراع اول شعر ششم، شعر سیزدهم، مصراع اول شعر نوزدهم، مصراع دوم شعر بیست و دوم چنین نوشته شده است:

نگاه مست صد میخانه بردوش

دراز از زلف او عمر مسلسل

ازان سبب طقن دل حرف می راند
لطافت ریخت آن هم در دهن ماند

شود دیوانه اینجا هوش اوصاف

کند آتش به جان شمع کافور

سید نور محمد قادری

دیوان غنیمت کے ایک مخطوطے کا تعارف

ہمیں حال ہی میں دیوانِ غنیمت کا ایک اور قلمی نسخہ دستیاب ہوا ہے جس میں ۸۰ کے لگ بھگ ایسے اشعار موجود ہیں جو اکیڈمی والے مطبوعہ نسخہ میں بھی شامل نہیں اور ابھی تک علمی دنیا کی نظر سے بھی اوجھل ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے اور اکیڈمی والے نسخہ کے متن میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ کئی جگہوں پر پورے کے پورے شعر اور مصرعے بدلے ہوئے ہیں۔

مذکورہ مخطوطہ عام درسی سائز کے ۱۱۵ اوراق پر مشتمل ہے اور ناقص الآخر ہے (ردیف ہ پر ختم ہو جاتا ہے) طرز تحریر شکستہ اور الجھی ہوئی ہے۔ جس سے پڑھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ باوجود کوشش کے کئی اشعار پڑھے نہیں جا سکے۔

وہ غیر مطبوعہ اشعار جو پڑھے جا سکے ہیں نذر قارئین ہیں تا کہ وہ بھی اس خوان نعمت سے بہرہ اندوز ہو سکیں۔

برای دختر رز گو نباشد جام زرینی
غنیمت حسن کامل کی شود محتاج زیورها [۱]　　　(ورق نمبر ۱۱ قلمی)

امشب که او به میکدهٔ چشمت [۲] نگاه کرد
چندین هزار کشتی می را تباه کرد
هر کس که راه یافت به بزم وصالِ دوست
چون شمع نقد هستی خود صرفِ آه کرد
می ناکشیده رفتنت از بزم ما برون
جام شراب را دهن داد خواه کرد
یا رب سر شکسته عشاق خویش را [۳]
هم سنگ با شکستن طرف کلاه کرد
دهر از کجا و سرمهٔ بینایی از کجا
خاكِ سیاه پر سر چشم سیاه کرد

☆ مجلّہ فنون، لاہور، مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۴۸-۵۱

هر جا که هست یوسف مصری سخنوری [۴]
گردون دون زهستی طالع به چاه کرد
چون برق بر گرفت غنیمت ز حسن یار
خورشید از شکستن خود رنگ ماه کرد		(ورق نمبر ۴۴ قلمی)

مرا آن شور محفل ها به دل تا یاد می آید
چو تارِ چنگ موجِ باده در فریاد می آید
پی تصویر چشم شوخ [۵] تارنگ می ریزد
خدنگ غمزه اول بر دل بهزاد می آید		(ورق نمبر ۵۵ قلمی)

دختر رز شیشهٔ ناموس خود برسنگ زد
تا کداسِ شوخ یا رب بادهٔ گل رنگ زد
از لبِ زاهد شنیدم نالهٔ مستان [۶] دوش
در دل سختش همانا تو به سر برسنگ زد		(ورق نمبر ۶۱ قلمی)

هر که آشفته آن نرگس مخمور شود
در رگش قطرهٔ خون دانه انگور شود
به که در دار بقا خطبه به نامش خوانند
هر که در معرکه عشق تو منصور شود		(ورق نمبر ۶۲ قلمی)

بانگاه گرم او تاب سخن در من نماند
باده چون زور آورد تقریر برهم می خورد
در حریم بی نیازی نسبتی منظور نیست
خدمتِ عمری به یك تقصیر برهم می خورد		(ورق نمبر ۶۳ قلمی)

غبار آلوده آهم رخصت پرواز می خواهد
بیا بگذار خاکی بر سرِ این آسمان افتند
رقیب از گرد رهش سرمه داری آرزو دارد
غنیمت چشم آن دارم که خاکش در دهان افتند　　(ورق نمبر ۶۴ قلمی)

زبانی نیست اظهار محبت
شکست رنگ آوازی ندارد
به جز عاشق نوازی های جانان
غنیمت محفلم سازی ندارد　　(ورق نمبر ۶۴ قلمی)

که کرد سجده کویت که سرفراز نشد
به ناز کی به تو آورد رو که ناز نشد
گسست رشتۂ الفت کدام شوخ از ما
که دیده چون گرهِ ناکشیده ناز نشد　　(ورق نمبر ۶۴ قلمی)

گوشی زلطف برلبِ گورم توان گذاشت
باقی است از جفایی تو فریادِ من هنوز　　(ورق نمبر ۶۴ قلمی)

نشد زخوبی دل های مهر پرور خویش
که تر کند لب زخم (۷) به آب خنجر خویش
به دور ماتم مستانه (۸) او هوای بهار
غبارِ ابر کند جای خاك برسر خویش　　(ورق نمبر ۸۱ قلمی)

علاج سرکشی دشمنان ملامت است
که موج آب بود برق خرمن آتش　　(ورق نمبر ۸۱ قلمی)

در بزم بی رخت نفس سینه چراغ
شد همچو یاد[9] دشمن دیرینه چراغ
ضبط اثر ز حیرت روی تو داشت بزم
پروانه بود جوهر آیینه چراغ　　(ورق نمبر ۸۱ قلمی)

صبح دم گفتند گل ها از رخت در گوش هم
عاقبت گشتند هم چون بلبلان مدهوش هم
کرده جا از بس هجوم عاشقان در کوی او
حلقهای چشم چون زنجیر در آغوش هم
بر نفاق دوستان شاید بود مهر سکوت
شکوه[10] هم می زند جوش از لب خلموش هم　　(ورق نمبر ۸۹ قلمی)

ای سبو خاک کسی بود که می نوش شدم
باده در تاک همی گشت که مدهوش شدم
قامتم خم شد و شوق تو جوانست هنوز
تا بگیرم سرِ راهت هم آغوش شدم
همچو گل جامه جان چاک زدن مطلوب است
محرم رازِ حریفان قدم نوش شدم　　(ورق نمبر ۹۴ قلمی)

جایی نرفته ایم نگاهی نکرده ایم
آزردگی چراست گناهی نکرده ایم　　(ورق نمبر ۹۴ قلمی)

در تهه گردِ کدورت دلِ من بود نهان
به غلط فاتحه بر تربت مجنون خواندم　　(ورق نمبر ۹۵ قلمی)

نالہ در سینہ بہ یادِ رخت افروخت چراغ
گشت تبخالہ بہ لب چون دل دانا روشن (ورق نمبر ۱۰۰ قلمی)

زحال دل چاک خواهم نوشتن
خطی چند برخاک خواهم نوشتن (ورق نمبر ۱۰۰ قلمی)

ان میں تیس شعر بالکل پڑھے نہیں جا سکے۔

آخر میں پنجابی ادبی اکیڈمی کے مطبوعہ اور میرے قلمی نسخے کے اختلافات کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں تا کہ قلمی نسخے کی اہمیت واضح ہو سکے۔

می دمد بر برگ گل یاد ازدهان عندلیب [11] (مطبوعہ ص ۵۴)
می دهد هر برگ گل یاد ازدهان عندلیب (قلمی ورق نمبر ۱۶)

در سرِ معشوق جا کردن کمال عاشقی است (مطبوعہ ص ۶۲)
در بر معشوق جا کردن کمال عاشقی است (قلمی ورق نمبر ۱۹)

هر خارِ این بیابان مژگانِ دلربائیست (مطبوعہ ص ۸۷)
ایں خارو این بیابان مژگان دلربائیست (قلمی ورق نمبر ۳۰)

زخم پیرای زبان حلقۂ تدبیر بود (مطبوعہ ص ۱۱۷)
زخم پیرای زبان خانہ تقدیر بود (قلمی ورق نمبر ۴۲)

تا نظر کردم درون خانہ ام مهتاب بود [12] (مطبوعہ ص ۱۲۳)
تا نظر کردم برون خانہ ام مهتاب بود (قلمی ورق نمبر ۵۰)

در طواف خویش گردان است ناسورم هنوز (مطبوعہ ص ۱۸۳)

در طواف خود چو گرداب است ناسورم هنوز (قلمی ورق نمبر ۵۰)

بود بی روی تو گلشن به چشمم بزم غمناکی

دهد یاد از شب هجر بتان هر سایه تاکی (مطبوعہ ص ۲۷۲)

بود بی باده گلشن در نظر ها بزم غمناکی

دهد یاد از شب هجر بتان هر سایه تاکی (قلمی ورق نمبر ۱۰۵)

هر که شد حیرت شهید قامتِ رعنای او

تارها اندر کفن از طرهٔ شمشاد بود (مطبوعہ ص ۱۰۶)

هر که حیرانی از قامت رعنایی اوست

تار هایش در کفن از طرهٔ شمشاد بود (قلمی ورق نمبر ۴۳)

مذکورہ قلمی [نسخہ] میں ایک اور خاص چیز یہ ہے کہ اس کے متن میں کئی جگہ کانٹ چھانٹ کی گئی ہے۔ جس سے شک گزرتا ہے کہ یہ قلمی نسخہ مصنف (غنیمت) کا اپنا ہی نہ ہو، ملاحظہ ہوں۔

چون برق بر گرفت غنیمت زحسن یار

خورشید از شکستن خود رنگ ماه کرد (غیر مطبوعہ قلمی ورق نمبر ۴۴)

قلمی [نسخہ] کے متن میں پہلے مصرعہ میں حسن یار کی بجائے جہتِ یار ہے جہت کو کاٹ کر حاشیہ میں اس کی جگہ حسن بنایا گیا ہے۔

ع پیش ازان کہ جوئی در بیستون فرھاد کند (قلمی ورق، نمبر ۵۱)

کند کی بجائے ریخت ہے جسے کاٹ کر کند بنایا گیا ہے۔ کئی اور ایسی جگہیں بھی ہیں جنہیں طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

حواشی

(۱) یہ شعر اس غزل کا مقطع ہے جو پنجابی ادبی اکیڈمی کے مطبوعہ نسخہ کے صفحہ ۲۱ پر ردیف الف میں نمبر شمار ۲۴ شائع ہوئی ہے۔ مقطع سے پہلے ایک اور غیر مطبوعہ شعر بھی ہے جو پڑھا نہیں جا سکا۔ اس شعر

کے ساتھ غالب کا یہ شعر بھی ذہن میں لایئے:

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے　　پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

(۲)　حشمت نگاہ "ش"

(۳)　یہ مصرع صحیح طور پر پڑھا نہیں گیا۔

(۴)　یوسفِ مصر سخنوری (ش)

(۵)　چشم شوخ او (ش)

(۶)　مستانہ (ش)

(۷)　زخم (ش)

(۸)　مستانِ (ش)

(۹)　باد (ش)

(۱۰)　شکوہ ھایم (ش)

(۱۱)　مطبوعہ نسخے کے صفحہ نمبر ۵۴ پر یہ مصرع یوں درج ہے:

ع　می دمد بر برگ گل آہ از دھان عندلیب

(مرتبین)

(۱۲)　مطبوعہ دیوان میں یہ مصرع یوں درج ہے:

ع　تا نظر کردم برون خانہ ھم مھتاب بود

(مرتبین)

انور مسعود

غنیمت کنجاہی غزل کے چند پہلو ☆

غنیمت سے پہلے سبک ہندی کے بڑے بڑے شعرا میدان غزل میں اپنی معرکہ آرائیاں دکھا چکے تھے اور کچھ فنی روایات متعین ہو چکی تھیں۔ معنی آفرینی، خیال بافی، مضمون بندی اور مشکل پسندی نے شاعری کو ایک عقلی جمناسٹک بنا دیا تھا۔ ہندی کی چندی نکالنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ عام مضامین کو بھی گنجلک اور پیچیدہ صورتوں میں ڈھالتے رہے۔ غنیمت سے پہلے ناصر سرہندی بہت مقبول ہو چکا تھا۔ اس کے بارے میں شیخ محمد اکرام ''ارمغان پاک'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

> ''نازک خیالی اور معنی یابی میں بے عدیل تھا مگر مشکل یہ ہے کہ خیال کرتے کرتے ایسا خیال میں غرق ہوا ہے کہ بالکل شیخ خیالی ہو کر رہ گیا ہے اور اکثر معنی کی تلاش میں ایسا ڈوبا ہے کہ بے معنی ہو گیا ہے''۔

بہر حال یہ اس زمانے کا مذاق تھا اور معاشرے میں مقبولیت کا اثر شاعر کے فن پر بہت زیادہ پڑتا ہے اس لئے غنیمت نے بھی صنفِ غزل میں اپنے لئے اسی روش کا انتخاب کیا۔ نئی طرح ڈالنا بھی غنیمت کے بس میں نہیں تھا۔ نئے انداز کے لئے زمانہ عظیم شعرا کا منتظر تھا۔

روایتی مضامین اپنانے میں بھی ان شعراء کا خاص انداز تھا۔ وہ پرانے مضامین میں مبالغہ اور زیادہ پیچیدگی پیدا کرنے کو اپنا کمال سمجھتے تھے۔ استعارہ کو استعارہ در استعارہ بنا دینے کو جدت طرازی خیال کرتے تھے اور شاید ان کے ہاں اسی چیز کا نام انفرادیت تھا۔

ہمارا خیال ہے کہ جب تک ایک ہی مضمون کی کئی ایک مثالیں نہ مل جائیں شاعر کے نظریئے کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا۔ بعض شعر وقتی تاثیر کی تخلیق ہوتے ہیں۔ ایسے اشعار کو شاعر کے مکتبِ فکر کی اساس قرار دینا زیادتی ہے۔

غنیمت کی غزل بھی عشق کی کیفیتوں اور حسن کی اداؤں کا مرقع ہے۔ اس کے ہاں بے خودی بھی ہے، دیوانگی کی گریز پا لذت بھی اور ہجر کی صبر آزما تلخی بھی، چشمِ محبوب کی مستی بھی اور دورِ جام بھی۔ مختصر یہ کہ غزل کے تمام بنیادی عناصر روایتی اصطلاحوں کے ساتھ موجود ہیں لیکن مبالغہ آرائی اور نکتہ آفرینی کی کوشش نے اسے اکثر و

☆ فارسی ادب کے چند گوشے، اسلام آباد، انتشارات عاقب، ۱۹۹۳ء، ص ۸۵-۹۷

بیشتر مضحکہ خیز بنا دیا ہے۔ اشعار میں الفاظ کا شکوہ اور تراکیب کی ندرت بہت متاثر کرتی ہے اور خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاعر کو نہایت قیمتی مضمون ہاتھ آ گیا ہے۔ جس کے لئے زبان و بیان کا اس قدر اہتمام کیا جا رہا ہے لیکن جب شعر کو حل کیا جائے تو ایک پامال مضمون کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

غنیمت کے ہاں بہت سے شعر ایسے ہیں جو سخن فہمی کی بڑی سے بڑی خوردبین سے بھی زیادہ نمایاں دکھائی نہیں دیتے۔ حکیم مومن خان مومن کا ایک شعر ہے۔

بس کہ ہے یار کی کمر کا خیال
شعر کی سوجھتی ہے باریکی (۱)

غنیمت بھی اسی خیال میں محو ہے اور اس کا اعتراف اس نے خود بھی کیا ہے۔

آرایش معشوق سخن خاصۂ من شد
هر معنی باریك كه بستم كمرِ اوست (۲)

اور مضامین کی پیچیدگی کا یہ احساس شاعر کو بار بار اعتراف کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

چون غنیمت خدمتِ آن زلف عمری کرده ام
باعثِ پیچیدگیِ هایِ خیالِ ما مپرس (۳)

شاعر کے خیال میں جو مضامین آتے ہیں ان کو ایک مقام پر اس نے خود معنی بیگانہ قرار دیا ہے۔ اگرچہ اس معنی بیگانہ سے خود شاعر کی مراد ندرت خیال ہے اور شعر میں تعلّی کی جھلک موجود ہے۔

دل نمی دانم غنیمت آشنای طرزِ کیست
هر نفس صد معنی بیگانه در خاطر گذشت (۴)

معنی کے اس عنصر پر شاعر نے جا بجا فخر کیا ہے اور کھل کر کہا ہے کہ میں معنی آفریں شاعر ہوں اور معنویت میری شاعری کا طواف کرتی ہے۔

غنیمت طائرِ معنی سرِ پروانگی دارد
نمودم تا چراغِ خلوتِ خود طبعِ روشن را (۵)

پیچیدہ اور مبالغہ آمیز مضامین غنیمت کے ہاں ڈھونڈنے نہیں پڑتے۔ مثال کے طور پر ایک شعر کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

''موتی تیرے بُنِ گوش کے شوق میں سپند کی طرح اس قدر تلملا رہا ہے کہ دریا کے بھنور کے روزن سے دھواں اُٹھ رہا ہے''۔

زند شوقِ بنا گوشت به گوہر چون سپند آخر
چنـــان کــز روزنِ گردابِ دریـا دود برخیزد (۶)

لیکن اس قدر مبالغہ آرائی کے باوجود بھی شاعر مطمئن نہیں ہوا اور پھر اسی مضمون کو اسی طرح دہرا دیا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''اگر غواص کے ہونٹوں پر تیرے بن گوش کا ذکر آ جائے تو موتی سے آگ پر رکھے ہوئے سپند کی طرح دھواں اٹھنے لگے''۔

رودِ گـر بـر لـبِ غـواص حـرفـی از بنا گوشت
ز گـوهـر چـون سپند روی آتـش دود برخیزد (۷)

اب ان دونوں شعروں میں قربِ محبوب کی تڑپ کا ذکر ہے لیکن یہ بے قراری قاری سے کوئی ہمدردی وصول نہیں کر پاتی۔ مرزا غالب کا ایک شعر ہے۔

عرض کیجئے جوہر اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا (۸)

غالب کو وحشت کا خیال آتے ہی صحرا جل اٹھا اور غنیمت کو محبوب کی پلکیں یاد کیا آئیں کہ سر ہی غائب تھا۔

یـادِ مـژگـانِ تـو کـردم شـعـر نمی دانم چه شد
نـام تیـغی برده ام دیـگـر نـمـی دانـم چـه شد (۹)

اب خدا جانے وہ پلکیں کیا ہوں گی جن کا خیال ہی جلاد کی خونخوار تلوار کے وار سے کم نہیں۔

عہد پیری میں جوانی کے دلولے بہت یاد آتے ہیں۔ کون ہوگا جس نے عمرِ رفتہ کو حسرت بھری آواز نہ دی ہو۔ غنیمت کے ہاں اس مضمون کا پر تکلف اظہار ملاحظہ ہو۔

''میری خمیدہ قامت غم کے ہاتھ میں ایک ناخن کی طرح ہے جو عہد شباب کی حسرت کے زخموں کو چھیلتا رہتا ہے''۔

قـامت خم گشته ام شد دستِ غم را ناخنی
تـا خـراشـد داغـهـای حسـرتِ عـهـدِ شباب (۱۰)

خسرو، شیریں اور فرہاد کی مثلث شعرا کے ہاں ایک عام مضمون ہے۔ شعرا نے اس تلمیح میں طرح طرح کی نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ کوہکن کی محبت نے شیریں کے دل سے خسرو کا خیال محو کر دیا تھا۔ اس مضمون کو غنیمت نے یوں باندھا ہے۔

نقشِ خسرو از دلِ سنگینِ شیرین شستہ بود
کوہکن زان قطرہ آبی کہ اندر تیشہ داشت (۱۱)

یعنی فرہاد نے اس پانی کے قطرے (تیشے کی چمک) سے جو اس کے تیشے کے اندر تھا شیریں کے سخت دل سے خسرو کا نقش دھو ڈالا تھا۔ شاعر کہنا صرف یہ چاہتا ہے کہ فرہاد کے خلوص نے شیریں کے دل کو ہوس پرست خسرو سے پھیر دیا تھا۔ لیکن انداز کتنا تکلف میں ہے۔

بعض اوقات تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے شاعر سادہ انداز میں بات کرنے کو اپنی توہین خیال کرتا ہے اور اسے عامیانہ پن قرار دے کر اس سے گریز کو ناگزیر سمجھتا ہے۔ کتنا سادہ مضمون ہے کہ شراب ایک نشاط آور چیز ہے لیکن غنیمت نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

کلید قفلِ درِ عیش موج می باشد (۱۲)

انہی چند مثالوں سے واضح ہے کہ شاعر نے فنی احتیاط کو اس قدر ملحوظ رکھا ہے اور پیکر شعر کی تراش خراش میں اتنا کھو گیا ہے کہ شعر کا حُسن معنوی غرابت کا شکار ہو گیا ہے۔ تخیل کی بے لگام پرواز نے جذبے کو اس طرح مجروح کیا ہے کہ شعر کی تاثیر کافور ہو گئی ہے۔

لیکن یہاں پر ایک بات قابل غور ہے کہ ایک طویل مضمون کو ایک ہی شعر میں سمونا بھی کوئی معمولی بات نہیں۔ شاعر کا یہ کمال تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ اجمال کے کوزے میں تفصیل کا دریا بند کر سکتا ہے۔

ان مثالوں سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ غنیمت کے یہاں سادہ اشعار کا قطعی فقدان ہے۔ اس کے ہاں سادہ اشعار بھی موجود ہیں۔ بلکہ بعض غزلیں تمام کی تمام سادہ ہیں لیکن ان کی مقدار بہت کم ہے عین ممکن ہے کہ یہ غنیمت کی آخری عمر کی غزلیں ہوں اور فیضی اور غالب کی طرح آخر میں اس کا میلان بھی سادگی کی طرف ہو گیا ہو یا محض تجربے کا شوق یہ صورت اختیار کر گیا ہو یا اس کی طبیعت کا ردِ عمل ہو۔ بہر حال یہ اشعار نہایت ہی بے ساختہ ہیں اور ان کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کاش ان کی مقدار زیادہ ہوتی۔ مثلاً یہ شعر ملاحظہ ہو۔ محبوب کا خط موصول ہوا تو عاشق خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔

نشاطی کز وصولِ نامہ و پیغام او دیدم
نہ در تحریر می گنجد نہ در تقریر می آید (۱۳)

ایک اور شعر دیکھیے۔ بڑے ہی نیچرل انداز میں محبوب کو اس کی ستم شعاری کا احساس دلایا جا رہا ہے۔

نیستی آگہ ہنوز از شہرتِ بیدادِ خویش
بر زبانہا نام مژگانِ تو ظالم خنجر است (۱۴)

مضمون کی سادگی اس چیز کی متقاضی ہوتی ہے کہ بحر اور انداز بیان بھی سادہ ہو۔ ملاحظہ فرمایئے ردیف میں کس قدر بے ساختہ سی دعوت نظارہ ہے۔

دل جلوہ گہِ خوبی یار است، ببینید
در خلوت آیینہ بہار است، ببینید [۱۵]

اور اس غزل میں تو سادگی ہر پہلو سے انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔

بوسہ از لعلِ یار می خواھم
این شکر بار بار می خواھم
سری از خود بریدنی دارم
تیغ ابروی یار می خواھم
آرزومندِ سنگِ طفلانم
محلِ اعتبار می خواھم
تا بہ یادِ رُخش کباب شوم
آتشِ لالہ زار می خواھم
تشنۂ آبِ تیغِ دلدارم
بادۂ خوشگوار می خواھم [۱۶]

اس غزل میں سادگی کے ساتھ ساتھ غنیمت نے اپنی اذیت پسندی کا اظہار بھی کھل کر کر دیا ہے۔ دوسرے ہندی شعرا کی طرح غنیمت کے دل میں بھی یہ میلان بہت زیادہ ہے۔

فراقیہ مضامین غنیمت کی غزل میں جزو اعظم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ایک ایسا عاشق ہے جس کی قسمت میں محرومی ہی محرومی ہے۔ اس کا محبوب انتہائی تغافل مآب ہے اس کے نصیب میں ایسا زخم فراق ہے جو ہر وقت رستا رہتا ہے اور اس سے پیہم ٹیسیں اٹھتی ہیں۔ اس کی بزم عشق مستقل طور پر بزمِ فراق ہے۔ فراق دوست میں دنیا کی تمام رنگینیاں اسے کاٹے کھاتی ہیں۔ سایۂ شاخ گل اسے افعی نظر آتا ہے۔ نکہتِ گل اس کے حق میں نفس کام نہنگ بن جاتی ہے اور نغمہ نے خدنگِ زہرناک۔ اس کا دل زخم آباد، اس کی آنکھ دیدۂ خونبار اور اس کا سینہ ناسورستان ہے۔ تلخی ہجر کا احساس اس کے ہاں اس قدر زیادہ ہے کہ اس کے اکثر اشعار ان الفاظ سے شروع ہوتے ہیں۔

بی رخش، بی رخت، بی رخ تو، بی وصالش، بی وصالت، بی او اور بی تو۔ مثال کے طور پر چند شعر پیش

کرتا ہوں۔

باغ کا منظر ہے، پھول کھلے ہیں ان پر شبنم کے موتی ہیں اور خوشبو پھوٹ رہی ہے لیکن یہ حسین منظر عالم فرقت میں شاعر کو یوں محسوس ہو رہا ہے۔

بی تو بوی گل مرا دودِ کبابِ بلبل است
جلوۂ شبنم نمك پاشیدنِ زخم گل است [۱۷]

اسی عالم اور اسی منظر کا ایک اور شعر دیکھئے۔

چو بی روی تو در صحنِ چمن نظاره می کردم
به رنگِ گل ز دستِ خود گریبان پاره می کردم [۱۸]

یہ گلستان کا منظر تھا اب مجبوروں کی بزم شراب کا نقشہ ملاحظہ ہو۔

از بس که بی تو بزم تهی ماند از نشاط
می در پیاله ها عرقِ انفعال بود [۱۹]

بی وصالِ یار چه بزمِ غنیمت همسرند
فرقِ ناحق کشتگان و کاسه و طنبور ها [۲۰]

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ غنیمت کو وصل محبوب کبھی میسر نہیں آتا ورنہ اس کا شعلہ اضطراب یاس کے سرد جھونکوں سے ضرور بجھ جاتا۔ اس کا محبوب اسے ملتا ضرور ہے لیکن اس کا آنا جانے کی تمہید ہوتا ہے۔ وہ محض اس لئے ملتا ہے کہ عاشق بے قرار کی تڑپ برقرار رہے اور اس کی خلش کا تسلسل نہ ٹوٹنے پائے۔ وہ ستم پیشہ عین وصال میں عاشق کو اس طرح چھوڑ جاتا ہے کہ اس کی بزم نشاط ایک دم ماتم خانہ بن جاتی ہے اور بے بس عاشق کے لئے یہ صدمہ انتہائی صبر آزما ہوتا ہے اور اس کا غم سارے ماحول پر مسلط ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ساز کے تاروں سے بھی ہڈیوں کے چور ہونے کی آواز نکلتی ہے۔

نمی دانم کدامین سنگدل برخاست از محفل
که آوازِ شکستِ استخوان از ساز می آید [۲۱]

پھر عاشق ناتواں میں یہ ہمت بھی کہاں کہ اس سراپا ناز کو جانے سے روک سکے۔ وہ اسے ظالم اور بے پروا کہنے کے سوا اور کر ہی کیا سکتا ہے۔ غنیمت کا شعر پیش کرنے سے پیشتر دورِ حاضر کے ایک بلند مرتبت پنجابی غزل گو پیر فضل کا شعر پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس مفہوم کو بالکل غنیمت کے انداز میں ادا کیا ہے اور مزے کی

بات یہ ہے کہ اس فریاد کی بحر بھی دونوں کے ہاں ایک ہے۔

دساں میں کہناں نے میرے دل دی دنیا لٹ لئی
اوہ لگے جاندے جے ظالم اوہ لگے جاندے جے پٹے[۲۲]

اب غنیمت کا شعر دیکھئے:

می رود آن مستِ بی پروا ترّحم ناشناس
بی نیازی در جلو فوجِ تغافل در رکاب[۲۳]

اسی کیفیت کو غنیمت نے مختلف پیرایوں میں یوں بیان کیا ہے:

تا تو رفتی برنمی دارد سر از زانوی غم
غنچه بی روی تو در گلشن دلی آزرده است[۲۴]

تا تو رفتی بزمِ عیش یك چمن رنگی نداشت
بلبلان را خنده گل نالهٔ بیمار بود[۲۵]

اور

تا برون رفتی ز محفل چشم مینا خون گریست[۲۶]

غنیمت کا غم اور اس کے محبوب کا حسن دونوں ہی بہت اثر آفریں ہیں۔ تاثیرِ حسن اس کے ہاں بہت بڑا موضوع ہے۔ اور یہ چیز اس کے تیز جمالیاتی شعور کی آئینہ دار ہے۔ پھر یہ اثر آفرینی غنیمت کی داخلیت تک محدود نہیں، گرد و پیش کا ذرہ ذرہ اس کی زد میں آ جاتا ہے۔ تجلیات محبوب کی اثر آفرینی نت نئے جلوے دکھاتی ہے یہاں تک کہ محبوب کا ذکر جمیل بھی معجز نما ہے۔ اگر زبان اس کے عارض کا ذکر چھیڑے تو غنچہ بن جاتی ہے۔

تا شد حدیثِ عارض جانان بیان ما
باشد به رنگِ غنچه زبان در دهانِ ما[۲۷]

اور محبوب کی سرمئی آنکھوں کا ذکر تو زبان کر ہی نہیں پاتی اس لئے کہ سرمے کے اثر سے گنگ ہو کر رہ گئی ہے۔

هست چشم سرمه رنگی در پی آزارِ ما
چون نگه بی صوت باشد نالهٔ بیمارِ ما[۲۸]

اگر انگلی سے محبوب کی طرف دور سے ہی اشارہ دیا جائے تو انگلی شراب سے بھر جاتی ہے۔ محبوب کی

مست نظریں گناہوں پر پڑیں تو گناہ بھی حسین وجمیل ہو جاتے ہیں اور اس کی چشم مست کا کشتہ بھی آہو بن جاتا ہے۔

بر مزار کشتہ چشمت گذر کردیم دوش
آهوی مستی در آغوش لحد خوابیده بود (۲۹)

بالکل جس طرح مصوروں کے ہاں بعض رنگ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی متخیلہ ان رنگوں کی مدد سے گوناگوں مطالب کا اظہار کرتی ہے اسی طرح شاعر کی imagery بھی حسن آباد عالم سے چند چیزوں کا انتخاب کر لیتی ہے اور یہ چیزیں شاعر کے وجدانی ادراک کا Symbol بن جاتی ہیں اگر کسی شاعر کے یہاں یہ سمبل دریافت کر لئے جائیں تو ہمیں اس کی شاعری کی جمالیاتی قدروں تک رسائی حاصل کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ غنیمت کے ہاں آہو، طاؤس، سپند اور پنبہ کا ذکر بار بار ملتا ہے یہ وہ علامتیں ہیں جو اس کے تصورِ حسن و عشق کی ترجمانی کرتی ہیں۔ طاؤس کی رعنائی اور زیبائی مسلم ہے۔ اس کے رنگ، اس کا رقص، اس کے نقش و نگار اور اس کی چال ہر چیز سحر طراز ہے اس لئے غنیمت کبھی اس کے نقش و نگار کو چراغاں کہتا ہے اور کبھی گلستاں۔

نمی دانم به سیرِ باغها امشب که می آید
چراغان کرد چون طاؤس هر جانب گلستانی (۳۰)

غنیمت کے محبوب کا حسن بھی اس طرح فسوں طراز ہے جس طرح حُسنِ طاؤس۔ اس کے جلوؤں پر نظر پڑے تو ایسی حسن آفریں بن جاتی ہے کہ پلکوں پر طاؤس کے پروں کا رنگ بکھیر دیتی ہے۔

تا نگه از جلوهٔ نیرنگ سازت باز گشت
ریخت بر مژگانِ من رنگِ پرِ طاؤس ها (۳۱)

پھر یہی طاؤس اس کے ہاں نمائندہ عشق بھی ہے۔ اس کے نقش و نگار عاشق کے دل کے داغوں کے غماز بھی تو ہیں۔

منت سیر گل و جلوه گلشن نکشد
دل که از داغ چو طاؤس گلستانِ خود است (۳۲)

پھر یہی کیفیت آہو میں بھی ہے۔ آہو میں خودمستی بھی ہے اور وارفتگی بھی، رمیدگی بھی اور شوریدگی بھی۔ اس مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ غنیمت کے یہاں حسن اور عشق کا تصور الگ الگ نہیں یا یوں کہیے کہ احساس حسن ہی اس کے ہاں عشق ہے۔

اب سپند کیا ہے؟ سپند اپنی ہستی کا اظہار ہے اور یہ اظہار تڑپ کی صورت میں ہے اور یہی تڑپ غایت وجود عشق ہے۔ یہاں بھی دیکھئے کہ اظہار اور تڑپ ایک ہی چیز ہے گویا اس سمبل میں بھی حسن و عشق کی سرحدیں مل

گئی ہیں۔

پنبہ کو غنیمت نے غفلت کے استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔پنبہ سے اس کی مراد پنبہ گوش ہے۔

ز گوشت پنبہ بیرون کن خموشی بانگہا دارد
زخود بیگانہ شو شاید کہ گردی محرم رازش (۳۳)

پنبۂ غفلتم از گوش چو بیرون کردند
از شکست دل خود بانگ سروشم دادند (۳۴)

پنبۂ غفلت ز گوش دل نیاوردی برون
ورنہ هر خاری زبان شعلہ ادراک بود (۳۵)

ان اشعار سے یہ بالکل واضح ہے کہ غنیمت غفلت کو وہ پردہ سمجھتا ہے جو انسان کے عرفان کے راستے میں حائل ہے اور جب تک یہ پنبہ جل نہ جائے انسان اپنی ہستی سے آگہی حاصل نہیں کرسکتا۔

غنیمت کی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت الہیاتی اور متصوفانہ مضامین ہیں اور یہ افکار کم وبیش وہی ہیں جنہیں ہمارے شعرا اندازِ بیان کے اختلاف سے نظم کرتے چلے آئے ہیں۔غنیمت کا کمال ان مضامین کو نیا پیرایہ اظہار عطا کرنے میں ہے۔ مثلاً ترک کا فلسفہ تصوف کا ایک اہم حصہ ہے۔ صوفیا کے نظریہ وحدت کی بنیاد پر کائنات کا حقیقی وجود ہی نہیں اس لئے اس سے دل لگانا محض بیکار ہے۔ دنیا حقیقت کے درمیان ایک حجاب کی طرح حائل ہے اسی لئے اس کا ترک کرنا لازمی ہے۔ترکِ دنیا ترک کی پہلی منزل ہے، دوسری منزل ترک نفس اور آخری منزل ترک ترک ہے اور یہ وہ منزل ہے جہاں ترک کی آرزو تک کا وجود باقی نہیں رہتا۔ترک نفس کے بارے میں غنیمت کا شعر دیکھئے۔

بی خودی ما را بہ وصل یار خضرِ راہ شد
بود خالی گشتن از خود کوچۂ دلدارِ ما (۳۶)

ہستی مطلق کا مشاہدہ کرنے کے لئے حجابات من وتو اٹھانے ہی پڑتے ہیں۔ واجب الوجود ہستی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کے سامنے انسان کا وجود اعتباری ہے ۔ بقول غنیمت جب تک انسان اپنے وجود کو درمیان سے نہ ہٹادے اس کے ملنے کی راہ پیدا نہیں ہوسکتی۔صوفیا کے نزدیک وجودِ مطلق کے سوا ہر وجود ننگِ وجود کا درجہ رکھتا ہے۔حقیقت کچھ ہے تو ایک ہے اس میں تضاد یا تناقض کی کوئی گنجائش نہیں۔ حقیقت متنوع ہے متضاد

نہیں۔کائنات میں اگرچہ بے شمار چیزیں نظر آتی ہیں لیکن ہر چیز نور وحدت کی مظہر ہے۔غنیمت کہتے ہیں:

گلشن ز بس شگفته ز فیضِ هوای کیست
رنگین زبان برگِ گلشن از دعای کیست
از قطره تا محیط ز جام که بی خودند
پُر باده شیشه های حباب ازهوای کیست (۳۷)

گویا ہر چیز بقدر ظرف اس کی شراب کا پیمانہ ہے۔ یہاں جو بھی ہے مئے الست کی سرشاری کا طالب ہے ہر شے کو اسی کی جستجو ہے اور غنیمت کے الفاظ ہیں:

کشته شوق تو آرزوها
محوِ تلاش تو جستجوها (۳۸)

کتنا بلیغ شعر ہے! کائنات کی ہر چیز کو تیری ہی تلاش ہے۔تو وہ منزل ہے جس کی تلاش میں خود منزلیں سرگرداں ہیں۔ اس شعر کو پڑھتے ہی غالب کا یہ شعر بے ساختہ یاد آتا ہے:

ای تو که هیچ ذره را جز به ره تو روی نیست
در طلبت توان گرفت بادیه را به رهبری (۳۹)

غالب اور غنیمت کم و بیش ایک ہی بات کہہ رہے ہیں لیکن خیال رہے کہ غنیمت کہتے ہیں کہ ہر چیز اس کی تلاش میں سرگرداں ہے جبکہ غالب کہتے ہیں کہ ہر چیز اسی کی سمت رواں دواں ہے گویا راستہ بھی رہنمائی کا کام دے سکتا ہے۔اس خیال کو غنیمت نے یوں ادا کیا ہے:

درد به کوی تو رهنمایی ست
زخم جگر راهِ آشنایی ست (۴۰)

طالبان حق کے لئے ان کا ذوق طلب ہی دلیل راہ بن جاتا ہے۔ اضطراب عالم کی علت غائی قرب خداوندی ہے۔ یہی وہ بے قراری ہے جو باعثِ ارتقائے عالم ہے اور یہی وہ جستجو ہے جو ہر شخص کی روح کی گہرائیوں میں موجزن ہے یہی وہ جذبہ عبودیت ہے جو ہر انسان کی سرشت میں موجود ہے بقول غنیمت:

یک روز سر به خاکِ درت سجده ای نمود
بود است تر هنوز خطِ سرنوشت ها (۴۱)

یہ شعر غنیمت کے نوادرات میں سے ہے۔شعر کا عام فہم مفہوم یہ ہے کہ ایک دن سر نے تیرے در کی خاک پر سجدہ کیا اور ابھی تک خطِ پیشانی خشک نہیں ہوا۔

متصوفانہ افکار کی روشنی میں اس شعر کو دیکھئے۔ صاف ظاہر ہے کہ یک روز سے مراد روزِ ازل ہے۔ سر سے انسان کا سر مراد ہے اور تیرے در کی خاک سے خاک در مسجود حقیقی ہے۔ شاعر اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ روزِ ازل خالق کائنات سے الست بربکم اور قالو بلیٰ کی صورت میں جو پیمان بندھا تھا وہ اب تک برقرار ہے۔ خدا معبود ہے اور انسان عبد اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کوئی ابہام نہیں۔ انسان کی تحریر بندگی اور خط پیشانی لفظ بہ لفظ اور حرف بحرف واضح ہے۔ الانسان مفطور علی العبادہ عبادت انسان کی گھٹی میں ہے۔ وہ شعوری یا لاشعوری طور پر عبدیت کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ اس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اس ازلی اور ابدی رشتے سے انکار کر سکے کیونکہ اس کی تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون☆ [۴۲]

جبیں ہے سجدہ گزار اس کے آستانے کی
رہینِ سجدہ ہوں عادت ہے سر جھکانے کی

ہاں یہ ممکن ہے کہ انسان کی یہ تڑپ اور جذبہ عبودیت کسی نفسیاتی فریب کا شکار ہو جائے اور ایسا ہوتا رہا ہے۔ زمانہ نئے نئے بتوں کو آراستہ کرتا چلا آ رہا ہے۔

ذوقِ حضور در جہان رسم صنم گری نہاد
عشق فریب می دھد جانِ امیدوار را [۴۳]

پہلے انسان نے فطرت کو خدا مان کر اس کے آگے سر جھکا کر اپنے جذبہ عبودیت کو تسکین دی۔ یہ اس کا پہلا فریب تھا۔ فطرت کی تحقیق ہوئی تو تصورات معبود بننے لگے اور ہر خدا بن بیٹھا۔ یہ انسان کا دوسرا فریب تھا۔ لیکن جذبہ وہی ایک ہے۔ اگر تشنگی نہ ہوتی تو انسان سراب کی طرف کیوں لپکتا۔ الحاد بھی خدا پرستی کی بھٹکی ہوئی صورت ہے۔ فطرت نے بڑے بڑے ملحدوں کو جھنجوڑا ہے۔ ان کی زندگیوں کا مطالعہ کیجئے کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ خدا نے اس کو اپنی ہستی کا ثبوت نہیں دیا۔ ڈارون نے خود لکھا ہے کہ اپنی تھیوری پر میرا دل ایمان نہیں لاتا۔ سٹالن ساری زندگی خدا کو وہم اور مذہب کو افیون قرار دیتا رہا لیکن دم نزع جب مایوسی بڑھ گئی تو اس نے درخواست کی کہ گرجاؤں میں گھنٹیاں بجائی جائیں اور کلیساؤں کے دروازے کھول کر صحت یابی کے لئے دعائیں کی جائیں۔ آخر یہ کونسا جذبہ تھا.......... وہی جذبہ عبودیت.......... یہ اسی روزِ الست کے پیمان کا احساس ہے۔

غنیمت نے اس شعر میں اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ انسان کی پیشانی پر داغ سجدہ کبھی ماند نہیں پڑ سکتا۔ اس کا یہ شعر معنوی عظمت کے ساتھ فنی کمال کا حامل بھی ہے۔

سر، سرنوشت، در، سجدہ اور خاک کی رعایتیں اتنی بے ساختہ ہیں کہ ان سے شعر کا فنی حسن نکھر گیا ہے۔ اب لفظ نمود پر غور فرمائیے۔ دیکھئے کہ یکروز کے تصور کو یہ لفظ کس قدر اجاگر کر رہا ہے۔ مصرعۂ اولی اسی تصور سے شروع ہوتا ہے اور لفظ سرنوشت میں سر پھر موجود ہے گویا اس لفظ کی جبیں میں بھی سجدے تڑپ رہے ہیں۔ اب ''خاک'' اور ''تر'' کو لیجئے انسان کا ہیولیٰ مٹی سے بنایا گیا تھا اور وہ خاک خشک نہیں خاک تر تھی۔ ان الفاظ سے بھی تخلیق انسانی کا تصور پیدا ہوتا ہے جو ہمیں مقصد تخلیق کا تصور عطا کرتا ہے۔ گویا غنیمت کی کیمیا گری نے ایسا کندن بنایا ہے جس کی چمک دمک خط سرنوشت کی طرح کبھی مدہم نہیں پڑے گی۔

لفظ کیمیا گری کی رعایت سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ سبک ہندی کے شعرا کے بارے میں ایک بڑی معقول رائے یہ قائم کی گئی ہے کہ یہ شعرا کیمیا گر ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ کیمیا گر اپنی ہر کوشش میں کامیاب ہو۔ کبھی اس کی کوشش بارآور ہو جائے تو وہ کندن بنا لیتا ہے ورنہ اکثر اوقات اس کی کٹھالی میں راکھ ہی باقی رہ جاتی ہے۔ غنیمت کے یہاں بھی ایسے کندن پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

حُسن تو از شکستِ دلم شد یکی ہزار
آیینہ شکستہ چراغان نمودہ است [۴۴]

تجلیات کے ظہور کا مقام دل ہے اور دل ایک آئینے کی مانند ہے۔ جب بھی کوئی آئینہ ٹوٹتا ہے تو اس کا ہر ٹکڑا ایک آئینہ بن جاتا ہے۔ ایک آئینہ جس قدر آئینوں میں تقسیم ہوگا جلوہ حسن اتنی ہی کثرت سے نظر آئے گا۔ شعر کا حسن معنوی ملاحظہ فرمائیں۔

اب یہ دل کی شکستگی کیا ہے جس کی اہمیت علامہ اقبال کے نزدیک ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں [۴۵]

اس شکستگی سے مراد دل کا درد آشنا ہوتا ہے دل درد آشنا پر ہی حسن مطلق کی تجلی پرتو افگن ہوتی ہے اور دل کی صفائی صرف تم سے ممکن ہے۔ تصوف کا یہ باریک مسئلہ غنیمت نے ایک ایسی تشبیہ سے بیان کر دیا ہے کہ دل سے بے ساختہ درد نکلتی ہے۔ کتنی خوبصورت تصویر ہے۔

شعر کیا ہے شیش محل میں شمع جل رہی ہے!

حواشی (از مرتبین)

(۱) مومن خان مومن، کلیات مومن، مطبع منشی نولکشور، لکھنو، ۱۹۲۳ء، ص ۱۵۷۔
(۲) غنیمت کنجاہی، دیوان غنیمت، بہ تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۸۸،

اصل مقالہ میں پہلا مصراع یوں درج ہے:

آرائش معشوقِ سخن خاصۂ من گشت

(۳) ایضاً، ص ۱۸۶۔

(۴) ایضاً، ص ۶۲۔

(۵) ایضاً، ص ۱۴۔

(۶) ایضاً، ص ۱۳۳۔

(۷) ایضاً، ص ۱۳۳۔

(۸) غالب، اسد اللہ خان، دیوانِ غالب اردو، ترتیب و تصحیح امتیاز علی عرشی، انجمن ترقی اردو، علی گڑھ، ۱۹۵۸ء، ص ۱۵۱۔

(۹) یہ شعر غنیمت کے مطبوعہ دیوان میں موجود نہیں ہے۔

(۱۰) دیوان غنیمت، ص ۵۷۔

(۱۱) ایضاً، ص ۶۲۔

(۱۲) ایضاً، ص ۱۷۱۔

(۱۳) ایضاً، ص ۱۲۴۔

(۱۴) ایضاً، ص ۶۵۔

(۱۵) ایضاً، ص ۱۶۰۔

(۱۶) ایضاً، صص ۲۳۸-۲۳۹۔

(۱۷) ایضاً، ص ۷۱۔

(۱۸) ایضاً، ص ۲۳۱۔

(۱۹) ایضاً، ص ۱۱۶۔

(۲۰) ایضاً، ص ۵۔

(۲۱) ایضاً، ص ۱۲۵۔

(۲۲) فضل گجراتی، پیر فضل حسین، ڈونگھے پینڈے، عزیز بک ڈپو، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۱۵۸۔

(۲۳) دیوان غنیمت، ص ۵۶۔

(۲۴) ایضاً، ص ۱۶۹۔

(۲۵) ایضاً، ص ۱۱۰۔

(۲۶)　ایضاً، ص ٦٧۔

(۲۷)　ایضاً، ص ۱۹۔

(۲۸)　ایضاً، ص ۷۔

(۲۹)　ایضاً، ص ۱۱۲۔

(۳۰)　ایضاً، ص ۲۷۲۔

(۳۱)　ایضاً، ص ۸۔

(۳۲)　ایضاً، ص ۹۱۔

(۳۳)　ایضاً، ص ۱۸۹۔

(۳۴)　ایضاً، ص ۱۴۲۔

(۳۵)　ایضاً، ص ۱۱۴۔

(۳۶)　ایضاً، ص ۸۔

(۳۷)　ایضاً، صص ۷۴-۷۵۔

(۳۸)　ایضاً، ص ۹۔

(۳۹)　غالب دہلوی، اسد اللہ خان، دیوان غالب فارسی، مقدمہ، تصحیح و تحقیق محمد حسن حائری، نشر میراث مکتوب، تہران، ۱۳۷۷ شمسی، ص ۳۵۰۔

(۴۰)　دیوان غنیمت، ص ۸۱۔

(۴۱)　ایضاً، ص ۱۔

(۴۲)　قرآن مجید: سورۃ الذاریات: آیۃ ۵٦۔

(۴۳)　یہ شعر مطبوعہ دیوان میں موجود نہیں ہے۔

(۴۴)　ایضاً، ص ۱۰۰۔

(۴۵)　اقبال، علامہ محمد، کلیاتِ اقبال، بہ اہتمام شہرت بخاری، اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۳۱۳۔

دکتر محمد ظفر خان

پژوهشی دربارهٔ دیوانِ غنیمت کنجاهی ☆

غنیمت کنجاهی (د- ۱۱۰۸ ق) یکی از مشاهیر شعرای پنجاب است که در سدهٔ یازدهم قمری به قول سراج الدین علی خان آرزو، صاحب مجمع النفائس: "طنطنهٔ شاعری او کوس لمن الملکی می زد"(۱)- علاوه بر مثنوی به نام "نیرنگ عشق"، دیوانی نیز دارد، ولی متأسفانه دیوانش میان دانشوران و سخن فهمان معروفیتی کامل نداشته و ندارد؛ لذا مغتنم است که دیوانش مشتمل بر ۳۲۳ غزل، دو نعت، دو منقبت، ۱۲ رباعی و یك قصیدهٔ نا تمام از دستبرد روزگار مصؤن مانده است- این شاعر عالی قدر از بحر ذخار طبع طوفان خیز خویش لالی آبدار معانی دقیق و در شاهوار مضامین بدیع را به کنار آورد، که هر یك چون گوهر شب چراغ ذهن و قلب خواننده را نور و سرور عطا می کند، لکن قاری کم استعداد از آب و تابش تاب و توان می بازد و چشم عقل و خردش خیره می شود و از مفهوم اشعار بی نصیب می ماند- به عبارت دیگر بگوییم عواملی که باعث عدم معروفیت این دیوان شده به خیال ناقص بنده این است که غنیمت در نگارش اشعار از سادگی و روانی و سلاست صرف نظر نموده، تکلف و تصنع را به کار برده است- از نظر معتقدات و طرز تفکر یك فرد سنت پرست و طرفدار سبك هندی است که مملو از صنایع لفظی و معنوی و محاوره بندی می باشد و بسا اوقات شعر مبدل به چیستان می شود و خواننده بعد از سعی بلیغ می تواند مفهوم شعر را درك کند و این هم ممکن است که معانی شعر ماورای فهم خواننده باشد- گویی غنیمت از جمله شعرایی است که هیچ گونه سعی و اصراری برای آن که اشعارش مطبوع یا مفهوم خوانندگان عادی قرار گیرد، ندارد و بدین سبب تودهٔ مردم آشنایی چندانی با وی و دیوانش ندارند و شاهدی بر این ادعای ما همین بس است که چهارده سال قبل در ۱۹۵۸ میلادی پنجابی ادبی اکادمی، لاهور دیوانش را از حلیه طبع آراسته بود، لکن تا کنون کلیهٔ نسخه هایش به فروش نرسیده است- بدین جهت

☆ هلال، کراچی، خرداد و تیر ۱۳۵۱ هـ-ش، ص ۶۰-۶۵

حق داریم بگوییم که غنیمت اشعار خویش را برای دستهٔ کوچکی از خوانندگان سخن فهم و دانشمند سروده است ؛چنانچه بعضی از منتقدین در توصیف و تحسین کلامش و در تمجید و تجلیل صلاحیت و قریحه شعری وی اختصار را مدنظر و ملحوظ خاطر داشته اند مثلاً آرزو او را " بسیار خوش زبان و معنی تلاش " گفته است [۲]- احمد علی هاشمی مؤلف مخزن الغرایب اشعارش را " نازك و هموار " می گوید[۳] و سرخوش او را " از خاکیان هند غنیمت" داند[٤] و طبعش را " درست" " قرار دهد[٥] و نواب صدیق حسن خان نسبت به او می نویسد: " صیاد آهوان مبانی تازه و دام گستر معانی بی اندازه است "[٦]-

غنیمت غزلیات را نه تنها در تتبع شعرای شهیر مثل نظیری نیشابوری (د-۱۰۲۳ق) صائب تبریزی (د-۱۰۸۱ق) کلیم اصفهانی (د-۱۰۶۱ق) ناصر علی سرهندی (د-۱۱۰۸ق) که صیت شهرت و ناموری شان جهان فارسی را فرا گرفته است ' نوشته است بلکه در پیروی همعصرانش مثلاً قاسم دیوانه ' جلال اسیر و صیدی و غیرهم سروده است و در اشعار خویش معترف پیروی آنان است:

تا رسانم نشاء طرز نظیری در غزل — با علی اسشب غنیمت من به یك ساغر زدم[۷]

شب غنیمت مصرعی ناخن به دل زد از کلیم — گر "قدم در ره نمی فرسود منزل دور بود"[۸]

نیست هم طرح علی بودن غنیمت در قدرتم — مصرعی رنگین نشد تا خون نشد اندیشه ها[۹]

در خیالم بود حال قاسم دیوانه ای — شب که در دست غنیمت دفتر اشعار بود[۱۰]

از جان اسیر طرز جلالم که گفته است — ماییم و یاد دوست غنیمت کجا بریم[۱۱]

غنیمت تتبع صائب نیز کرده و اشعار در صفت مثالیه که در سدهٔ ۱۱ق گرمی بازار داشت ،نگاشته است، مثلاً:

رفیق نفس سر کش از بلا ایمن نمی باشد — اجل همراه می گردد سوار اسپ توسن را[۱۲]

بگذرد چون لطف ز اندازهٔ طاقت بلا است بهره نبود از طراوت باغ دریا برد را [۱۳]

ولی گمان می رود که درآغاز میرزا صائب را در خور اعتنا نمی داشت ؛ چنانکه گوید:

غنیمت از زبان گوشهٔ ابروی هر مصرع برای میرزا صائب جواب ساکنی دارم [۱٤]

در جای دیگر گفته است:

غنیمت این غزل بر تربت صائب اگر خوانم به جوش آید به رنگ خون عاشق خاك بالینش

ولی بعداً وی تحت تأثیر عمیق شعر صائب قرار گرفت و او توقیر این ملك الشعرا را [۱۵] پیش نظر داشته از گفته های پیشین خود پشیمان شد ؛ چنانچه گوید:

آنجا که حرف صائب شیرین سخن رود
شرط ادب نبود غنیمت جواب تلخ [۱٦]

و جای دیگر گوید :

غنیمت دل شهید مصرع صائب که می گوید " گناه خویش ای بی درد از قاتل چه می پرسی " [۱۷]

غنیمت دل فدای مشرب صائب که می گوید " کمر بستن به خون خلق از ناز است می دانم " [۱۸]

غنیمت مدعی است که مقلد کسی نیست:

نشود طبع به اقبال تتبع راضی در زمین دگری خانه بنا نتوان کرد [۱۹]

ولی بعضی اوقات کوشیده است که " خانه ای در زمین دیگران بنا کند " به طور مثال گوییم که این مضمون امیر خسرو :

همه آهوان صحرا سرخود نهاده بر کف به امید آن که روزی به شکار خواهی آمد [۲۰]

کراراً در الفاظ خویش گفته است :

به این امید که آیی مگر به صید برون غزال ها شده روباه حیله سازی ها [۲۱]

و این هم درین معنی است:

می گزارد از ادب بر سرزمژگان هر دو دست چشم آهو حلقه های دام این صیاد را [۲۲]

حافظ شیرازی " گدایان عشق " را شاهان بی کمر و خسروان بی کله می شمارد و گوید:

سبین حقیر گدایان عشق را کاین قوم		شهان بی کمر و خسروان بی کله اند (۲۳)

این شاعر کنجاهی همین مضمون را بدین الفاظ اظهار نموده است ، ولی به پایه اش نرسیده است :

ز عشق چهرۂ زردی نهفته در ته گرد		به چشم گنج شناسان خزانۂ دگر است (۲۴)

بیدل گفته بود :

حرص قانع نیست بیدل ورنه اسباب جهان		آنچه ما در کار داریم اکثری در کار نیست (۲۵)

غنیمت این مضمون را چنین ادا می کند:

تو صید حرصی ازان شکوه می کنی شب و روز		وگرنه عقدۂ کار تو دانۂ دگر است (۲۶)

اینجا مناسب می دانیم یاد آور شویم که شعرای متاخر مثل غالب و اقبال و غیرهما مضامینش را در اشعار اردوی خویش استقبال کرده اند۔ ما طوالت مقاله را پیش نظر داشته ، فقط یك شعر این دو شاعر را نقل می کنیم ۔ غنیمت گفته بود :

یکبار اگر در آئینه بینی عذار خویش،		بیتاب ترز شعله شوی در کنار خویش (۲۷)

غالب گفته است:

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے		صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا (۲۸)

غنیمت سراید :

کاسه خالی داشتن را زینهار از کف مده		گر ترا باشد به دریا دسترس همچون حباب (۲۹)

اقبال نگاشته است :

تو اگر خود دار ہے منت کش ساقی نہ ہو		عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر (۳۰)

غنیمت بر روش خود می بالد و بر سخن فهمی خود مباهات می کند:

دل نمی دانم غنیمت آشنای طرز کیست		هر نفس صد معنی بیگانه در خاطر گذشت (۳۱)

و این هم از تعلیمات اوست:

غنیمت طائر معنی سر پروانگی دارد		نمودم تا چراغ خلوت خود طبع روشن را (۳۲)

تاهم اعتراف می کند که سرودن شعر کار ساده و آسان نیست بلکه همچو اقبال عقیده دارد:

صد نالۂ شب گیری صد صبح بلا خیزی		صد آه شرر ریزی یك شعر دلاویزی (۳۳)

غنیمت گوید :

غنیمت نیست آسان فکر معنی غنچه می داند چه خونها کرده باشد تا که رنگین گشت مضمونی (۳٤)

موضوع غزل فارسی چنانکه می دانیم منحصر به داستانهای عشق گل و بلبل و شمع و پروانه یا سرو و قمری نیست و شعرای غزل گو نه تنها احساسات و عواطف عشاق را اظهار می کنند ، بلکه مضامین فلسفی و اخلاقی را وارد تنگنای غزل کرده ، این را توسعه داده اند. غنیمت هم سنت دیرین اساتذه را دنبال کرده است.

در این رزمگاه حیات، هر یك از ما از حسد و بغض و کینه به دیگری برسر پیکار است و غنیمت مانند حافظ شیرازی معتقد به " مدارات دشمن " است و عقیده دارد که از زور زر می توان " گردن حریف شکست " و از ملایمت زبان مدعیان را بست :

توان به زور کرم ' گردن حریف شکست که گویی رستم وقت است' مشت زر انیجا (۳٥)

دهان مدعیان از ملایمت بستم چو موم مهر زبان سلامتم کردند (۳٦)

لیکن با این همه توصیه می کند که اندیشه شر عدو را از دل بیرون نباید کرد:

دشمن ار دوست شود ' خوف عدوات برجاست گرچه صندل بود' ار چوب' سر اندر خطراست (۳۷)

غنیمت جاه و جلال و مال و منال این جهان نا پایدار را بی حقیقت می داند و می گوید که دل بر این ها بستن و آنها را سرمایهٔ افتخار دانستن نشاید :

به ناز و نعمت دنیا به خویش بالیدن نظر بدیدهٔ حکمت اگر کنی ورم است (۳۸)

به قول او دل متمول از پریشانی خاطر و غم و الم تهی دست ملول نمی گردد:

نمی سوزد دل تصویر دیبا به هر بیماری ز حال بی قراران' غافل اند' ارباب آسایش (۳۹)

بلکه اغنیا در رساندن ایذا به غربا مایهٔ سر خوشی گیرند:

به خون خلق' می بندد کمر' از سخت جانی ها چو تیغ آن را که شد موجود' یك دم آب آسایش (٤۰)

بدین سبب عامة الناس را تعلیم تسلیم و رضا و درس توکل به خدا می دهد تا " از فکر نان همچو تنور " نسوزند:

اعتمادی نیست بر رزق مقدر خلق را سوختند از فکر نان همچو تنور این خامسها (٤۱)

زیرا اعتقاد دارد " ان ربك يبسط الرزق لمن يشاء و يقدر انه كان بعباده خبيراً بصيراً (۱۷: ۳۰)

مفلس به سعی خویش تونگر نمی شود
چندان که جان خویش کند کان بی زری است (۴۲)

لیکن بر " لا تقنطوا من رحمة الله " ایمان کامل دارد چنانکه گوید:

در مذهب غنیمت منع است نا امیدی
هر رنج را طبیبی هر درد را دوایی است (۴۳)

لذا نمی خواهد که انسان دست سؤال پیش کسی دراز کند و " خودی " را از دست دهد۔ غنیمت چه خوش گفته است:

کاسۀ خالی داشتن را زینهار از کف مده
گر ترا باشد به دریا دسترس همچون حباب (۴۴)

غنیمت آرزو مند " بزم بر ساحل آراستن " نیست بلکه در این دهر بی سهر محنت و مشقت و سخت کوشی را باعث عافیت می داند و می گوید:

نصیب سخت دلان است، عافیت از دهر　　گل سپر ز خزان و بهار بی اثر است (۴۵)

زاهدان سالوس و صوفیان دسیسه کار و خرقه پوشان دغل باز همواره مورد تنقید و هدف ملامت شعرا بوده اند۔ غنیمت نیز در پیروی از شعرای متقدم این حقه بازان را به چشم حقارت می نگرد و می گوید:

معنی صوفی طلب کن ورنه گردد هر طرف　　یك بیابان دام و دد در خرقۀ پشمینه ها (۴۶)

همین طور در مذمت زاهد ریا کار گوید:

تا توانی راه در میخانه زاهد را مده　　چغد خواهد کرد ویران خانۀ آباد را (۴۷)

و همچنین در نکوهش شیخ گفته است:

گشته پیرو همچنان این شیخ مدهوش خود است　　با قد خم گشتۀ خود حلقه در گوش خود است (۴۸)

فرق مراتب زهاد و عشاق را بدین طور بر ما واضح می کند:

سجود زاهدان و عشق بازان، فرقها دارد　　چه نسبت، سر به خاك افگنده را، با خاك برسرها (۴۹)

اما عیب جویی و نکته چینی را نمی پسندد:

علاج رخنه ای ایمان خویش کرد یقین　　　کسی که بسته لب خود ز عیب جویی ها[۵۰]

این شاعر شیرین مقال عواطف و احساسات عشاق را طوری عکاسی کرده است که مطبوع طبایع هر که و مه افتد و نشان ذوق و استعداد یك شاعر با احساس می دهد- عاشق شیفتهٔ محبوبی است که لبش خون یمن ریزد و بوی سر زلفش ختن ها را آواره سازد:

ای ریخته یاقوت لبت خون یمن ها　　　آواره بوی زلف تو ختن ها[۵۱]

یاد رخسارش باعث آبادی آتشکده ها و گوشهٔ چشمش آرامگه عربده ها است :

یاد رخسار تو آبادی آتشکده ها　　　گوشهٔ چشم تو آرامگه عربده ها[۵۲]

گوهر از یاد بنا گوشش در گنجینه با سپندی روی آتش هم عنانی می کند:

با سپندی روی آتش هم عنانی می کند　　　گوهر از یاد بنا گوش تو در گنجینه ها[۵۳]

نی نی اگر حرفی از بنا گوشش بر لب غواص رود ، دود از گوهر بر خیزد:

رود گر بر لب غواص حرفی از بنا گوشت　　　ز گوهر چوسپند روی آتش دود بر خیزد[۵۴]

خالی که زیب زنخدانش است تخمی است که از سیب ذقن جلوه گر شده است :

خالی که بود زیب زنخدان نکویان　　　تخمی است که شد جلوه گر از سیب ذقن ها[۵۵]

آن بی پروا ترحم ناشناسی است که وقت رفتن بی نیازی در جلو و فوج تغافل در رکابش باشد:

می رود آن مست بی پروا ترحم ناشناس　　　بی نیازی در جلو فوج تغافل در رکاب[۵۶]

و چون رو به گلشن نهد آواز شکست رنگ گل به گوش می آید:

نوید مقدم او می دهد بیتابی گلشن　　　به گوشم از شکست رنگ گل می آید آوازش[۵۷]

دگر در گلستان مائل به خرام می شود برگ گل مثل زبان بلبل فریاد ها می کند:

کرد بر گلشن خرام قامتش بیدادها　　　گشت برگ گل زبان بلبل از فریاد ها[۵۸]

این بت شگفته روی چنین گرم خوی است که تمنا از بیم تند خوی او رنگ می بازد:

ز بیم تندی خوی اش تمنا رنگ می بازد　　　نگه نا رفته تا مژگان تماشا رنگ می بازد[۵۹]

گرچه وعده فراموش است ، ولی در شکستن دل عشاق عهدی که بسته است همواره ایفا می کند:

خوبان به دل شکستن ما عهد بسته اند		تا عهد بسته اند به صد جا شکسته اند (۶۰)

عاشق حرمان زده و دل شکسته را خیال چهره اش غارت گر هوش و حواس است و بولاق بینی اش وی را حلقه به گوش می کند:

چون خیال چهرهٔ او غارت هوشم کند		بینی بولاق زیبش حلقه در گوشم کند (۶۱)

و حرفی که از دندان مسی (پودر آرایشی دندان زنان) مالیده آلوده به لب آشنا می شود گویی شرابی است سرمه آمیخته که رخصت حرف زدن نمی دهد:

آن مسی مالیده دندان چو کشاید لب به حرف		در شرابی سرمه آمیزد که خاموشم کند (۶۲)

آه و ناله که از دلش بر خیزد برای تعظیم جلوه های قیامت ادای اوست:

بی اختیار خاستن آه سینه سوز		تعظیم جلوه های قیامت ادای اوست (۶۳)

زیرا پیش خوش نگاهان اشک نیاز از چشم افشاندن باعث خشم آنان می شود:

شد از اشک نیاز آلوده بامن گرم تر خونش		فشاندم دانه ها را در زمین و برق حاصل شد (۶۴)

و این که دلدادهٔ سنگین دل و بی رحم و شرر پرداز است، چگونه می تواند کلفت های خاطر خویش را به دلدار عرض کند:

فغانم بر نمی خیزد به رنگ گرد نمناکی
ز کلفتهای خاطر چون کنم یا رب خبردارش (۶۵)

البته در مفارقتش سر شک از چشمش مثل دریا روان می شود:

نی سرشک از چشم دریا در کنارم می چکد		نی رخش از دیده خون انتظارم می چکد (۶۶)

آه این حسرت نصیبان فقط از خنجر محبوب کام دل یابند:

خنجرش بخشید کام دل غنیمت عاقبت		از کدامین چشمه یا رب تشنه ام سیراب شد (۶۷)

غنیمت در نسج شعر رفعت تخیل و جدت ادا و ندرت بیان را به کار برده است و در بستن مضامین نو و بدیع سعی بلیغ به خرج داده است- غزل زیر دارای این همه خصوصیات شعری است:

جلوهٔ برق پر ریختهٔ تیر که بود		نفس صبح قیامت دم شمشیر که بود

شوخی رنگ شکسته است صدف را چون گل فکر نقاش بپرسید به تصویر که بود
عرق سعی مرا ساخته خون ناب کباب شوق دل گرم تلاش از پی نخچیر که بود
امشب انجم چوسپند سر آتش می سوخت چرخ جولان کدهٔ آه تباشیر که بود
سینه ام هر نظر آما جگاه تیر فضا است چشم این خوش نگهان حلقهٔ زنجیر که بود
برگ گل کاغذ آتش زده آید به نظر همدم مرغ چمن نالهٔ شب گیر که بود
گر نه دیوانگی داشت غنیمت امروز چشمهٔ شور جنون حلقهٔ زنجیر که بود (۶۸)

غنیمت در غزلیات صنایع و بدایع را طوری به کار برده است که همه اشعار غزل ناخن بر دل می زند و پختگی ذهن و نضج فکری شاعر را بر خواننده آشکار می سازد- غزل زیر دارای صنایع است :

دلی دارم خراب نرگس میخانه سامانش که می روید کدو پر باده از خاك شهیدانش
ز بیداد سپند شوخ چشم بس که می ترسد خط نیل است بر رخسار آتش دود پیچانش
چنان دل می توان برداشتن از ناوك اندازی که دارد گوشهٔ چشمی به ما بادام پیکانش
حدیث عاشقی ها زان شکم پرور چه می پرسی که شیرین تر بود از لعل معشوقان لب نانش
غبار سرمه کی گردد حریف شمع گفتارم که عمری کرده ام شاگردی چشم سخن دانش
جهانی شد شهید دست تیغ بی وفا شوخی که نتوان بست هر گز تهمت خونم به دامانش
ز دیوان قیامت انتخاب مصرعی کردم نظر افتاد چون بر جلوهٔ سرو خرامانش
به روی دل در معنی غنیمت باز می بینم نظرها دوختم از بس که بر چاك گریبانش (۶۹)

و اینك غزلی از نمونه های مبالغه آرایی اوست :

تا شد حدیث عارض جانان بیان ما باشد به رنگ غنچه زبان در دهان ما
از مهر اگر به تربت ما پر تو افگند یاد از هلال عید دهد استخوان ما
قربان ناز گوشهٔ ابروی کیستم عنقا شد است زاغ کمان در زمان ما
از بس که حرف زلف تو بسیار گفته ام زنجیر شد چو شمع سخن بر زبان ما
ما بلبلان ز شوق گلی آب گشته ایم یك چشم گریه ناك بود آشیان ما
باید به رنگ لاله و گل کرد یك نظر آتش زد است گوش چمن را فغان ما
خود را به یاد خاك درش سجده می کنم بی جا نرفته است غنیمت گمان ما

در غزل زیر صنعت سوال و جواب به کار رفته است و هم نمونه سهل ممتنع است:

گفتمش: داری لب نوشین چو جان، گفتا بلی　　گفتمش: از من تمنایی است، گفت: از ما بلی
گفتمش: از قامتت شور قیامت شد بلند　　گفت: می آید بلا از عالم بالا بلی
گفتمش: آشوب طوفان داشت چشمم بی رخت　　گفت: می آید به گوشم نالهٔ دریا بلی
گفتمش: خون شد دل دیوانهٔ سودای تو　　گفت: می بینم بهار لالهٔ صحرا بلی
گفتمش: طاقت به غارت دادهٔ خوی توام　　گفت: نتوان شد حریف شوخ بی پروا بلی
گفتمش: می زیبد آئین دور نگی ها ترا　　گفت: یك رنگی بود عیب گل رعنا بلی
گفتمش: دانسته ای قدر من از اهل سخن　　گفت: می دانم غنیمت من ترا زینها بلی [۷۱]

در غزل درج زیر، غنیمت ساد گی و سلاست را به کار برده است:

اسیر تن پرستی گشته ای از دل چه می پرسی　　برون نرفته از خود یك قدم منزل چه می پرسی
درون غنچه با بیرون گل یك رنگ می باشد　　بود پیدا ز رنگ چهره حال دل چه می پرسی
نیفشاندی سر شك از دیده جمعیت چه می خواهی　　نکردی دانه ای در خاك از حاصل چه می پرسی
ندادی دل به شوخی ذوق سر بازی چه می دانی　　نخوردی زخم تیغ و حالت بسمل چه می پرسی
به گوشت نالهٔ زنجیر مجنونی نمی آید　　ز عزم ناقهٔ لیلای این محمل چه می پرسی
به هر جا می گذاری بر زمین سر آستان اوست　　مقام و منزل معشوق ای غافل چه می پرسی
غنیمت دل شهید مصرعه صایب که می گوید　　"گناه خویش ای بی درد از قاتل چه می پرسی" [۷۲]

و این غزل از غنیمت است که در نعت رسول مقبول صلی الله علیه و آله وسلم سروده است:

ای بهار هشت جنت در عرق از روی تو　　قبله روحانیان طاق خم ابروی تو
زیب طوق بندگی قمری کند جبریل را　　جلوه گر شد هر کجا سرو قد دلجوی تو
نکهت پیراهن یوسف شود دود چراغ　　خانهٔ دل گر نیفروزد ز مهر روی تو
می جهد چون برق از پیشانی دلها سجود　　در حریم قبله گاه کعبه یعنی کوی تو
از کمان چرخ کی جسته است یك تیر قضا　　تا نشد مایل به جنبش گوشهٔ ابروی تو
صدق و عدل است و حیا وجود بی آشوب ریب　　مانده در اصحاب پاکت یادگار خوی تو
فرصت الحمد گردد تنگ برخود از عطس　　بگذرد گر سوی جنت نکهت گیسوی تو

قبله گاه آهوی چین می شود از روی فخر　　راه گر یابد غنیمت در سگان کوی تو[۷۳]

و این غزل در اسلوب خاص اوست:

رمیده هوش از سر تماشا بدیده ماهی که می خرامد
پریده رنگ از رخ تمنا غبار راهی که می خرامد

تن نزارم دهد زمژگان شوخ یادم به هر نگاهی
غزال چشم جگر شکارش به برگ کاهی که می خرامد

علم ز فریاد داد خواهان بلند گردیده است هر سو
دران بیابان که ما غباریم بادشاهی که می خرامد

به قبله رو کرده شوق بلبل به سجده فرسوده ناصیه گل
خبر ندارم درین چمن شوخ کج کلا هی که می خرامد

ز شرم لطف نیاز پرور چو آب گشتم شراب گشتم
بدیده چشمی که جلوه دارد به دل نگاهی که می خرامد

اگر ز تا راج شهر دلها خیال مژگان یار برگشت
به عزم شبخون دیدهٔ ما صف سپاهی که می خرامد

به جام گل چون چراغ کم روغن آتش افتاده است امشب
درین چمن ها نسیم بی خود به یاد آهی که می خرامد

نهاده پا بر سر دو عالم گذشت از خود به کام اول
خبر ندارد کسی غنیمت به جلوه گاهی که می خرامد[۷۴]

غزلیات مندرجه بالا موضوع و طرز فکر و اسلوب بیان شاعر و ندرت تشبیهات و استعارات و قدرت کلام و ابداع ترکیبات و ابهام و تلمیحات که معمول سبك هندی است، نشان می دهد و خوانندگان گرامی شرح احساسات و عواطف و احوال درون عشاق را در قلب الفاظ می بینند و می توانند قیاس کرد که در فضای پهناور و بیکران اندیشهٔ طائر فکر و خیال آن شاعر خوش مقال تا به کجا می رسد.

حواشی (از مرتبین)

(۱) آرزو، سراج الدین علی خان، تذکرهٔ مجمع النفایس، به تصحیح مهر نور محمد خان، اسلام آباد، ۲۰۰۶م، جلد دوم، ص ۱۱۷۲-

(۲) ایضاً، ص ۱۱۷۲-

(۳) هاشمی سندیلوی، احمد علی، مخزن الغرائب، به تصحیح محمد باقر، جلد ۴، مرکز تحققات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۳م، ص ۲۲۷-

(۴) سرخوش، محمد افضل، کلمات الشعراء، به تصحیح صادق علی دلاوری، انتشارات شیخ مبارک علی ایند سنز، لاہور، ۱۹۴۲م، ص ۸۲-

(۵) ایضاً، ص ۸۲-

(۶) صدیق حسن خان، نواب، شمع انجمن، ۱۲۹۳ق، ص ۳۵۶-

(۷) غنیمت کنجاہی، دیوان غنیمت، به تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکادمی، لاهور، ۱۹۵۸م، ص ۲۲۲-

(۸) ایضاً، ص ۱۱۲-

(۹) ایضاً، ص ۳۴-

(۱۰) ایضاً، ص ۱۱۱-

(۱۱) ایضاً، ص ۲۳۴-

(۱۲) ایضاً، ص ۱۴-

(۱۳) ایضاً، ص ۴۷-

(۱۴) ایضاً، ص ۲۱۸-

(۱۵) ایضاً، ص ۱۹۸-

(۱۶) ایضاً، ص ۱۰۲-

(۱۷) ایضاً، ص ۲۶۷-

(۱۸) ایضاً، ص ۲۳۸-

(۱۹) ایضاً، ص ۱۴۰-

(۲۰) خسرو، امیر، کلیات غزلیات خسرو، به تصحیح اقبال صلاح الدین، جلد دوم،

پیکجز لمیتد، لاهور، ۱۹۷۳م، ص۴۸۳۔

(۲۱) دیوان غنیمت، ص ۲٦۔

(۲۲) ایضاً، ص ۲۵۔

(۲۳) حافظ شیرازی، خواجه شمس الدین محمد، دیوان غزلیات حافظ، به کوشش خلیل خطیب رهبر، انتشارات صفی علیشاه، تهران، ۱۳۷۸ هجری شمسی، ص ۲۷۳۔

(۲٤) دیوان غنیمت، ص ۷۹۔

(۲۵) بیدل دهلوی، عبدالقادر، کلیات دیوان مولانا بیدل دہلوی، به تصحیح خال محمد خسته و خلیل الله خلیلی، به اہتمام حسین آهی، تہران، ۱۳٦٦هجری شمسی، ص ۳۳۹۔

(۲٦) دیوان غنیمت، ص ۸۰۔

(۲۷) ایضاً، ص ۲۰۸۔

(۲۸) این شعر در دیوان چاپی غالب وجود ندارد۔

(۲۹) دیوان غنیمت، ص ۵۳۔

(۳۰) اقبال، علامه محمد، کلیات اقبال اردو، به اہتمام شہرت بخاری، اقبال اکادمی، پاکستان، لاهور، ۱۹۹۰م، ص ۲۱۸۔

(۳۱) دیوان غنیمت، ص ٦۲۔

(۳۲) ایضاً، ص ۱٤۔

(۳۳) اقبال، علامه محمد، کلیات اقبال فارسی، به اہتمام شہرت بخاری، اقبال اکادمی، پاکستان، لاهور، ۱۹۹۰م، ص ۳۰۳۔

(۳٤) دیوان غنیمت، ص ۲۷۵۔

(۳۵) ایضاً، ص ۳٤۔

(۳٦) ایضاً، ص ۱۵۸، در مقاله، مصرع اول چنین نوشته شده است:

زبان مدعیان از ملائمت بستم

(۳۷) ایضاً، ص ۷۸۔

(۳۸) ایضاً، ص ۵۹-

(۳۹) ایضاً، ص ۲۰۵-

(۴۰) ایضاً، ص ۲۰۴-

(۴۱) ایضاً، ص ۳۳-

(۴۲) ایضاً، ص ۸۶ ؛ در مقاله، مصرع دوم چنین نوشته شده است:

چندان که جان خویش کند کان بی زر است

(۴۳) ایضاً ، ص ۸۸ ؛ در مقاله، مصرع دوم چنین نوشته شده است:

هر رنج را طبیبی هر درد را دوا است

(۴۴) ایضاً ، ص ۵۳-

(۴۵) ایضاً ، ص ۸۵-

(۴۶) ایضاً ، ص ۱۵-

(۴۷) ایضاً ، ص ۲۵-

(۴۸) ایضاً ، ص ۶۸-

(۴۹) ایضاً ، ص ۲۱-

(۵۰) ایضاً ، ص ۵۱-

(۵۱) ایضاً ، ص ۴۳ ؛ در مقاله، مصرع اول چنین نوشته شده است:

دی ریخت یاقوت لبت خون یمن ها

(۵۲) ایضاً ، ص ۴۹-

(۵۳) ایضاً ، ص ۱۵-

(۵۴) ایضاً ، ص ۱۳۳-

(۵۵) ایضاً ، ص ۴۹-

(۵۶) ایضاً ، ص ۵۶-

(۵۷) ایضاً ، ص ۱۸۹-

(۵۸) ایضاً ، ص ۴۹-

(۵۹) ایضاً ، ص ۱۶۳-

(٦٠)   ایضاً، ص ١٤٦۔

(٦١)   ایضاً، ص ١٢٩۔

(٦٢)   ایضاً، ص ١٢٩۔

(٦٣)   ایضاً، ص ٦٠؛ در مقاله، مصرع اول چنین نوشته شده است:

بی اختیار خاستن آه سینه زور

(٦٤)   ایضاً، ص ١٣١۔

(٦٥)   ایضاً، ص ١٨٨۔

(٦٦)   ایضاً، ص ١٤١۔

(٦٧)   ایضاً، ص ١٤٥۔

(٦٨)   ایضاً، ص ١١٣۔

(٦٩)   ایضاً، صص ٢٠٢-٢٠٣۔

(٧٠)   ایضاً، ص ١٩۔

(٧١)   ایضاً، صص ٢٨٢-٢٨٣۔

(٧٢)   ایضاً، ص ٢٦٧۔

(٧٣)   ایضاً، صص ٢٦٠-٢٦١۔

(٧٤)   ایضاً، صص ١٥١-١٥٢۔

عارف نوشاہی

غنیمت کی مثنوی گلزار محبت ☆

غنیمت کی تصانیف پر ایک نظر:

محمد اکرم غنیمت کنجاہی کی شہرت ان کی فارسی مثنوی نیرنگ عشق (سال تصنیف: ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۵ء) کے باعث ہے۔ شاید ہی فارسی شعرا کا کوئی تذکرہ نویس اور فارسی ادب کا کوئی مورخ ایسا ہو جس نے غنیمت کے تذکرے میں اس مثنوی سے صرف نظر کیا ہو[۱]۔ یہ مثنوی کم از کم بیس بار چھپ چکی ہے۔ ایک قدیم اشاعت مطبع حسنی، لکھنو، ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء کی ہے۔ مطبع نول کشور، لکھنو سے دسمبر ۱۹۲۵ء میں یہ اٹھویں بار شائع ہوئی،[۲] گویا بیسویں صدی کے آغاز میں یہ مثنوی ہنوز مقبول عام تھی۔ پنجابی ادبی اکادمی، لاہور نے جب پنجاب کے مصنفین کی کتب کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا تو پروفیسر غلام ربانی عزیز کے اہتمام سے ۱۹۶۲ء میں نیرنگ عشق کو بھی ٹائپ پر شائع کیا۔ اس کے بعد اب تک اس کی کوئی اشاعت سامنے نہیں آئی۔

غنیمت کا ایک فارسی دیوان بھی ہے جس میں غزلیات، مفردات اور قصائد شامل ہیں۔ اس کے قلمی نسخے نیرنگ عشق کی طرح عام تو نہیں ہیں، لیکن دستیاب ہیں۔[۳] دیوان مولانا غنیمت پہلی بار محمد مصطفیٰ علی کے اہتمام سے محمد تیغ بہادر پریس، لکھنو میں چھپا۔ اس پر تاریخ طباعت نہیں ہے لیکن یہ سنگی چھاپہ انیسویں صدی عیسوی کے وسط سے ادھر کا نہیں ہے۔ پروفیسر غلام ربانی عزیز کے اہتمام سے ۱۹۵۸ء میں پنجابی ادبی اکادمی، لاہور نے اسے ٹائپ پر شائع کیا۔ پنجاب میں درسی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے دیوان غنیمت کا انتخاب گلزار غنیمت کے نام سے شائع ہوا، جس میں ردیف الف، تاء اور دال کی غزلیات ہیں اور ساتھ مختار احمد صدیقی کی تیار کردہ اردو فرہنگ اور شرح بھی ہے۔[۴]

عام طور پر ادبی تذکروں اور تاریخوں میں غنیمت کی انھی دو منظوم تصانیف کا ذکر ملتا ہے، لیکن ان میں سے فارسی میں کچھ نثری رسائل بھی یادگار ہیں، جیسے:

مناظرۂ گل و نرگس، یہ گلاب اور نرگس کے درمیان اپنی اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے ایک مکالمہ ہے۔[۵] اسے ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں مولوی محمد بخش اور محمد عالم دین کی فرمائش سے مفتی الٰہی بخش نے اپنے مطبع مفتاح الاسرار، بھیرہ، ضلع شاہ پور [اب سرگودھا] سے شائع کیا۔ اسی اشاعت کی بنیاد پر ڈاکٹر نجم الرشید نے اسے از سر نو مرتب کر کے شعبۂ فارسی، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے رسالہ سفینہ، جلد۲، شمارہ۱، ۱۳۸۳ شمسی

☆ گلزار محبت، محمد اکرم غنیمت کنجاہی، مقدمہ از عارف نوشاہی، گجرات، جنوری ۲۰۰۸ء، ص ۱۵-۴۶

[۲۰۰۴ء]، ص ۵۸-۶۳ میں شائع کیا۔

پروفیسر غلام ربانی عزیز نے انشائے غنیمت کا ذکر کیا ہے[۶] لیکن اس کی کوئی تفصیل نہیں دی ہے۔ شاید اس سے مراد غنیمت کے رقعات ہیں۔

حضرت سید شریف احمد شرافت نوشاہی (۱۹۰۷-۱۹۸۳ء) نے ادبی دنیا کو غنیمت کی دو اور فارسی تصانیف سے پہلی بار متعارف کروایا۔ ایک رقعات غنیمت اور دوسری مثنوی گلزار محبت۔ غنیمت کے تیرہ رقعات ذخیرۂ شیرانی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور کی ایک قلمی بیاض (نمبر ۳۹۸۲/۹۳۰) میں درج ہوئے ہیں۔ انہیں سید شرافت نوشاہی نے اسی بیاض سے مرتب کر کے مجلس ترقی ادب، لاہور کے ترجمان صحیفہ، شمارہ ۶۲، جنوری ۱۹۷۳ء، صفحات ۱-۱۳ میں شائع کروایا تھا۔[۷]

گلزار محبت کا قلمی نسخہ سید شرافت نوشاہی نے شیخ کرامت اللہ قانونگو، گجرات (م: ۱۹۷۸ء) کے پاس دیکھا تھا اور اس کا تعارف اپنے ایک مضمون ''مولانا غنیمت کنجاہی کے کچھ مزید حالات'' رسالہ العلم، کراچی، اپریل تا جون ۱۹۷۳ء، صفحات ۲۴-۳۶ میں لکھا تھا۔[۸]

انہی دنوں میں غنیمت کے ایک ہم وطن پروفیسر شریف کنجاہی (۱۹۱۵-۲۰۰۷ء) نے بھی غنیمت کی اس نو دریافت مثنوی پر ایک مقالہ ''مثنوی گلزار محبت اور غنیمت'' لکھا جو ماہ نامہ فنون، لاہور، جلد ۱۷، شمارہ ۴، ۵، بابت ستمبر-اکتوبر ۱۹۷۳ء، صفحات ۱۱۳-۱۲۰ میں شائع ہوا۔ پروفیسر صاحب کے پیش نظر شیخ کرامت اللہ قانونگوہی کا نسخہ تھا۔[۹]

غنیمت سے ایک ساقی نامہ بھی منسوب ہے۔[۱۰]

گلزار محبت کا قلمی نسخہ:

ادبی رسائل میں گلزار محبت کے ابتدائی تعارف کے کوئی چونتیس سال بعد مارچ ۲۰۰۷ء میں اس مثنوی کا وہی نسخہ عارف علی میر صاحب، ایڈووکیٹ، گجرات کے وساطت سے مجھے بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا جو اب محمد شفیع قریشی، ساکن راجڑ خرد، سرائے عالمگیر، کی تحویل میں ہے۔ اس نسخے کی شیخ کرامت اللہ مرحوم کے کتب خانے سے شفیق قریشی کی تحویل میں آنے کی دلچسپ روداد انہوں نے خود بیان کی ہے۔ یہ انتقال کتاب کا ایک محیّر العقول اور نادر واقعہ ہے۔ گلزار محبت کا تعارف کروانے والے پیشرو محققین کا خیال ہے کہ یہ اس مثنوی کا واحد دستیاب نسخہ ہے۔ سید شرافت نوشاہی نے نسخہ کے قدیم مالک شیخ کرامت اللہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ یہ نسخہ ان کے دادا کے دادا دیدار بخش کے زمانے سے ان کے خاندان میں چلا آرہا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے اس نسخہ کے کوائف بتا دیے جائیں:

۴۶ ورق، ۱۳ سطور فی صفحہ، عنوانات سرخ روشنائی سے، معمولی جدول، خط نستعلیق۔

ترقیمہ:

"تمت تمام شد مثنوی تصنیف غنیمت کنجاھی،

اسم او محمد اکرم است و تخلص او غنیمت،

عرف نرخی کنجاھی، غفراللہ لہ ولو الدیہ"

ترقیمہ میں غنیمت کا عرف "نرخی"[۱۱] پہلی بار سامنے آیا ہے اس سے پہلے کسی تذکرہ نویس نے ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس عرف کی کوئی اور شہادت مجھے دستیاب ہوئی ہے۔ غالباً کاتب ذاتی طور پر غنیمت کے اس عرف سے واقف تھا۔

سید شرافت نوشاہی کا خیال ہے کہ یہ نسخہ بخط مصنف ہے، اس کے لئے انہوں نے آٹھ دلائل دیئے ہیں یا قرائن گنوائے ہیں۔[۱۲] شریف کنجاہی صاحب کاتب کے بارے میں خاموش ہیں لیکن ان کے ایک بیان کے بین السطور یہ بات واضح ہے کہ مصنف خود نسخے کا کاتب نہیں ہے۔ وہ اس نسخے میں منظوم عنوانات کو ایجاد کاتب سمجھتے ہیں۔[۱۳] لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ منظوم عنوانات پختہ اور عمدہ کلام ہے اور مشکل بحر میں ہیں، جسے کسی عامی کاتب کی شعر گوئی مانا نہیں جا سکتا۔ تاہم نسخہ بخطِ مصنف بھی نہیں ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ نسخے میں کتابت کی غلطیاں یا سہو ہائے قلم موجود ہیں۔ املاء بھی غیر معیاری ہے۔ غنیمت جیسے پڑھے لکھے شاعر سے جو صحت کتابت کے معاملے میں بہت حساس تھے، یہ بعید ہے کہ وہ ساغر کو صاغر (19b) اور یہ ابلاغ کو باغلاغ (23b) لکھے۔ نسخے کے کاتب نے غیر ضروری طور پر ہمزہ کا بے دریغ استعمال کیا ہے جو املاء کے غیر معیاری ہونے کی دلیل ہے۔ جیسے خدائی (2a)، روائی (2a)، بو (خوشبو) کو بوء (2b) ریاضت ہای روشن کو ریاضت ہائی روشن (7b) جوی آب کو جوئی آب (8b)۔ تشدید کا بے محابا استعمال بھی دیکھا گیا ہے، مثلاً: سّج اور گنّج (4a)۔ کتابت کی کچھ اور خصوصیات بھی ہیں جن کا تعلق سہو قلم سے نہیں بلکہ طریقۂ املاء سے ہے، جیسے کسرہ کی جگہ ی کا استعمال۔ مثالیں:

گشادی غنچۂ رازی نماید (24b) جو "گشاد غنچۂ رازی نماید" ہے۔

بہ نازی سروری بنشست در جمع (25a) جو "بہ ناز سروری بنشست در جمع" ہے۔

چنین گفت از زبانی خوش خطابی (26a) جو "چنین گفت از زبانِ خوش خطابی" ہے۔

بود کاری ظلومی معصیتہا (45b) جو "بود کار ظلومی معصیتہا" ہے۔

خرمی کو خوری لکھا ہے (30a,28a,27a)۔

میرے خیال میں اس نسخہ کا کاتب نصیر الدین نامی شخص ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ مثنوی جس ورق پر ختم ہوتی ہے وہاں ترقیمے کے فوراً بعد ایک فارسی نظم بعنوان ''مناجات حضرت سلطان الاعظم'' اسی خط میں درج ہوئی ہے جس میں گلزار محبت کتابت ہوئی ہے۔ اس مناجات کا مقطع یہ ہے:

شکستہ دل همی نالد به درگاهت نصیر الدین

برو رحمت فرانوان (کذا) کن توبی ستار یاالله

جیسا کہ ذکر ہوا مثنوی کا متن چھیالیس اوراق پر مشتمل ہے لیکن نسخے کے ابتدا میں چودہ اور آخر میں گیارہ اضافی اوراق مجلد ہیں۔ ابتدائی اوراق میں حیدر ملتانی اور شوق کے پنجابی اشعار نقل ہوئے ہیں اور آخری اوراق میں مختلف صنایع بدایع کے اظہار کے لئے فارسی اشعار کے نمونے دیئے گئے ہیں۔ آخری گیارہ اضافی اوراق کے بعد جن میں متفرق فارسی اشعار درج ہوئے ہیں، مزید بارہ اوراق کسی دوسرے کاتب کے لکھے ہوئے ہیں، جن میں پنجابی مثنوی وحدت نامہ، چرخہ نامہ وغیرہ نقل ہوئے ہیں۔ یہ سب شہادتیں اس بات کی ہیں کہ قلمی نسخہ پنجاب کا ہے اور یہیں گردش کرتا رہا ہے۔

سید شرافت نوشاہی اور شریف کنجاہی کے محولہ مقالات کے کچھ اور مطالب میں بھی احقر کے لئے اشکالات ہیں، جنہیں رفع کرنا ضروری ہے۔

(۱)　سید شرافت نوشاہی نے اس مثنوی کا تعارف محض ایک ''نو دریافت مثنوی غنیمت'' کے طور پر لکھا ہے۔ نہ تو اس کا نام (گلزار محبت) اور نہ ہی سال تصنیف (۱۱۳۰ھ) بیان کیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں چیزیں مثنوی کے اندر موجود ہیں۔ البتہ انہوں نے شریف التواریخ، ج ۲، ص ۱۷۵۶-۱۷۵۷ میں سید صالح محمد کے حالات اور تذکرۂ شعرائے نوشاہیہ ص ۵۵۳ میں غنیمت کے حالات کے ضمن میں اس کا نام گلزار محبت ہی لکھا ہے۔

(۲)　سید شرافت نوشاہی نے لکھا ہے کہ صداقت کنجاہی کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ثواقب المناقب کے سال تصنیف یعنی ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء سے پہلے پہلے مولانا غنیمت وفات پا چکے تھے، تاہم فرخ سیر کی تخت نشینی (۵ محرم ۱۱۲۵ھ/۱۷۱۳ء) کے وقت غنیمت زندہ تھے اور اسی سال یہ مثنوی لکھی گئی اور اسی سال کے آخر میں آپ کا انتقال ہو گیا[۱۴]۔ احقر کے خیال میں جب مثنوی میں اس کا سال تصنیف ۱۱۳۰ھ بصورت مادۂ تاریخ ''نخل مودّت'' موجود ہے اور فرخ سیر کا زمانہ حکومت ۱۱۲۵ تا ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۳-۱۷۱۹ء ہے تو اس سال تصنیف میں کوئی اشکال نہیں ہے اور غنیمت کا سال وفات بہرحال ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۸ء کے بعد ہی ہوگا۔

گلزار محبت کا مصنف کون؟

پروفیسر شریف کنجاہی نے اپنے محولہ مقالہ میں بالکل مختلف نظریہ پیش کیا ہے۔ وہ گلزار محبت کو غنیمت صاحب نیرنگ عشق کی تصنیف نہیں مانتے اور کہتے ہیں:

''غنیمت دو تھے، دونوں کا نام محمد اکرم تھا، متاخر نے نام کی رعایت سے تخلص تو اپنا لیا لیکن متقدم کی شہرت میں یوں ماند ہو کر رہ گیا کہ اسے غنیمت کنجاہی کے نام سے کوئی جانتا ہی نہیں۔ حالانکہ گلزار محبت کے سامنے آجانے کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ اس کا مصنف ہی غنیمت کنجاہی تھا جب کہ نیرنگ عشق کے مصنف میاں محمد اکرم غنیمت کے متعلق کوئی عصری تحریری شہادت نہیں ملتی کہ وہ کنجاہ کے رہنے والے تھے''۔(۱۵)

شریف کنجاہی اپنے پورے مضمون میں نیرنگ عشق کے مصنف کو ''غنیمت اول'' اور گلزار محبت کے مصنف کو ''غنیمت ثانی'' کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ پاکستان میں فارسی ادبیات کے ممتاز مورخ ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے شریف کنجاہی کے اس نظریے کو قبول نہیں کیا اور دلیل یہ دی ہے کہ نام، تخلص اور وطن میں مماثلت کے علاوہ دونوں کا مرشد بھی ایک ہے لہٰذا یہ ایک ہی شخص کی تصنیف ہو سکتی ہے اور انہوں نے اسے غنیمت کی تصانیف میں شامل کیا ہے۔(۱۶)

شریف کنجاہی کا یہ اعتراض ہے کہ نیرنگ عشق کے مصنف محمد اکرم غنیمت کے متعلق کوئی عصری تحریری شہادت نہیں ملتی کہ وہ کنجاہ کے رہنے والے تھے، یہی اعتراض ان سے پہلے عبداللہ چغتائی (م:۱۹۸۴ء) نے بھی ایک مضمون میں کیا تھا(۱۷)۔ جس کا جواب سید شرافت نوشاہی(۱۸) اور صادق علی دلاوری(۱۹) دے چکے ہیں اور یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

شریف کنجاہی اپنے محولہ مضمون میں کنجاہ میں واقع غنیمت کے مزار کو بھی ''غنیمت ثانی'' کا مزار مانتے ہیں اور بے حد دلچسپ تبصرہ فرماتے ہیں:

''کنجاہ میں موجودہ مزار ممکن ہے اسی مؤخر الذکر کا ہو جسے اپنے سے بہتر شاعر کا تخلص اپنانے کی سزا وقت کی ستم ظریف عدالت سے یہی مل سکتی تھی اور ملی کہ اس کا مزار بھی اس کا مزار نہ رہا''۔(۲۰)

شریف کنجاہی یہ فراموش کر گئے کہ ان کے مزعومہ غنیمت ثانی کو ۱۹۷۳ء سے پہلے کوئی نہیں جانتا تھا، چہ جائے کہ اس کا مزار بنتا۔

البتہ شریف کنجاہی کا یہ نظریہ کہ مثنوی کسی دوسرے غنیمت کی تصنیف ہو سکتی ہے، ایک دوسرے زاویۂ

نگاہ سے قابل غور ہے اور مجھے جو چند اشکال ہیں وہ ابھی تک دور نہیں ہوئے۔ میرے اشکال یہ ہیں:

غنیمت کے برادر زادہ محمد ماہ صداقت کنجاہی (م: ۱۱۴۸ھ) نے اپنی فارسی تصنیف ثواقب المناقب کا کوئی سال تصنیف تو بیان نہیں کیا ہے، لیکن اس میں ایک مقام پر حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش (۹۵۹-۱۰۶۴ھ/ ۱۵۵۲-۱۶۵۴ء) کے ایک پڑپوتے ہیبت شاہ بن محمد سعید بن محمد ہاشم دریادل بن حضرت نوشہ گنج بخش کی شہادت کا واقعہ لکھا ہے اور قطعۂ تاریخ دیا ہے:

"ہم درین ایام طاووس خلد مأنوس یعنی میاں ہیبت شاہ خلف الرشید آن کرامت بہ آب شمشیر باغبان رنگ صبغۃ اللہ شہادت ریخت............

سال تاریخ شہادت رابہ خون کردم رقم
"لالۂ فردوس شد آن زادۂ کوہ وقار"[۲۲]

۱ ۱ ۲ ۶

مصنف کی عبارت میں "ہم درین ایام" کے الفاظ کی روشنی میں سید شرافت کا قیاس ہے کہ ثواقب المناقب کا سال تصنیف ۱۱۲۶ھ ہوسکتا ہے۔[۲۳]

لاہور کے راستے میں غنیمت پر عالم نزع طاری ہونے کا ذکر ثواقب المناقب میں بدین الفاظ موجود ہے۔

"یکی ازیاران آن سید شیرازہ بند مجموعۂ استقامت (یعنی سید صالح محمد)، محمد اکرم غنیمت عم مؤلف رسالہ بود کہ مثنوی نیرنگ عشق آن(مثل) طاووس گلزار بہشت شہرت دارد۔ از زبان والد بزرگوار شنیدہ شد کہ ہر گاہ در راہ لاہور قصیدۂ عمر آن زخمی خنجر شوق بہ مقطع نزع کہ ہیچ کس طاقت گریز ازان ندارد، پیوست و سکتہ دامن گیر آن مصرع برجستۂ دیوان شہیدی شد......"[۲۴]

تو ان کے بھائی انہیں پالکی میں بٹھا کر واپس لائے اور کنجاہ پہنچ کر غنیمت وفات پا گئے۔[۲۵]

ثواقب المناقب کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ غنیمت، ثواقب المناقب کی تصنیف کے وقت وفات پا چکے تھے۔ "عم مؤلف رسالہ بود" میں "بود" کا استعمال اس کی مزید تائید کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر غنیمت نے گلزار محبت ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۸ء میں تصنیف کی ہے تو کیا میاں ہیبت شاہ نوشاہی کے سال شہادت

۱۱۲۶ھ/۱۴-۱۷۱۴ء کی روشنی میں صداقت کے الفاظ "ہم درین ایام" سے ان کی کتاب ثواقب المناقب کا سال تصنیف ۱۱۲۶ھ/۱۴-۱۷۱۴ء قیاس کرنا درست ہے؟ اس صورت حال میں تو ثواقب المناقب کا سال تصنیف بھی ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۸ء کے بعد کا اور غنیمت کی تاریخ وفات بھی اس سے بعد کی متعین کرنا ہوگی۔

اس احقر کی دوسری الجھن مثنوی گلزار محبت میں پیر طریقت کی مدح کے ضمن میں ان کے سال وفات سے متعلق ہے۔ بقول شاعر:

چو شد آن حق خلیل عشق ملت
بـه خـواب راحتی در مـهد تربـت
خـرد تـاریـخ سـالـش از ره صدق
بـگـفـتا:هی فتاد آن کـعبـهٔ عشق

۱ ۸　　۱ ۱　　(ص ۲۰)

نیرنگ عشق میں غنیمت کے پیر طریقت کا نام واضح طور پر سید صالح محمد (یا محمد صالح) لکھا ہے جو اس وقت بقید حیات تھے۔

در کشور گشای فیض سرمد
امام عاشقان صالح محمد [۲۶]

لیکن گلزار محبت میں شاعر نے ان کا نام نہیں لیا اور "چون نام خویشتن پیر ستودہ" کا اشارہ دیا ہے اور ان کے فضائل بیان کیے ہیں اور مذکورہ مادۂ تاریخ وفات لکھا ہے۔ اگر "پیر ستودہ" کی ترکیب میں "پیر" کو صالح اور "ستودہ" کو محمد کی طرف اشارہ سمجھا جائے تو یہ مرشد کے نام ہی کا حوالہ ہوگا۔ اس مدح میں دو اور ذاتی اشارے بھی ہیں۔ ایک ممدوح کے خمیدہ قد (خمیدہ قامتش تیغ کشیدہ) اور دوسرا ان کی اولاد کے لئے دعائے خیر (بہ اولاد گرامی چشم بد دور)۔ اگر یہ مدح سید صالح محمد نوشاہی مرید حضرت نوشہ گنج بخش کی ہے تو مشائخ نوشاہیہ کے اولین تذکرہ نویس میرزا احمد بیگ لاہوری نے احوال و مقامات نوشہ گنج بخش میں ان کا ذکر بطور وفات یافتہ شیخ کے کیا ہے:

"ایشان از یاران کبار حضرت شاہ بودند...... مسکن و مزار ایشان در چلك سادہ است کہ از گجرات دو کروہ خواهد بود"۔ [۲۷]

احوال و مقامات نوشہ گنج بخش کا سال تصنیف ۱۱۰۷ھ/۹۶-۱۶۹۵ء بتصریح اس کے دیباچہ میں موجود ہے [۲۸] لیکن گلزار محبت میں درج مادۂ تاریخ وفات سے ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۶ء برآمد ہوتا ہے۔ سید شرافت نوشاہی نے گلزار محبت کی بنیاد پر سید صالح محمد کے اسی سال وفات کو ترجیح دی ہے اور ان کے دیگر سنین وفات ۱۰۷۲ھ/

۶۲-۱۶۶۱ء، ۱۰۷۴ھ/۶۴-۱۶۶۳ء اور ۱۱۱۷ھ/۰۵-۱۷۰۴ء کو صحیح نہیں مانا[۲۹]۔ صادق علی دلاوری نے غنیمت پر اپنے دو مقالات میں سید صالح محمد کی وفات کا سال ۱۰۷۲ھ/۶۲-۱۶۶۱ء لکھا ہے اور اس کی سند غنیمت کے انھی اشعار سے پیش کی ہے جو گلزار محبت میں درج ہوئے ہیں لیکن ان اشعار کے لئے ان کا ماخذ ایک کہنہ بیاض ہے جو سید صالح محمد کی اولاد سے حضرت سید جلال شاہ گیلانی نے ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں تحریر کی اور اس وقت چک سادہ، ضلع گجرات میں سید صالح محمد نوشاہی کے مزار کے سجادہ نشین سید معصوم شاہ گیلانی (م: ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء) کے پاس تھی۔ اس بیاض میں یوں تحریر ہے:

ابیات غنیمت در تاریخ صالح محمد

چو شد آن حق خلیل عشق ملت
بخواب راحت اندر مهد تربت
بدایت کعبۂ او باد معمور
به اولاد گرامی چشم بد دور
خرد تاریخ سالش از ره صدق
بگفتا: "هے فتاده کعبۂ عشق"[۳۰]

تھوڑی سی لفظی تبدیلی کے ساتھ یہ وہی اشعار ہیں جو گلزار محبت (مطبوعہ، ص۲۰) میں درج ہوئے ہیں۔ دلاوری صاحب نے اپنے دونوں مقالات میں مادۂ تاریخ "ہے فتادہ کعبۂ عشق" نقل کیا ہے اور اسی کے مطابق اعداد ۱۰۷۲ نکالے ہیں۔ دلاوری صاحب اگر یہ بات دھیان میں رکھتے کہ غنیمت نے نیرنگ عشق ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۵ء میں تصنیف کی ہے اور اس میں اپنے پیر کی مدح اس طرح کی ہے جس سے ان کا بقید حیات ہونا ثابت ہوتا ہے، تو ان کا سال وفات ۱۰۷۲ھ ہرگز درج نہ کرتے یا اس مادہ تاریخ پر جرح کرتے۔ اگرچہ تذکرۂ شعرائے نوشاہیہ کے حواشی میں مَیں نے دلاوری صاحب کے اختیار کردہ سال وفات ۱۰۷۲ھ کی دبے لفظوں میں تائید کی ہے لیکن اس وقت یہ سب حقایق پیش نظر نہ تھے[۳۱]۔ ان باتوں سے قطع نظر، ایک اور حقیقت ضرور سامنے آئی ہے کہ غنیمت کی مثنوی گلزار محبت، سادہ چک کے بزرگوں کی دسترس میں تھی اور انہوں نے اپنے جد سید صالح محمد کا مادۂ تاریخ وفات، غنیمت کے حوالے سے درج کیا ہے۔ بیاض گیلانی کے کاتب کی طرف سے تحریر کردہ عنوان "ابیات غنیمت در تاریخ صالح محمد" سے دو اور باتوں کی بھی بالواسطہ تائید ہوتی ہے۔ ایک گلزار محبت، غنیمت ہی کی مثنوی ہے، دوسرا گلزار محبت میں شاعر نے اپنے جس پیر طریقت کا نام لیے بغیر یہ مدح لکھی ہے، وہ سید صالح محمد نوشاہی ہیں۔

اس کے باوجود یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ گلزار محبت میں اس بات کے کیا شواہد ہیں کہ یہ غنیمت کنجاہی کی تصنیف ہے؟

(۱)　　نیرنگ عشق میں غنیمت نے اپنا تخلص متعدد بار استعمال کیا ہے لیکن گلزار محبت میں صرف دوبار ''غنیمت'' استعمال ہوا ہے۔ پہلی بار گویا تعلّی کے طور پر:

مبارك ذوق دید آن قند پیغام
روان شد قاصد فرخنده فرجام
ز مصراع غنیمت تند تر شد
نظر شد ، برق شد، باد سحر شد
(ص ۵۶)

دوسری بار خاتمہ میں:

گفت غنیمت سخن دل تمام
کاتب او گفت علیه السلام
(ص ۱۰۷)

ایک مقام پر شاعر نے اپنے آپ کو ''شیخ'' کہہ کر بھی مخاطب کیا ہے:

بیا ای شیخ زین افسانه بس کن
سجو ز انگشت کاوش زخم ناخن
(ص ۱۰۴)

غنیمت کے بھتیجے صداقت نے اپنے دادا کے بھائی کا ذکر ''مخدومی شیخ ابو البقا برادر اور جد راقم السطور'' لکھ کر کیا ہے (۳۲)۔ سید شرافت نوشاہی نے ان کا پورا نام ''مولانا شیخ محمد اکرم غنیمت کنجاہی'' لکھا ہے۔ (۳۳)

(۲)　　شاعر نے غوث الاعظم کی منقبت لکھی ہے اور خطۂ پنجاب کی تعریف میں حضرت نوشہ گنج بخش کے مزار کا بطور خاص ذکر کیا ہے:

ز خاكِ مرقد حاجی نوشه
به مقصد از سراغ بوسه کن راه
(ص ۲۹)

ہمیں معلوم ہے کہ غنیمت کنجاہی مشرباً قادری نوشاہی تھے۔

(۳)　ساری مثنوی میں پنجاب کی ثقافتی فضا موجود ہے اور غنیمت پنجابی تھے۔ اس مثنوی میں پنجاب کے کئی معروف رجال، مقامات، پیشہ دروں اور رسوم کا ذکر ہوا ہے جن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

(۴)　مثنوی کا وزن وہی ہے جو نیرنگ عشق کا ہے۔ یہ وزن دوبارہ اختیار کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ غنیمت نے دیکھا ہو گا کہ نیرنگ عشق بے حد مقبول ہوئی ہے لہٰذا نئی مثنوی بھی اسی بحر میں لکھی جائے جو جامی کی یوسف وزلیخا کے مطابق ہونے کے باعث مقبول عام ہے۔

(۵)　مثنوی کے ترقیمہ میں کاتب نے شاعر کی شناخت ''محمد اکرم غنیمت عرف نرخی کنجاہی'' کے طور پر کی ہے۔ اس سے کم از کم یہ قیاس تو کیا جا سکتا ہے کہ کاتب ذاتی طور پر اس بات سے واقف تھا کہ یہ مثنوی کس شاعر کی ہے۔ اگرچہ مخطوطہ نویسی کی مشرقی روایت میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ کاتب حضرات کسی مصنف کی شہرت کی بنا پر اسی کے ہم نام گمنام یا کم معروف مصنف کی تصنیف کو مشہور مصنف کے نام منسوب کر دیتے ہیں اور یہ انتساب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عوام کے ذہن میں ایسا پختہ ہو جاتا ہے کہ کسی ثقہ محقق کی طرف سے اس کی تردید نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہوتی ہے[۳۴]۔

مثنوی گلزار محبت کا اجمالی تعارف:

یہ مثنوی بحر ہزج مسدس مقصور یا محذوف میں کہی گئی ہے یعنی اسی بحر میں جو جامی کی مثنوی یوسف و زلیخا یا غنیمت کی نیرنگ عشق کی ہے۔ یہ ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۸ء میں بعہد فرخ سیر اس وقت تصنیف ہوئی جو شاعر سودہرہ/ سوہدرہ میں برلب دریائے چناب تھے اور کسی عاشق مشرب فقیر نے ان سے یہ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ یہ قصہ کسی شعلہ زبان نے شاعر سے بیان کیا تھا اور کوئی عجب نہیں کہ سودہرہ/سوہدرہ ہی کا واقعہ ہو کیوں کہ یہ اشعار اسی جانب اشارہ کرتے ہیں:

کہ بامن گفت آتش داستانی
شرر تقریر، شعلہ ہمزبانی
کہ اینجا بود پیشانی طلسمی
الم بالیدۂ عشق، آہ جسمی
(ص ۳۵)

متن کے اشعار کی تعداد (۱۱۴۰) ہے اور عنوانات کے لئے دوسری بحر میں (۲۲) اشعار کہے گئے ہیں، اس طرح کل اشعار (۱۱۶۲) ہوئے[۳۵]۔ یہ ایک عشقیہ قصہ ہے جس میں قصے کے کرداروں کے نام نہیں لئے گئے اور محض ایک نوجوان (لڑکا/مرد) اور خوبصورت لڑکی کا ذکر ہے۔ لیکن شاعر نے مروجہ اسلوب کے مطابق اصل قصہ

بیان کرنے سے پہلے مناجات، حمد، نعت، رسول اکرم ﷺ، منقبت اعظم، مدح پیر طریقت، مدح فرخ سیر، عشق مجاز اور پنجاب کی تعریف لکھی ہے۔ اس کے بعد اصل قصہ بیان ہوا ہے۔

قصے کا خلاصہ:

محبت کا مارا ایک نوجوان لڑکا ایک ماہ رخسار لڑکی کو ایک نظر دیکھتے ہی اس پر عاشق ہو جاتا ہے اور اس کا داغِ جنون تازہ ہو جاتا ہے۔ لڑکی پردہ نشین ہے اور ماحول کے تقاضے کے پیش نظر دونوں کی برسرِ عام ملاقات نہیں ہو پاتی اور نہ ہی وہ اظہار محبت کر پاتے ہیں۔ آخر ایک عرصے کے بعد دونوں کی دوبارہ ملاقات ہوتی ہے اور لڑکے کی طرف سے اظہار محبت ہوتا ہے، لڑکی کچھ زیادہ التفات نہیں کرتی، لیکن جب عاشق کا نیاز بڑھتا ہی جاتا ہے تو لڑکی بھی دامِ محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے اور اپنا نقاب اتار کر اپنے عاشق کو اپنے پاس بلاتی ہے اور اسے بتاتی ہے کہ صرف تمہارا دل ہی شہید عشق نہیں ہوا بلکہ میری جان بھی تمہارے شوق سے زخمی ہے لیکن اسے نصیحت بھی کرتی ہے کہ فی الحال حیائے حسن کا پاس ادب رکھے اور محبت کا راز کسی طریقے سے بھی ظاہر نہ کرے۔ اب وہ دونوں عاشق و معشوق یکرنگ ہیں اور ان میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ لڑکا اس سے شادی کا فیصلہ کرتا ہے۔ لڑکے کی طرف سے خواستگاری (منگنی) کے لئے تحایف دے کر قاصد بھیجا جاتا ہے۔ قاصد لڑکی کے باپ سے ملتا ہے اور بڑی چرب زبانی اور قدرت کلامی سے مدعا بیان کرتا ہے۔ لڑکی کے گھر والے مان جاتے ہیں اور قاصد کو جوابی تحایف دے کر رخصت کیا جاتا ہے۔ قاصد لڑکے کے والد کو مبارک باد کا پیغام دیتا ہے۔ اب بارات جاتی ہے اور دونوں کی بڑی دھوم دھام سے شادی ہوتی ہے۔ لڑکی بیاہ کر سسرال کے گھر چلی آتی ہے۔ شب زفاف گزرتی ہے۔ اگلی صبح دونوں خمار شب دور کرنے کے لئے پانی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ دلہن تو گھر پر ہی نہا لیتی ہے لیکن دلہا نہانے کے لئے چشمے پر جاتا ہے اور وہیں (ڈوب کر؟) جاں بحق ہو جاتا ہے۔ دلہا کو دفن کر دیا جاتا ہے۔ دلہن بیوہ ہو کر غم کی تصویر بن جاتی ہے اور زندگی سے بیزار ہو جاتی ہے۔ اسے اب سسر، ساس، دایہ کی محبت بھی اچھی نہیں لگتی ہے۔ آہستہ آہستہ وہ سراپا جنون اور دیوانگی ہو جاتی ہے۔ ساتویں دن لڑکی کے قبیلے والے بہت سے تحایف لے کر اس کے سسرال پہنچتے ہیں اور سسرال والوں سے کہتے ہیں کہ اب یہ لڑکی اپنے گھر کا ہی چراغ بنی رہے تو مناسب ہے۔ سسرال والے اس کی اجازت دے دیتے ہیں۔ ناچار اسے ڈولی میں بٹھا کر واپس میکے بھیج دیا جاتا ہے۔ راستے میں کہار ایک فقیر کے تکیے پر ستانے کے لئے ڈولی زمین پر رکھتے ہیں۔ دلہن ڈولی کا پردہ سرکا کر باہر دیکھتی ہے تو اسے قبرستان میں ایک تازہ قبر نظر آتی ہے۔ دایہ سے پوچھتی ہے یہ قبر کس کی ہے؟ جب اسے پتا چلتا ہے کہ یہ اس کے محبوب شوہر کی قبر ہے تو اس کا کلیجہ منہ کو آجاتا ہے اور وہ ڈولی سے چھلانگ لگا دیتی ہے اور قبر کے پاس جاتی ہے۔ قبر شق ہو جاتی ہے اور دلہن اس میں کود جاتی ہے۔ قبر دوبارہ بند ہو جاتی ہے اور

شگاف کا نشان تک باقی نہیں رہتا۔ یہ خبر آگ کی طرح آبادی میں پھیل جاتی ہے۔ لوگ قبرستان پہنچتے ہیں اور قبر کشائی کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک ہی جسد ہے جس کا آدھا دھڑ مرد کا ہے اور آدھا عورت کا۔ سب حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔

اس کے بعد شاعر نے ایک واقعہ لکھا ہے جس کا کوئی تعلق قصے سے بنتا نظر نہیں آتا۔ واقعہ یہ ہے کہ کچھ روز بعد ایک اجنبی آدمی حاجت کے لئے دریا کی طرف جاتا ہے وہاں دیکھتا ہے کہ وہاں تین آدمی برہنہ تن ہو کر دریا میں نہا رہے ہیں، انہیں نہ کسی سے شرم ہے، نہ خدا کا خوف۔ اس شخص کو تعجب ہوا کہ یہ کیا حالت ہے، کیا یہاں (اس شہر میں) کوئی قاضی اور محتسب نہیں ہے؟ ان تین آدمیوں میں سے ایک، اپنی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ہی قاضی ہوں، بتاؤ کیا کام ہے؟ اس شخص نے کہا تمہیں دیکھنا ہی میرا مقصد تھا۔ یہاں قصہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد شاعر نے ایک خاتمہ لکھا ہے۔ جس میں مقام تصنیف، تاریخ تصنیف بیان کرنے کے علاوہ اصول شاعری سے اپنی ناواقفی کا اظہار کیا ہے اور ساتھ ہی کاتبوں سے شکایت کی ہے کہ کس طرح مصنف کے صحیح لکھے کو غلط کتابت کرتے ہیں۔ آخر میں شاعر نے خدا کے حضور دست بدعا ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگی ہے اور طلب مغفرت کی ہے۔

شاعر نے مثنوی میں اصل قصہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ضمنی طور پر کچھ مضامین پر اپنی قدرت کلام ظاہر کی ہے۔ جیسے قصے کے مرکزی کردار لڑکی کا سراپا بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حسین ڈھڈہ لاہوری کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ لڑکے کی طرف سے منگنی کے وقت لڑکی کو بھیجے جانے والے تحائف کی تفصیل۔ لڑکی کے شرم و حیا، عصمت اور نازک مزاجی کی تعریف، بارات کی جزئیات کے ساتھ منظر کشی جس میں لباسوں کے زعفرانی رنگ، گھوڑوں کی سبک رفتاری، رات کو مشعلیں جلانا، آتش بازی اور طوائفوں کے رقص کا بھی ذکر ہے۔ باراتیوں کو کھلائے جانے والے کھانوں کی تفصیل، دلہن کی آرائش و زیبائش کی جزئیات، دلہن کا دلہا کے پاس جا کر بیٹھنا، جہیز کے تمام سامان کی تفصیل اور تعریف، دلہن کو ڈولی میں بٹھانے کا منظر، دلہن کا سسرال کے گھر اترنے کا منظر، لڑکے کی موت کے بعد لڑکی جس طرح غم کی تصویر بنتی ہے اس کے سراپا کی منظر کشی کی ہے۔ یہاں شاعر کے فن شعر میں اعلیٰ مہارت کی داد دینا پڑتی ہے کہ اس نے پہلے اسی کردار کا سراپا حالت خوشی میں بیان کیا ہے اور غم کی حالت میں اس کا دوسرا رنگ دکھایا ہے۔

ایک قاری کی حیثیت سے مجھے اس مثنوی میں قصہ گوئی کے کچھ جھول نظر آتے ہیں۔ قصے کا ابتدائی حصہ بالکل سپاٹ اور معمولی ہے اور صرف قبر پھٹ جانے کے واقعہ سے اس میں تحیر پیدا کیا گیا ہے۔ قصے کے

مرکزی کرداروں کا نام بھی نہیں لیا گیا ہے، نہ ہی واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ واقعہ کہاں پیش آیا۔ شب زفاف کے بعد دلہا اور دلہن کا نہانے کا واقعہ، بالخصوص دلہا کا ڈوب کر مرنا سرسری اور پھیکے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ داستان کا نقطۂ کمال (climax) ہے جسے محض نو (۹) اشعار میں بھگتا دیا گیا ہے۔

پی دفع خمار آن سی ناب
یکا یك شد طلب آمادۂ آب
یکی در پردۂ چشم حیایی
چو مردم رفت در آب صفایی
دگر راهی به روشن چشمه ای جست
چو جوهر تن از آب آیینه ای شست
نظر ها از جمال آن دل افروز
فروغ مهر و مه دیدی شب و روز
ولی دل زخمی مشتاقِ مهجور
صباحت شد نمك بر ریش نامور
همی بود از شراب حسن در جام
دلش مخمور صهبای دگر کام
به خنده بود آنجا چون گل تر
چو شبنم دل به گریه جای دیگر
بیا ساقی که باشد غارت گل
ز دست انداز گلچین مرگ بلبل
نیارم دید مرگ عاشق زار
بده جامی که گردم مست یك بار

(ص ۸۴-۸۵)

گلزار محبت میں پنجاب کی فضا اور پنجاب کی ثقافت کے نمونے:

یہ مثنوی پنجاب کی فضا اور ماحول میں لکھی گئی ہے اور اس کے کئی حوالے اس میں موجود ہیں۔ اس میں پنجاب کے اہم رجال، مقامات، اقوام، طبقات اور پیشہ وروں کا ذکر ہے۔ کچھ رجال کو پنجاب کا نمائندہ بنا کر پیش

کیا ہے، جیسے اولیاء اللہ میں سے حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش، علمائے دین میں سے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، شاعروں میں سے سویدا (فارسی شاعر)، لطیفہ گوؤں میں سے ملا دو پیازہ، صوفیہ میں سے حسین ڈھڈہ لاہوری اور طبیبوں میں سے حکیم درویش ساکن کیلاس کے نام شامل ہیں۔

شاعر نے سودہرا کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور وہاں کے باغ ابراہیم خان اور دیگر بلند عمارتوں کی تعریف کی ہے۔ یہ مثنوی اسی شہر میں لکھی گئی ہے۔

اقوام، طبقات اور پیشہ وروں میں سادات، علما، شیخ، حفاظ، متولی، مغل، افغان، دبیر، خوش نویس، سبق خوان، کھیتی باڑی کرنے والے، قالین بُننے والے، چکن دوز، درزی، رفو کرنے والے، کاغذ بنانے والے، طبیب، معمار، کمان بنانے والے، درختوں کو پیوند لگانے والے، مصور، دُھنیا، تیلی، جولاہہ، دھوبی، رنگریز، حجام، سازندہ، موچی، اینٹیں بنانے والے، قصاب، روٹی پکانے والے، ترکھان، غلہ فروش اور ملاح شامل ہیں اور ان کی خصوصیات بتائی ہیں۔ ہم نے مثنوی کے آخر میں ان طبقات کا ایک علیحدہ اشاریہ دیا ہے۔

اس مثنوی میں پنجاب کی ثقافت اور معاشرتی زندگی کے حوالے سے شادی کی رسوم پر عمدہ معلومات دستیاب ہیں۔ مثلاً منگنی کی رسم، منگنی کی رسم پر جو تحایف دیے جاتے ہیں ان کی تفصیل، منگنی کے لئے قاصد کا بھجوانا، گھر والوں کا باہم مشورہ کرنا، تحایف کا کھولنا، خواست گاری (منگنی) کا قبول ہونا، جشن شادی، آتش بازی، چراغاں، مجلس رقص، بارات کی آمد اور استقبال، بارات کا کھانا اور کھانوں کی قسمیں، دلہن کی آرایش و زیبائش، جہیز کا سامان، دلہن (ڈولی) کی روانگی کا منظر، بیٹی کے رخصت ہونے پر گھر کے اداس ماحول کی منظر کشی، دلہن کا ڈولی سے باہر نکلنا اور نئے گھر میں قدم رکھنا اور خلوت خانہ۔ ہم نے مثنوی کے آخر میں ان ثقافتی نمونوں کا بھی ایک اشاریہ دیا ہے۔

گلزار محبت اور نیرنگ عشق کا موازنہ:

صرف نظر اس سے کہ نیرنگ عشق اور گلزار محبت دونوں مثنویاں پنجاب کے ماحول میں لکھی گئی ہیں، ان میں موازنہ کرنے سے ان کی ساخت و پرداخت میں بھی بعض مقامات پر دلچسپ یکسانیت پائی جاتی ہے مثلاً دونوں مثنویوں میں اصل قصہ بیان ہونے سے پہلے مناجات، حمد، نعت، منقبت غوث اعظم، مدح پیر، پادشاہ وقت کا قصیدہ اور پنجاب کی تعریف کی گئی ہے۔ دونوں مثنویوں میں ہر عنوان کے دو اختتامی شعروں کا مضمون ایک سا ہے یعنی شاعر اس میں ساقی کو مخاطب کر کے اس سے جام طلب کرتا ہے۔ یہ دونوں اشعار دونوں مثنویوں میں ایک طرح سے گریز کی حالت رکھتے ہیں اور اپنے مابعد عنوان/مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً منقبت غوث اعظم لکھنے کے بعد جب گریز کر کے مدح مرشد لکھنا چاہتے ہیں تو اس طرح کے اشعار لاتے ہیں:

نیرنگ عشق:

بیا ساقی بده تا خط بغداد
شراب روح عشق و جان ارشاد
حدیث مرشد آمد دلپذیرم
به جام باده ای شو دستگیرم

(ص۴)

گلزار محبت:

بیا ساقی بده از بزم عرفان
می روشن چراغ افروزِ ایمان
ز مدح پیر تا سرخوش زنم دم
مرید عاقبت محبوب باشم

(ص۱۱۶)

بادشاہ وقت کی تعریف کرنے کے لئے۔

نیرنگ عشق:

بیا ساقی بیا ای من مریدت
بده جامی که خواهم شد شهیدت
مگر از مدحت ظل الهی
کنم در ملك معنی بادشاهی

(ص۵)

گلزار محبت:

بیا ساقی به رشد بی حجابی
بر آر از ابر شیشه آفتابی
مگر از پرتو عکسش برم راه
به مدحت پردهٔ شان شهنشاه

(ص۲۰)

دونوں مثنویوں میں چند ایک مقامات پر جامی کی یوسف و زلیخا کے اشعار سے تضمین کی گئی ہے[۳۶]۔
بعض مقامات پر دونوں مثنویوں کی اصطلاحات اور مضامین بھی مشترک ہیں، مثلاً:
نیرنگ عشق:

کرامت کن کرم مضمون براتی
کہ یابم از کف عصیان نجاتی
(ص۲)

گلزار محبت:

ز مہر چار یارش دہ براتی
کہ در محشر برم نقد نجاتی
(ص۱۰۶)

نیرنگ عشق میں نعتیہ شعر:

پناہ امتا، عاجز نوازا
جہان را جان و جان را چارہ سازا
(ص۳)

گلزار محبت:

جہان رحمتا، مجرم نوازا
قیامت دستگیرا، چارہ سازا
(ص۱۰)

عشق مجازی کے باب میں۔
نیرنگ عشق:

الا ای عاشق رسوایی خویش
خراب طرز بی پروایی خویش
(ص۷)

گلزار محبت:

الا ای تشنۂ خون ریزی خویش
هلاك طرز کرد انگیزی خویش
(ص ۲۵)

عشق مجازی ہی کے باب میں یہ شعر:

نیرنگ عشق:

مجاز آیینه دار روی معنی است
سر این جاده هم در کوی معنی است
(ص ۷)

گلزار محبت:

حقیقی و مجازی مشكِ يك بوست
که صورت مغز ، معنی را بود پوست
ز عشق صورت تا حب معانی
نظر گاه تفاوت در میان نی
(ص ۲۶)

گلزار محبت اور رقعات غنیمت کے بعض اشتراکات:

گلزار محبت میں شاعر نے حمدیہ اشعار میں تلویحاً فارسی کے چند معروف شعراء کا نام لیا ہے، وہاں تجلی کے دیوان کا ذکر بھی کیا ہے:

نمود از مصرع نورانی برق
چو دیوان تجلی غرب تا شرق

غنیمت نے اپنے رقعات میں ذکر کیا ہے کہ ان کے پاس دیوان تجلی کا نسخہ تھا جو ان کے کسی دوست نے نقل کرنے کے لئے لیا لیکن دو سال تک دبائے رکھا اور واپس نہ کیا اور اس کی واپسی کا سخت الفاظ میں تقاضا کیا۔ ہم یہاں صرف متعلقہ عبارت لکھتے ہیں:

"بررای روشن پر تو افگن خواهد بود که اجزای اشعار تجلی برای نقل گرفته بودند"(۲۷)

مثنوی کے خاتمے پر شاعر نے کم سواد کاتب حضرت کی ہجو لکھی ہے کہ وہ کس طرح مصنف کے صحیح لکھے کو غلط بنا دیتے ہیں۔ کتابت کی اصطلاح میں حروف کی مشابہت سے دھوکہ کھا کر لفظوں کے مقام کو بدل کر کوئی دوسرا مفہوم پیدا کر لینے کے عمل کو ''تصحیف'' کہتے ہیں۔ شاعر کو اندیشہ ہے کہ کاتب اس نئی مثنوی میں تصحیف کرے گا۔ شاعر نے تفنن طبع کے لئے تصحیف کی کچھ عمدہ مثالیں پیش کی ہیں کہ کاتب، شاعر کے منشا کو کس طرح اپنے منشا میں الٹ دے گا۔ غنیمت نے اپنے ایک طویل رقعہ میں کسی کاتب کی انھی حرکات پر طنز کی ہے۔ کسی دوست نے غنیمت کے پاس نثر ملا طغرا کا نسخہ لکھوا کر مقابلہ کے لئے بھیجا۔ جب غنیمت نے اسے اپنے نسخے سے مقابلہ کیا تو پتا چلا حضرت کاتب نثر اور نظم کی تمیز نہیں رکھتے اور اچھی بھلی ''نثر طغرا'' کو ''دیوان ناظم'' میں بدل دیا ہے[۳۸]۔ غنیمت نے یہاں مزے لے لے کر بتایا ہے کہ کاتب نے ہر حرف تہجی کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔

گلزار محبت میں کچھ اشارے ایسے ہیں کہ ذہن اس طرف جاتا ہے کہ شاعر ناصر علی سرہندی اور اس کی مثنوی نقاش وصورت سے بھی متاثر ہے۔ گلزار محبت میں حسب ذیل اشارات بے محل نہیں ہیں:

علی تیغ زبان را کرده دم تیز
ازین معنی به بیتی شد گهر ریز
به هم حسن و محبت توامان اند
ز یك زخم جدایی در فغان اند

(ص ۴۴)

به نقش مهر او بیتاب بنشست
چو نقاشی که ناصر قصه اش گفت

(ص ۹۹)

نقاش وصورت اور گلزار محبت دونوں کا وزن ایک ہے، دونوں کے عنوانات منظوم ہیں جو متن سے الگ وزن میں ہیں۔ نقاش وصورت میں کسی مضمون کے خاتمے پر ناصر علی بھی ساقی کو مخاطب کر کے جام طلب کرتے ہوئے نئے مضمون کی طرف گریز کرتا ہے۔ میرے سامنے اس وقت کتب خانہ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد میں موجود نقاش وصورت کا مخطوطہ (نمبر ۸۷۳۵) ہے، یہ چند اشارات اسی کو دیکھ کر لکھے گئے ہیں۔ یہ نسخہ ناقص ہے۔ مکمل نسخہ پیش نظر ہونے کی صورت میں گلزار محبت اور نقاش وصورت کا ایک تفصیلی تقابلی جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ دیوان غنیمت میں بھی ناصر علی سرہندی کا تتبع موجود ہے اور پروفیسر غلام ربانی عزیز نے اس کا ایک جائزہ لیا ہے[۳۹]۔

گلزار محبت میں جامی اور ناصر علی پر تضمینات کے علاوہ عربی شاعری پر بھی تضمینیں کی گئی ہیں۔ قصیدہ غوثیہ کے اشعار کے علاوہ (ص۱۳، ۱۶) شاعر نے کچھ اور عربی ابیات، مصرعے یا ٹکڑے بھی اپنی مثنوی میں شامل کیے ہیں (ص ۶۵، ۸۲، ۱۰۶)۔ قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے ماخوذ مضامین کا استعمال الگ ہے (ص۷، ۵۹، ۸۲، ۱۰۶)۔ یہ سب باتیں اس پر شاہد ہیں کہ گلزار محبت کا شاعر دینی روایت کے ساتھ ساتھ شعری روایت سے بھی اچھی طرح واقف ہے اور عربی و فارسی ادب کا مطالعہ رکھتا ہے۔

زبان کی خصوصیات:

اس مثنوی میں بعض نادر الفاظ یا افعال کا مخصوص استعمال ہوا ہے، جیسے:

آوریدن:

قدیم فارسی میں آوردن کے ساتھ ساتھ آوریدن کا فعل بھی مستعمل رہا ہے لیکن شاذ غنیمت نے اسے استعمال کیا ہے:

بہ حق صحبت دیرین رسیدند
سریرش تا بہ تربت آوریدند
(ص۸۹)

طوائف:

طوائف (طائفہ کی جمع) کا لفظ عربی اور فارسی میں ''لوگوں کی جماعت'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن اردو اور برصغیر کے ماحول میں طوائف ''ناچنے والی عورت'' کو کہتے ہیں۔ فارسی میں اس کا یہ مفہوم کہیں پڑھنے کو نہیں ملا۔ میں نے احتیاطاً فرہنگ انندراج اور بہار عجم بھی دیکھ لی ہیں، وہاں یہ لفظ رقاصہ کے مفہوم میں نہیں ہے۔ غنیمت نے اسے برصغیر میں رائج مفہوم کے مطابق استعمال کیا ہے اور شاید یہ اس کی کمیاب مثال ہے:

بہ رقص آمد طوایف در طوایف
ظریف اقوال یعنی پُر ظرایف
(ص۶۸)

صدا برداشت کرنا با کر و فر
بہ رقص آمد طوایف بار دیگر
(ص۸۰)

گـه رقـص از طـوایف جـای تـی تـی
هـمـی آمـد بـرون آواز هـی هـی

(ص ۸۲)

نوشتن:

قدیم فارسی متون (مثلاً سند بادنامہ) میں نوشتن (واو فتحہ کے ساتھ)، راستہ طے کرنے کے مفہوم میں استعمال ہوتا رہا ہے، لیکن نوشتن (واو کسرہ کے ساتھ، لکھنا کے مفہوم میں) کے ساتھ تجانس کے باعث مصنفین نے راستہ طے کرنے کے مفہوم کو بیان کرنے کے لئے نوردن یا نوردیدن کے استعمال کو ترجیح دی ہے۔ غنیمت نے نوشتن کا استعمال دو مقام پر کیا ہے۔

بـه یك دیـدن ز خـود آواره گشتم
ره بیتـابـی انـدر مـه نـوشتم

(ص ۴۲)

نـوشتنـدی بـه پـای خـوشدلـی راه
کـواکـب ریـختنـدی بر سر مـاه

(ص ۸۰)

یارستن:

فارسی مصدر ''یارستن'' ہوسکنا/کرسکنا، ہمت رکھنا اور جرأت کرنے کے مفہوم میں ہے جو اب فارسی میں کم ہی استعمال ہوتا ہے، البتہ اردو میں اس مصدر سے ماخوذ ایک لفظ ''یارا رکھنا'' یعنی ہمت رکھنا اب بھی استعمال ہوتا ہے۔ غنیمت نے اسے اسی مفہوم میں چند بار استعمال کیا ہے، یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے:

نیـارم دیـد مـرگ عـاشـق زار
بده جـامـی کـه گردم مست یکبار

(ص ۸۵)

کچھ تصحیح و تدوین کے بارے میں:

اس مثنوی کو علمی معیار کے مطابق شائع کرنے کے لئے جو اہتمام کیا گیا ہے اس کا اجمال یہ ہے:

(الف)　مثنوی کے واحد قلمی نسخہ کا عکس چھاپا جا رہا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ نسخہ آیندہ کے لئے محفوظ ہو جائے

گا بلکہ اس مثنوی کے وجود پر سند کا کام بھی دیتا رہے گا۔ نیز قارئین اور محققین کو ہمارے مرتبہ متن سے تقابل کا موقع بھی ملے گا اور جو مقامات ہنوز حل طلب ہیں، امید ہے دیگر محققین انہیں اس عکس کی مدد سے حل کر لیں گے۔

(ب)　فارسی متن کی تصحیح کی گئی ہے۔ تصحیح سے مراد یہاں قلمی نسخہ کے کاتب کی غلطیوں کی درستی ہے، جسے پرانے املاء یا نسخے کے املاء سے مروجہ (ایرانی فارسی) املاء میں بدلا گیا ہے۔ جہاں کوشش کے باوجود لفظ صحیح طور پر نہیں پڑھا جا سکا یا جیسا پڑھا ہے اس سے کوئی بلیغ مفہوم سامنے نہیں آتا، ایسے مقامات پر ''کذا'' لکھ دیا ہے یا سوالیہ نشان (؟) ڈالا ہے۔

(ج)　ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے جس میں غنیمت کی دستیاب تصانیف پر ایک نظر گلزار محبت کا مفصل تعارف اور اس سلسلہ میں کچھ متنازعہ آراء پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

(د)　آخر میں متنوع قسم کی اشاریہ سازی کی گئی ہے جس سے اس مثنوی سے ضمنی طور پر حاصل ہونے والے ثقافتی، ادبی اور معاشرتی فوائد کی طرف راہنمائی ہوتی ہے۔

حواشی

(۱)　مثال کے طور پر ان تذکرہ نویسوں نے غنیمت کی مثنوی نیرنگ عشق کا تذکرہ کیا ہے: محمد افضل سرخوش، کلمات الشعراء (عرصۂ تصنیف: ۱۰۹۳۔۱۱۱۵ھ/۱۶۸۲-۱۷۰۳ء)، لاہور، ۱۹۴۳ء، ص۸۲؛ کشن چند اخلاص، ہمیشہ بہار (سال تصنیف: ۱۱۳۶ھ/۲۴-۱۷۲۳ء)، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۶۸ء، ص۱۸۲؛ سراج الدین علی خان آرزو، مجمع النفائس (سال تصنیف: ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء)، مرتبہ ڈاکٹر مہر نور محمد خان، اسلام آباد ۲۰۰۶ء، ج۲، ص۱۱۷۲؛ احمد علی ہاشمی سندیلوی، مخزن الغرائب (سال تصنیف: ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء)، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ج ۴، ص۲۴۷؛ حسین علی خان عشق عظیم آبادی، نشتر عشق (سال تصنیف: ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء)، دوشنبہ، ۱۹۸۳ء، ص۱۱۱۴؛ میر حسین دوست سنبھلی، تذکرۂ حسینی، مطبع نول کشور، لکھنو، ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء، ص۲۳۰؛ فارسی ادب کی حسب ذیل معروف کتب تاریخ میں غنیمت کا ذکر ملتا ہے: اکرام الحق، شیخ، شعر العجم فی الہند، ملتان، ۱۹۶۱ء، ۱۷۹۔۲۰۰؛ توفیق ہ۔ سبحانی: نگاہی بہ تاریخ ادب فارسی در ہند، تہران، ۱۳۷۷ش، ص ۵۴۷-۵۴۸؛ ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات در ایران، تہران، ۱۳۶۴شمسی، ج۵، ح۲، ص۱۴۱۲؛ ظہور الدین احمد، پاکستان میں فارسی ادب، لاہور، ۱۹۷۷ء، ج ۳، ص۱۰۔۳۲؛ نور الحسن انصاری، فارسی ادب بعہد اورنگ زیب، دہلی، ۱۹۶۹ء، ص ۵۳۔۶۲؛ اسلام اور فارسی ادب کے معیاری انسائیکلوپیڈیاؤں میں بھی غنیمت پر مقالات چھاپے گئے ہیں اور اس مثنوی پر خصوصی طور سے تبصرہ کیا گیا ہے۔ جیسے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لائیڈن) میں ایرانی محقق سعید نفیسی کا مقالہ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ (لاہور) میں ڈاکٹر محمد باقر کا مقالہ اور انسائیکلوپیڈیا ایرانیکا (نیویارک) میں راقم السطور (عارف نوشاہی) کا مقالہ۔ صادق علی دلاوری نے ''غنیمت کنجاہی'' عنوان سے جو تحقیقی مقالہ لکھا (اورینٹل کالج میگزین، لاہور، جلد ۱۸، عدد ۳، مسلسل عدد ۶۹، بابت مئی ۱۹۴۲ء، صفحات ۱۴۔۳۷) اس میں بھی نیرنگ عشق پر خصوصی تبصرہ موجود ہے۔

یہاں ایک اور خاص مضمون کا ذکر بھی ضروری ہے جو نیرنگ عشق کے بارے میں آکسفورڈ سے چھپا ہے:

Shackle, Christopher, "Persian Poetry and Qadiri Sufism in late Mughal India: Ghanimat Kunjahi and his mathnawi Nayrang-i-Ishq" In: The Heritage of Sufism: III. Late Classical Persianate Sufism (1501-1750). Oxford: Oneworld Publications, (1999), pp.435-463.

اس مثنوی کے متعدد قلمی نسخے ملتے ہیں۔ پاکستانی کتب خانوں میں موجود ۲۷ قلمی نسخوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ج ۸، ص ۱۰۱۷-۱۰۲۴۔

(۲) عارف نوشاہی، کتابشناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ، تہران (زیر طبع)؛ عارف نوشاہی، فہرست کتابہای فارسی چاپ سنگی و کمیاب کتابخانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، شائع کردہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ج ۱، ص ۲۱۷؛ نیز: (۱۹۸۹ء) ج ۲، ص ۱۲۶۳، اس ایک کتب خانے میں نیرنگ عشق کے نو مختلف ایڈیشن موجود ہیں۔

(۳) پاکستانی کتب خانوں میں موجود دیوان غنیمت کے ۸ قلمی نسخوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، ج ۸، ص ۱۰۱۶-۱۰۱۷، ان میں ۵ نسخے قدیم اور ۳ نسخے جدید ہیں۔ ان میں سید نور محمد قادری مرحوم، چک ۱۵ شمالی، ضلع منڈی بہاؤ الدین کا مملوکہ وہ نسخہ شامل نہیں ہے جس کا تعارف انہوں نے اپنے مندرجہ ذیل دو مضامین میں کروایا ہے:

(۱) ''دیوان غنیمت کے ایک مخطوطے کا تعارف''، سہ ماہی فنون، لاہور، اپریل-مئی ۱۹۷۵ء

(۲) ''دیوان غنیمت کا ایک نادر مخطوطہ''، ماہ نامہ نقوش، لاہور، سالنامہ، جون ۱۹۸۵ء

اس وقت یہ نسخہ سید نور محمد قادری کے صاحبزادہ، سید محمد عبداللہ قادری، مقیم واہ چھاونی کے پاس ہے۔ ۲۰۰۶ء میں راقم السطور نے ان کے پاس دیکھا تھا اور اچھی حالت میں تھا۔

(۴) عارف نوشاہی، فہرست کتابہای فارسی چاپ سنگی و کمیاب کتابخانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ج ۱، ص ۸۰۲-۸۰۳؛ ج ۲، ص ۱۲۹۳۔

(۵) مناظراتی ادب فارسی میں اور خاص طور پر برصغیر میں عام رہا ہے۔ پنجاب ہی کے ملا ابوالبرکات منیر لاہوری (م: ۱۰۱۹/۱۰۵۴ھ) نے اس طرح کے کئی ادبی مناظرے تحریر کیے ہیں۔ جیسے مناظرۂ چہار عنصر (آتش و باد و آب و خاک)، مناظرۂ روز و شب، مناظرۂ تیغ و قلم، مناظرۂ قلم و سخن، مناظرۂ بنگ و کوکنار (منظوم)۔ دیکھئے: سید محمد فرید، ''مناظرات ابوالبرکات منیر لاہوری'' سفینہ، نشریہ گروہ زبان و ادبیات فارسی، دانشکدہ خاور شناسی، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ج ۱، ش ۱، س ۱۳۸۲ش (۲۰۰۳ء)، ص ۱۳۸-۱۶۳، اس مضمون میں مناظرۂ چہار عنصر، مناظرۂ روز و شب، مناظرۂ تیغ و قلم اور مناظرۂ بنگ و کوکنار (منظوم) کا متن بھی شامل ہے۔ ایرانی محقق ڈاکٹر نصراللہ پور جوادی نے فارسی ادب اور تصوف میں بے جان اشیاء کے درمیان باہمی مکالموں پر جسے وہ ''زبان حال'' کا نام دیتے ہیں، بہت عمدہ تحقیق کی ہے۔ دیکھئے

ان کی کتاب زبان حال در عرفان و ادبیات فارسی، انتشارات ہرمس، تہران ۱۳۸۵ش/۲۰۰۶ء۔

(۶) دیوان غنیمت پیش لفظ، صفحہ "ب"۔

(۷) نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد کے ذخیرۂ مفتی کی ایک قلمی بیاض (نمبر ادب: 235) میں ورق ۴۰ب تا ۴۶ب "منشآت غنیمت کنجاہی" کے تحت غنیمت کے رقعات نقل ہوئے ہیں۔ میں نے ان رقعات کا سید شرافت نوشاہی ایڈیشن سے تقابل کیا ہے۔ اسلام آباد کے نسخے میں کچھ اضافی رقعات ہیں۔

(۸) سید شرافت نوشاہی نے تذکرۂ شعرائے نوشاہیہ، ترتیب و تدوین و تکمیل عارف نوشاہی، اورینٹل پبلی کیشنز پاکستان، لاہور، ۲۰۰۷ء، صفحات ۵۵۰-۵۵۷ میں غنیمت کے حالات کے ضمن میں بھی اس مثنوی کا ذکر کیا ہے اور اس سے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

(۹) سید ابوالکمال غلام رسول برق نوشاہی (م: ۱۹۸۵ء) نے بھی یہ نسخہ دیکھا تھا۔ نسخہ کے شروع میں ان کے سوادِ تحریر میں اس کے بارے میں ایک صفحے کا نوٹ ہے جس پر ۳-اپریل ۱۹۷۳ء کی تاریخ درج ہے۔ برق صاحب نے اپنی کتاب نوشاہی شعرا، طبع لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۵۹ میں غنیمت کے حالات کے ضمن میں اس مثنوی کو انہی کی تصنیف شمار کیا ہے۔

(۱۰) ہرمن ایتھے نے انڈیا آفس لندن میں ایک ساقی نامہ کو غنیمت کے ایک قلمی دیوان (نمبر ۱۶۵۲) کے ساتھ مجلد ہونے کی وجہ سے غنیمت کی تصنیف قرار دیا ہے۔ بعد میں غنیمت کے سوانح نگاروں نے اسے بھی غنیمت کی تصانیف کی فہرست میں شامل کر لیا جیسے: شرافت نوشاہی، العلم، ۳۶۰ (غلطی سے نسخے کا مقام برٹش میوزیم اور ناقل کا نام ریو لکھا ہے)؛ گوہر نوشاہی، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۶۱ء؛ ظہور الدین احمد، پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ، ج ۳، ص ۱۳۔ ایتھے نے اس ساقی نامہ کا جو مطلع نقل کیا ہے وہ ناصر علی سرہندی کے ساقی نامہ سے ملتا ہے۔ (احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان، ج ۸، ص ۱۹۸۱) اور اس کا جو مقطع لکھا ہے اس سے شاعر کا تخلص "نگہت" معلوم ہوتا ہے:

چہ حاصل نگہت از طول کلام است
تمام است و تمام است و تمام است

اگر لندن کا نسخہ سامنے ہوتا تو اسے ناصر علی سرہندی کے ساقی نامہ کے کسی اور نسخہ سے ملا کر کسی حتمی نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے۔ احقر کے خیال میں فی الحال اسے غنیمت کی تصانیف کی فہرست میں شامل نہیں کیا جانا چاہیے۔

(۱۱) شریف کنجاہی نے نرخی اور فرخی دونوں عرف لکھے ہیں لیکن فرخ سیر کی رعایت سے "فرخی" کو ترجیح دی ہے۔ فنون، محولہ بالا، ص ۱۱۳؛ ڈاکٹر قریشی احمد حسین قلعداری صاحب بھی مثنوی گلزار محبت دیکھ چکے ہیں۔ میں نے ان سے ایک ملاقات (۲ دسمبر ۲۰۰۷ء) میں نے پوچھا کہ یہ "نرخی" عرف کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ مغلوں کے زمانے میں دو عہدے ہوا کرتے تھے۔ ایک "مفتی" جو افتاء کا کام کرتا اور ایک "نرخی" جو اشیاء کے نرخ تعین کرتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ڈاکٹر قلعداری سے جو گفتگو ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس مثنوی کے مصنف کے سلسلے میں شریف کنجاہی مرحوم کے موقف کی تائید کرتے ہیں اور گلزار محبت کو نیرنگ عشق کے مصنف غنیمت کی بجائے کسی دوسرے غنیمت کی تصنیف سمجھتے ہیں۔

(۱۲) العلم، محولہ بالا، ص ۳۳۔

(۱۳) فنون، محولہ بالا، ص ۱۱۳۔

(۱۴) شریف التواریخ، ج ۳، ح ۲، ص ۳۰۸، ۳۱۵، العلم، ص ۲۷، ۲۸۔

(۱۵) فنون، محولہ بالا، ص ۱۱۴؛ شریف کنجاہی نے اپنے ایک دوسرے مضمون ''رقعات غنیمت کنجاہی پر ایک نظر'' فنون، لاہور، ج ۱۸، ش ۵، ۶، اپریل، مئی ۱۹۷۴ء، ص ۳۳-۴۲ میں بھی انہی خیالات کا اظہار کیا ہے کہ غنیمت دو تھے اور نیرنگ عشق والا غنیمت کنجاہ کا رہنے والا نہیں تھا۔

(۱۶) پاکستان میں فارسی ادب، ادارۂ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۷۷ء، ج ۳ ص ۱۴۔

(۱۷) دیکھیے ان کا مضمون ''غنیمت کنجاہی''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، مئی ۱۹۴۲ء۔

(۱۸) دیکھیے شریف التواریخ، ج ۳، ح ۲، ص ۲۷۲-۲۷۸۔

(۱۹) دیکھیے ان کا مضمون ''غنیمت کا وطن''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۴۳ء۔

(۲۰) فنون، محولہ بالا، ص ۱۱۴۔

(۲۱) احسان فیصل کنجاہی، رستم عباس میر، فصیح اللہ جرال (مرتبین)، اجالے ان کی یادوں کے، المیر ٹرسٹ لائبریری و مرکز تحقیق و تالیف، گجرات، ۲۰۰۷ء، ص ۱۵۶۔

(۲۲) ثواقب المناقب، نسخۂ الف، کتب خانہ سید شرافت نوشاہی، ساہن پال شریف، ص ۱۴۲-۱۴۳۔

(۲۳) شریف التواریخ، ج ۳، ح ۳، ص ۸۶-۸۷۔

(۲۴) ثواقب المناقب، نسخہ الف، ص ۱۴۸۔

(۲۵) شریف التواریخ، ج ۳، ح ۲، ص ۳۰۷؛ العلم، محولہ بالا، ص ۲۶۔

(۲۶) نیرنگ عشق، بہ اہتمام غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکادمی، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۵۔

(۲۷) احوال و مقامات نوشہ گنج بخش، بہ تصحیح و مقابلہ و مقدمہ عارف نوشاہی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء، ص ۸۱۔

(۲۸) در سنۂ یک ہزار و یک صد ہفت ہجری بہ عہد سلطنت شاہ اورنگ عالمگیر...... این مسودہ را بہ عبارت سہل و سادہ در قید کتابت آوردم، ص ۱-۲۔

(۲۹) شریف التواریخ، ج ۳، ح ۱، ص ۲۴۷۔

(۳۰) ''غنیمت کا وطن'' اورینٹل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۴۳ء، ۲۸-۲۹؛ یہی اشعار ان کے مضمون ''غنیمت کنجاہی'' اورینٹل کالج میگزین، لاہور، مئی ۱۹۴۲ء، ص ۱۸ میں بھی درج ہوئے ہیں لیکن وہاں بیاض کا حوالہ واضح نہیں ہے اور منقولہ اشعار کا پہلا مصرعہ ''چو شد آں حق خلیل عشق ثابت'' لکھا ہے۔

(۳۱) تذکرۂ شعرائے نوشاہیہ، ص ۵۵۶۔

(۳۲) برصغیر میں فارسی زبان و ادب کے ہزار سالہ تہذیبی دور میں اگر ''معین'' تخلص کا فارسی دیوان، خواجہ معین الدین چشتی، اور

''قطب''، تخلص والے شاعر کا فارسی دیوان، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی طرف منسوب ہو کر مکرر چھپتا رہتا ہے اور خوش عقیدت لوگ اسے تسلیم بھی کرتے ہیں تو یہ بات قابل فہم ہے، لیکن اس کا کیا کیجئے کہ پاک و ہند کے ناشروں نے منصور حلاج اور شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کے نام سے ان کے فارسی دواوین بھی چھاپے ہیں جنھیں لوگ عقیدت سے بوسہ دیتے ہیں! کوئی اُن سے یہ تو پوچھے کہ ان بزرگوں کی زبان کیا تھی؟ اور کیا ان سے منسوب دواوین کے طرز بیان، اسلوب اور زبان کی قدامت سے ان کی عقیدت پر مہر تایید ثبت ہوتی ہے؟ افسوس کہ حافظ محمود شیرانی نے خواجہ معین الدین چشتی اور ڈاکٹر وحید قریشی نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے منسوب فارسی کلام کی تردید میں جو آواز اٹھائی تھی اس پر کورانہ تقلید کرنے والے کان نہیں دھرتے۔

(۳۳) ثواقب المناقب، ص ۱۲۳۔

(۳۴) شریف التواریخ، ج ۳، ح ۱، ص ۲۶۵۔

(۳۵) شریف التواریخ، ج ۳، ح ۱، ص ۲۴۷؛ ج ۳، ح ۲، ص ۳۱۵ میں اشعار کی تعداد پانچ سو اکانوے (۵۹۱) بتائی گئی ہے، نسخے میں دو شعر کاتب نے مکرر درج کئے ہیں، انہیں نکال کر صحیح تعداد وہی ہے جو میں نے لکھی ہے۔

(۳۶) یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا کی مثنوی معنوی، سعدی کی بوستان اور دیوان حافظ کے علاوہ، برصغیر سے باہر کی جس فارسی شعری تخلیق نے اہل برصغیر بالخصوص اہل پنجاب کو بہت زیادہ متاثر کیا وہ مولانا جامی کی عشقیہ مثنوی یوسف و زلیخا ہے جو یہاں کے دینی مدارس میں بھی پڑھائی جاتی رہی اور اس کی تقلید میں کئی فارسی اور پنجابی مثنویاں بھی لکھی گئیں۔ برصغیر اور پنجاب میں یوسف و زلیخاے جامی کی یہ غیر معمولی مقبولیت بجائے خود ایک الگ تحقیقی مقالے کی متقاضی ہے۔

(۳۷) رقعات غنیمت کنجاہی، مرتبہ سید شرافت نوشاہی، مشمولہ صحیفہ، لاہور، جنوری ۱۹۷۳ء، رقعۂ ششم، ص ۹۔

(۳۸) ایضاً، رقعۂ ہفتم، ص ۹-۱۱۔

(۳۹) دیوان غنیمت، پیش لفظ، کط - لہ؛ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لائیڈن) کے مقالہ نگار E.Berthels نے ''ناصر علی سرہندی'' پر اپنے مقالہ میں واضح طور پر اس کی تاریخ وفات ۶ رمضان ۱۰۰۸ھ لکھی ہے۔ پروفیسر غلام ربانی عزیز کو غض بصر ہوا اور انہوں نے اسے ناصر علی کی تاریخ پیدائش قرار دیا اور اس سے الجھن کا شکار ہو گئے اور غنیمت اور ناصر علی کی باہمی تقدم زمانی کی ایک لاحاصل بحث چھیڑ دی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ناصر علی کو غنیمت پر زمانی فوقیت حاصل ہے اور غنیمت کا ناصر علی سے متاثر ہونا زمانی اعتبار سے کوئی اشکال نہیں رکھتا۔

حصہ سوم

انتخابِ کلام

- انتخاب غزلیات
- انتخاب از مثنوی نیرنگ عشق
- انتخاب از مثنوی گلزار محبت

انتخاب غزلیات

تا شد حدیث عارض جانان بیان ما
باشد به رنگ غنچه زبان در دهان ما
از مهر اگر به تربت ما پرتو افگند
یاد از هلال عید دهد استخوان ما
قربان ناز گوشهٔ ابروی کیستم؟
عنقا شد است زاغ کمان در زمان ما
از بسکه حرف زلف تو بسیار گفته ام
زنجیر شد چو شمع سخن بر زبان ما
ما بلبلان ز شوق گلی آب گشته ایم
یك چشم گریه ناك بود آشیان ما
باید به رنگ لاله و گل کرد یك نظر
آتش زد است گوش چمن را فغان ما
خود را به یاد خاك درش سجده می کنم
بیجا نرفته است غنیمت گمان ما

بسکه مست آمده صیاد ستم پیشهٔ ما
همسر گردن میناست نی بیشهٔ ما
هر نیاز آینهٔ جلوهٔ ناز دگراست
بسکه لبریز خیالت شده اندیشهٔ ما
زاهد این روی ترش گر به خرابات رود
سرکه رنگی بشود پیرهن شیشهٔ ما

نخل صحرای جنونیم ز بی تابی خویش
در فغان است چو زنجیر رگ و ریشهٔ ما
اندران سوخته کهسار که ما کوه کنیم
چشمه ای نیست به جز آب دم تیشهٔ ما
در نظر نیست غنیمت به جز از طفل سرشك
دل بر زنگ زدای دل غم پیشهٔ ما

ای شیفتهٔ طرز خرام تو اداها
حیران رخ آیینه سوز تو صفاها
تا حوصله کیست ز کوی تو بر آید
چون نقش قدم قوت پا مانده به جاها
تا بود نهان همچو شب قدر خط یار
نشنید غرورش ز کسی عرض دعا ها
از نغمهٔ عشاق رهت بر سر زهاد
در چرخ در آیند چو افلاك رداها
در راه محبت سروپا فرق ندارد
گردیدن سرها شده پیچیدن پاها
از چهره عشاق تو تا رنگ نریزند
در شهر محبت نشود طرح بناها
در گوش من آن چشم سیه گفت غنیمت
بیمار محبت نبرد نام دواها

ای حمد تو آراسته گلزار سخن ها
لبریز زبان ساخته چون غنچه دهنها

ای ریخته یاقوت لبت خون یمن ها
آوارهٔ بوی سر زلف تو ختن ها
بی جلوهٔ نیرنگی حسن تو کند درد
گوش فلك از نالهٔ طاؤس چمن ها
هر روز شهیدان تمنای تو چون صبح
در چشمهٔ خورشید بگیرند کفن ها
تا مهر تو کردند چراغ دل عشاق
شد شام غریبان به نظر صبح وطن ها
جمعی که پریشان سر زلف مجازاند
بستند دل خویش غنیمت به رسن ها

حدیث اهل محبت فسانهٔ دگراست
صدای ریختن خون ترانهٔ دگراست
ز عشق چهرهٔ زردی نهفته در ته گرد
به چشم گنج شناسان خزانه دگر است
نیافت بهرهٔ دل هر خسی ز دولت عشق
همای شوق تو در آشیانهٔ دگر است
تو صید حرصی ازان شکوه می کنی شب و روز
وگرنه عقدهٔ کار تو دانهٔ دگر است
ز غیر دیده چو بستیم یار را دیدیم
چراغ کشتهٔ ما شمع خانهٔ دگر است
ز وضع خوی تو زاهد به حیرتم که چرا
همیشه ریش تو در دست شانهٔ دگر است
میا ز گوشهٔ خلوت برون غنیمت وار
که دور ساغر مستان زمانهٔ دگر است

وحشتم پر زور و طاقت زیردست افتاده است
همچو موج از خود به کار ما شکست افتاده است
تا شهید گرم خوئیهای چشم مست کیست؟
همچو خم آتش به گور می پرست افتاده است
مشهد حیرت شهیدان را زیارت کرده ام
هر طرف مینای می گویی ز دست افتاده است
چاه راه خویش گردیدند چون گرداب ها
همت ارباب دنیا بسکه پست افتاده است
طاقت برخاستن چون گرد نمنا کم نماند
خلق می داند که می خورده است و مست افتاده است
سایهٔ تاك از سر ما چون غنیمت کم مباد
کز عدالت همسر زنجیر پست افتاده است

می گذشتم دوش از شهری که پایانی نداشت
یك لب بی می ندیدم من که افغانی نداشت
بر زبانها از دهانش گفتگوها می گذشت
اینقدر دانم که حرفی بود امکانی نداشت
زاهد امشب خانقاه خویش را آباد کرد
از برای خود فروشی هیچ دکانی نداشت
بی سران را می دهد سامان محبت بیشتر
چیده گل از باغ وصلش آنکه دامانی نداشت
دیده ام باغ محبت را بهار دیگر است
نرگس سیراب غیر از چشم گریانی نداشت
آب پیکان شبنم گلهای داغ سینه بود
باغ امیدم به غیر از تیر بارانی نداشت

با دل خود عشق پردازم غنیمت عمرهاست
این قدر آشفتگی زلف پریشانی نداشت

چشم خورشید آتشین از پرتو رخسار کیست؟
چشمهٔ آب بقا لب تشنهٔ دیدار کیست؟
خواب پایم راست چشم تکیه از بال هما؟
این سعادت در سرم از سایهٔ دیوار کیست؟
عالمی را خار مژگان گل به دامن کرده است؟
گلشن جنت غنیمت دیده از دیدار کیست؟

خوبان چو رو به قبلهٔ ابروی او کنند
با آب روی ریختهٔ خود وضو کنند
گشتم شهید چشم تو شاید که می کشان
جای شراب خاک مرا در سبو کنند
از رنگهای ریختهٔ گلرخان دهر
ترسم مباد تهمت خون را به او کنند
هر شب متاع گم شدهٔ عیش خویش را
مستان چراغ جام به کف جستجو کنند
بوی گل آید از اثر ذکر خیر تو
مانند غنچه هر دهنی را که بو کنند
مستان به نام خرقهٔ ناموس خوانده اند
آن جامه را که بهر شرابی گرو کنند
گل را گداز شرم کف آب می کند
گر با رخ شگفتهٔ او روبرو کنند
آب حیات شد عرق شرم خویشتن
هر جا غنیمت از لب او گفتگو کنند

جلوه برق پر ریختهٔ تیر که بود؟
نفس صبح قیامت دم شمشیر که بود؟
شوخی رنگ شکسته است صدف را چون گل
فکر نقاش بپرسید به تصویر که بود؟
عرق سعی مرا ساخته خون ناب کباب؟
شوق دل گرم تلاش از پی نخچیر که بود؟
امشب انجم چو سپند سر آتش می سوخت
چرخ جولان کدهٔ آه تباشیر که بود؟
سینه ام هر نظر آماجگه تیر قضا است
چشم این خوش نگهان حلقهٔ زنجیر که بود؟
برگ گل کاغذ آتش زده آید به نظر
همدم مرغ چمن نالهٔ شب گیر که بود؟
گر نه دیوانگی داشت غنیمت امروز
چشمهٔ شور جنون حلقهٔ زنجیر که بود؟

مگر قاصد ز کوی قبلهٔ امید می آید
نسیم جانفزا از گلشن جاوید می آید
خیال کیست یا رب شمع خلوتخانهٔ خاطر
که از داغ جگر بوی گل خورشید می آید
به گوش عاشقت بانگ شکست استخوان خود
به چندین ساز و برگ نغمهٔ ناهید می آید
نمی دانم که شد قربان آن تیغ کمان ابرو
که موج خون به چشم ما هلال عید می آید
به این دولت که جام می گرفتم دوش از دستش
کنم چون یاد خود در خاطرم جمشید می آید

تواند کرد شمشیر اجل هم کار ابرویش
غنیمت کار تیغی گر ز برگ بید می آید

شبی کز یاد چشم مست او دل کامیاب آید
چو نام خویش گیرم از دهن بوی شراب آید
کند گر برلب جو جلوهٔ انعام دیدنها
هوا نور نظر گردیده در چشم حباب آید
ز جام اتحاد عالمی می خورده ام گویی
دل هر کس که می سوزد زمن بوی کباب آید
درین صحرا کدامین تشنه لب برخاك می غلطد
که چون آید به حالش گریه دریا در رکاب آید
به کهساری که از شوق گل روی تو می گریم
اگر سازند مینای ز سنگش پر گلاب آید
سر کویت بود دارالقرار بی قراریها
رود آرام اگر بر آستانت اضطراب آید
غنیمت سوختم از بس به یاد روی نیکویی
ز فیض سرمهٔ خاکسترم یوسف به خواب آید

ز بالینش ایاز بی وفا گر زود برخیزد
به جای گرد آه از تربت محمود برخیزد
غبار جادهٔ طی کردهٔ مستانه رفتارش
چو آه از سینهٔ مستان شراب آلود برخیزد
به بزم این کریمان گر سوالی درمیان آید
به تعظیمش ز جای خویش رسم جود برخیزد

شهید شعلهٔ خوی تو نخوت ها به سر دارد
نشیند گر به خاکش پشهٔ نمرود برخیزد

دران محفل که گوشی نیست بر آواز خوبان را
ز ساز دل شکستن نغمهٔ داؤد برخیزد

زند شوق بناگوشت به گوهر چون سپند آخر
چنان کز روزن گرداب دریا دود برخیزد

رود گر بر لب غواص حرفی از بناگوشت
ز گوهر چون سپند روی آتش دود برخیزد

پس از عمری که آن شوخ قیامت وعده می آید
غنیمت اعتباری نیست ترسم زود برخیزد

رفته ام از خود نمی دانم کجایم برده اند
اینقدر دانم که از کوی توام آورده اند

همچو بادام از گزند چشم بد ایمن مباش
چشم تا وا کرده ای مغز سرت را خورده اند

بر امید جلوه ات از موجهای خون خویش
آهوان دام فریب از هر طرف گسترده اند

بوی درد از بادهٔ ما در دماغ خلق خورد
خوشهٔ دلها چو انگورم به جام افشرده اند

روی عالم در نگاهم صفحهٔ تصویر بود
اهل این مجلس ز زادن پیشتر ها مرده اند

بی خبر ماندم غنیمت از دل خونین خویش
داشتم مضمون رنگینی که خوبان برده اند

از ما بتان شکایت دیگر نوشته اند
ننوشته اند حرفی و دفتر نوشته اند
بی اختیار سوی تو پرواز می کند
این نامه را به بال کبوتر نوشته اند
یك مرد کار به ز هزاران نکرده کار
این نکته با سیاهی لشکر نوشته اند
باشد خط غلامی آن چشم می پرست
سطری که بر کناره ساغر نوشته اند
ما را جدا ز روی تو پی بردگان درد
با طفل اشك خویش برادر نوشته اند
خوبان ز روی سایه شناسی سر مرا
با خاك کوی خویش برابر نوشته اند
این مشت خاك را که غنیمت بود به نام
چشم آشنای حلقهٔ آن در نوشته اند

دل جلوه گه خوبی یار است، ببینید
در خلوت آیینه بهار است، ببینید
دل داغ ز نیرنگی یار است، ببینید
در خانهٔ طاؤس بهار است، ببینید
زان آتش جان سوز که در پیرهن افتاد
در سینهٔ هر سنگ شرار است، ببینید
این سبزه که از صفحهٔ گلزار برآمد
نقل خط آن لاله عذار است، ببینید
آن یار برون نیست ز ما چشم مپوشید
خورشید درین مشت غبار است، ببینید

خون صد عاشق بی باك به گردن دارد
هر که آن حلقهٔ فتراك به گردن دارد
فلك از سجدهٔ کوی که بود کعبهٔ دل
چه قدر ها که حق خاك به گردن دارد
هر خسی را که بر افروخت چراغی گردون
خون صد شعلهٔ ادراك به گردن دارد
برنیاید اگر از سینه ز بی دردی نیست
ناله طوق از جگر چاك به گردن دارد
پیش آن سرو خرامان چمن تازه نهال
رشتهٔ بندگی از تاك به گردن دارد
بر ندارد سر خود باز غنیمت از شرم
بسکه حق نظر پاك به گردن دارد

توتیای دیدهٔ گرداب شد خاکسترم
راستی ها می کشد تا دار منصورم هنوز
دیدهٔ صبح قیامت شد سفید از انتظار
سرمه ریزد چشم انجم شام دیجورم هنوز
می توانی کشتهٔ تیغ نگاهش را شناخت
حلق بسمل می نماید چشم مخمورم هنوز
گرچه مشت خاك من از ناله ام برباد رفت
آسمان بوسد زمین عجز را دورم هنوز
طرح صحرای قیامت کرد عشق از خاك من
در خیال خود غنیمت راز مستورم هنوز

می شوی خون از دل حسرت مال ما مپرس
می گدازی همچو شمع از گریه حال ما مپرس
میوه بار خاطر و برگش زبان شکوه است
ای خزان نا دیده گلشن از نهال ما مپرس
حسن این خوبان گندم رنگم از خود سیر کرد
بیش ازین ای شیخ از رزق حلال ما مپرس
شد پریشان مغز سر در آرزوی جلوه ای
رنگ خواهی باخت از صبح وصال ما مپرس
بود چون سیماب اکسیر وجود ما فنا
خاك گردیدیم دیگر از کمال ما مپرس
قطرهٔ آب از دم تیغش هوس داریم ما
گرنه ای خود تشنه چون ما از زلال ما مپرس
آب شد چون موج بال سعی پرواز هوس
می دهم خود را به طوفان ز انفعال ما مپرس
چون غنیمت خدمت آن زلف عمری کرده ایم
باعث پیچیدگیهای خیال ما مپرس

دوستدار وصل خوبان دشمن خویش است و بس
نوش مهمان تو نعمت خانه نیش است و بس
پا برون نه از خود و در جلوه گاهش سیر کن
منزلش از خود پرستی یك قدم پیش است و بس
باغ گیتی را بود هر برگ سبزی خنجری
زین چمن آن گل که من چیدم کفم ریش است و بس
عقل در جولانگه او لغزش پای بیش نیست
توسن راه محبت رفتن از خویش است و بس

می خورد افسوس بر حال گرفتاران حرص
در جهان قوت حلال از بهر درویش است و بس
آنکه ما خود را غنیمت در ره او باختیم
مذهب و ملت نمی داند جفاکیش است و بس

نیست همدردی مرا غیر از دل نالان خویش
هست مانند جرس گوشم پر از فغان خویش
رفت دل از جا و جوش گریهٔ ما کم نشد
چشمه برهم خورده باشد آب در طغیان خویش
نام او بردم شنیدن گشت ممنون زبان
یاد او کردم شدم شرمندهٔ احسان خویش
بر گرفت امروز زاهد پنبه از مینای می
چشم آن دارد کهٔ بندد رخنهٔ ایمان خویش
از کف بیداد هر خاری گریبان می درد
آن که دست صد چمن گل دیدی در دامان خویش
یك نظر هم فرصت نظارهٔ رویش نداد
داشتم چشم دگر از دیده گریان خویش
چون غنیمت تشنهٔ دیدار آن خضرم که خواند
شستن دست از دو عالم چشمهٔ حیوان خویش

دلی دارم خراب نرگس میخانه سامانش
که می روید کدو پر باده از خاك شهیدانش
ز بیداد سپند شوخ چشمم بسکه می ترسد
خط نیل است بر رخسار آتش دود پیچانش

چسان دل می توان برداشتن از ناوك اندازی
که دارد گوشهٔ چشمی به ما بادام پیکانش
حدیث عاشقی ها زان شکم پرور چه می پرسی
که شیرین تر بود از لعل معشوقان لب نانش
غبار سرمه کی گردد حریف شمع گفتارم
که عمری کرده ام شاگردی چشم سخن دانش
جهانی شد شهید دست تیغ بی وفا شوخی
که نتوان بست هرگز تهمت خونم به دامانش
ز دیوان قیامت انتخاب مصرعی کردم
نظر افتاد چون بر جلوه سرو خرامانش
به روی دل در معنی غنیمت باز می بینم
نظرها دوختم از بسکه بر چاك گریبانش

گر بشنوی به گوش دل ما صدای خم
سر برنگیری از در دولت سرای خم
بوسیدنی است همچو لب جام در بهار
دست سبوی و گردن مینا و پای خم
امشب رطوبتی است هوا را که زهد خشك
شد ته نشین خاطر زاهد چو لای خم
می بود خاك را به فلك سر ز افتخار
روزی که می نمود ارادت به پای خم
از یاد چشم مست تو لبریز باده ام
مستانه می روم که نشینم به جای خم
برعکس روزگار فلاطون به عهد ما
بیگانه می شود ز خرد آشنای خم

سر ناورد فرو چو غنیمت به هیچ رو
بیمار چشم یار بدار الشفای خم

به یاد قد تو آهی که داشتم، دارم
فغان شعله پناهی که داشتم، دارم
ز رنگ کوکب طالع ندارم آگاهی
نظر به چشم سیاهی که داشتم، دارم
هنوز زخم جگر منظر تجلی تست
به کوی وصل تو راهی که داشتم، دارم
مرا ز قبله امید رو نگردیده است
خیال طرف کلاهی که داشتم، دارم
زبان شکوهٔ من بسته خواستن عبث است
سپهر عربده خواهی که داشتم، دارم
هنوز حوصله مخمور بادهٔ ازلی است
ز یار چشم نگاهی که داشتم، دارم
ز یار تندی خوی غنیمت است مرا
نثار برق گیاهی که داشتم، دارم

چو بی روی تو در صحن چمن نظاره می کردم
به رنگ گل ز دست خود گریبان پاره می کردم
کف پای نگارین ترا تا بوسه می دادم
خیال عارض خوبان گل رخساره می کردم
عروج اهل دنیا با تنزل بسکه می دیدم
خیال جستن و افتادن فواره می کردم

کف خاکستر گرمی که شب بر باد می دادم
دل من بود کز شوق تواش آواره می کردم
سر از مستی کدوی باده شد امروز بر دوشم
منم کز پارسای عیب صد می خواره می کردم
غنیمت چشم بیمارش طبیب من نشد روزی
فغانی وار ورنه درد خود را چاره می کردم

بوسه از لعل یار می خواهم
این شکر بار بار می خواهم
سری از خود بریدنی دارم
تیغ ابروی یار می خواهم
آرزو مند سنگ طفلانم
محك اعتبار می خواهم
تا به یاد رخش کباب شوم
آتش لاله زار می خواهم
تشنهٔ تیغ آب دلدارم
بادهٔ خوشگوار می خواهم

هر که او زان نرگس مستانه می گوید سخن
بی سخن از شیشه و پیمانه می گوید سخن
مصرعی با مصرع زنجیر خود خواهد رساند
چون ز زلف او دل دیوانه می گوید سخن
دختر رز تا غرور توبهٔ ما را شکست
در صف مرد افگنان مردانه می گوید سخن

حسن تکرار حدیث عشق دارد بر زبان
شمع از سوز دل پروانه می گوید سخن
نیست بی معنی اگر مستی تخلص می کند
چشم او با عاشقان مستانه می گوید سخن
هر سحر با صد زبان آتشین بی اختیار
آفتاب از عارض جانانه می گوید سخن
آنکه گوید با دل صد چاك حرف زلف او
چون غنیمت از زبان شامه می گوید سخن

ای بهار هشت جنت در عرق از روی تو
قبلۀ روحانیان طاق خم ابروی تو
زیب طوق بندگی قمری کند جبریل را
جلوه گر شد هر کجا سرو قد دل جوی تو
نکهت پیراهن یوسف شود دود چراغ
خانۀ دل گر نیفروزد ز سهر روی تو
می جهد چون برق از پیشانی دل ها سجود
در حریم قبله گاه کعبه یعنی کوی تو
از کمان چرخ کی جسته است یك تیر قضا
تا نشد مایل به جنبش گوشۀ ابروی تو
صدق و عدل است و حیا و جود بی آشوب ریب
مانده در اصحاب پاکت یادگار خوی تو
فرصت الحمد گردد تنگ بر خود از عطس
بگذرد گر سوی جنت نکهت گیسوی تو
قبله گاه آهوی چین می شود از روی فخر
راه گر یابد غنیمت در سگان کوی تو

اسیر تن پرستی گشته ای از دل چه می پرسی؟
برون نارفته از خود یك قدم منزل چه می پرسی؟
درون غنچه با بیرون گل یکرنگ می باشد
بود پیدا ز رنگ چهره حال دل چه می پرسی؟
نیفشاندی سرشك از دیده جمعیت چه می خواهی؟
نکردی دانه ای در خاك از حاصل چه می پرسی؟
ندادی دل به شوخی ذوق سر بازی چه می دانی
نخوردی زخم تیغ و حالت بسمل چه می پرسی؟
به گوشت نالهٔ زنجیر مجنونی نمی آید
ز عزم ناقهٔ لیلای این محمل چه می پرسی؟
به هر جا می گذاری بر زمین سر آستان اوست
مقام و منزل معشوق ای غافل چه می پرسی؟
غنیمت دل شهید مصرعهٔ صائب که می گوید
"گناه خویش ای بی درد از قاتل چه می پرسی"؟

نباشد حاصل دل بستگی جز آه بی تابی
ندارد خانهٔ زنجیر غیر از ناله اسبابی
چراغ نالهٔ مجنون که روشن کرده بود امشب
که صحرا از شکست رنگ لیلی داشت مهتابی
کند گر امتحان حسرت شهیدان ترا کاوش
روان گردد ز هر سنگ مزاری چشمهٔ آبی
صفای عارضش تا دیده غرق بحر خجلت شد
بود در دیدهٔ حیران ما آیینهٔ گردابی
مخواه از کوکب ما تیره روزان فیض اقبالی
کدامین خانه روشن می شود از کرم شب تابی

صدای ریزش خون دلم مدهوش می دارد
ز خونناک کباب خویشتن دارم می نابی
رگ خواب سرا مژگان آهو کرد رعنای
مگر در دیده دارم انتظار شوخ بیتابی
چو چشم بود امشب خوابگاه یار آغوشم
نمی دانم به خوابش دیده ام یا دیده ام خوابی
ز قتل بی قراران آن چنانش شاد می بینم
که پنداری غنیمت کیمیا گر کشتهٔ سیمابی

گفتمش: "داری لب نوشین چو جان" گفتا: "بلی"
گفتمش: "از من تمنایی ست"، گفت "از ما بلی"
گفتمش: "از قامتت شور قیامت شد بلند"
گفت: "می آید بلا از عالم بالا بلی"
گفتمش: "آشوب طوفان داشت چشمم بی رخت"
گفت: "می آید به گوشم نالهٔ دریا بلی"
گفتمش: "خون شد دل دیوانهٔ سودای تو"
گفت: "می بینم بهار لالهٔ صحرا بلی"
گفتمش: "طاقت به غارت دادهٔ خوی توام"
گفت: "نتوان شد حریف شوخ بی پروا بلی"
گفتمش: "می زیبد آیین دورنگیها ترا"
گفت: "یك رنگی بود عیب گل رعناء بلی"
گفتمش: "دانسته ای قدر من از اهل سخن"
گفت: "می دانم غنیمت من ترا زینها بلی"

انتخاب از مثنوی نیرنگ عشق

به نام شاهد نازک خیالان | عزیز خاطر آشفته حالان
دل مجروح عشقش را مقام است | می او را شکست شیشه جام است
خرد در فکر او مجنون و مدهوش | جبین از سجده اش لیلی در آغوش
نشان او برون از وهم جانها | یقین کیست کاید در گمانها
خراباتی ز جامش مست و مدهوش | مناجاتی ز نامش سر به سرّ جوش
روایی گر هوس داری ز حاجات | مناجاتی مناجاتی مناجات

مناجات

الهی از غمت خون در جگر کن | سرشك آباد چشم آباد تر کن
دلم از افسردگیها در قرار است | نمی دانم که عشقت در چه کار است
دلی ده سر به سر عشق و همه سوز | سرشك دیده و داغ دل افروز
دلی چون غنچه الفت خانه ریش | به رنگ لاله داغ آتش خویش
دلی ده همچو گل در خون نشسته | دلی چون خاطر بلبل شکسته
دلی دیوانهٔ وحشی غزالان | فدای جلوهٔ نازك نهالان
عزیزم ساز از لطف خطا پوش | شوم با شاهد مطلب هم آغوش
الهی تا غفور اسمت شنیدم | گنه را مست شادی مرگ دیدم
ز فیض لذت نعت پیمبر | زبان را ساز موج آب کوثر
بده جامی که فضلش را وفور است | غفور است و غفور است و غفور است

نعت

جبینم سجده مشتاق جنابی | کزو هر ذره گردد آفتابی
جنابی قبلهٔ دل، کعبهٔ جان | چراغ آفرینش روح ایمان
جناب سرور ممتاز عالم | جنابی شان عزت فخر آدم

محمد شاهد دین جان ایمان
محمد رحمت حق لطف یزدان

بهار هشت جنت رنگ و بویش
بهشت نه فلک خاکی ز کویش

ابد از هستی او آفریده
عدم را سایه او نور دیده

پناه امتا عاجز نوازا
جهان راجان و جان را چاره سازا

نیارم گفت حال دل که چون است؟
دهن هنگام گفتن زخم خون است

هوس از بسکه هر سو جوش دارد
دلم بتخانه در آغوش دارد

به دست نفس کافر کیش خونخوار
گرفتارم، گرفتارم، گرفتار

اسیرم کرد کافر ماجرایی
رهایی یا نبی الله رهایی

مرا ای جان جان از روی ایمان
مسلمان کن، مسلمان کن، مسلمان

عجب نبود ز لطف دین پناهم
که گردد فخر آمرزش گناهم

منقبت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرهٗ

غنیمت ای غلام غوث اعظم
فدای نام پاك قطب عالم

حدیثی کز لبت دارد نمودی
شنیدن کرد از دورش سجودی

همانا مدح شاه دین پناه است
کزو هر قطره دریا دستگاه است

چو خود را من سگ کوی تو خواندم
به آهوی حرم نسبت رساندم

خوش آن روزی که آرم رو به بغداد
ز سر پا کرده از بند غم آزاد

به گرد سرقدت گردیده باشم
مراد دیده و دل دیده باشم

کنم از شوق بیتابی در آغوش
زمین آستان از سجده روپوش

کشم زان خاك در چشم ارادت
منور سرمه تا روز قیامت

بیا ساقی بده تا خط بغداد
شراب روح عشق و جان ارشاد

حدیث مرشد آمد دلپذیرم
به جام باده ای شو دستگیرم

منقبت حضرت شاه صالح محمد قدس الله سره

در کشور گشای فیض سرمد
امام عاشقان صالح محمد

تجلی شعله شمع خانهٔ عشق
دل پروانه اش کاشانهٔ عشق

سهین نوباوۂ گلزار وحدت
گزین گلدستۂ باغ سیادت

سر و سر حلقه صاحبدلان است
جنید وقت و شبلی زمان است

بیا تا بر در سید نشینیم
نزول رحمت حق را ببینیم

بهشت کامرانی جلوه فرماست
طواف کعبۂ هستی سهیاست

بیا ساقی بیا ای من مریدت
بده جامی که خواهم شد شهیدت

مگر از مدحت ظل الٰهی
کنم در ملک معنی بادشاهی

در مدح اورنگ زیب عالمگیر

شه اورنگ زیب کامرانی
چراغ دودۂ صاحبقرانی

سر افراز جناب بی نیازی
پناه شرع عالمگیر غازی

سر و سر کرده گردن فرازان
به عهد او جهان بر خویش نازان

به هر جا تیغ تیزش سرفرازد
چه جان دارد که دشمن سر نبازد

به زیر خاک رستم را به صد تاب
چو شمع از هیبتش شد استخوان آب

به دور عدل این شاه ستم سوز
سگ آید بر در روباه هر روز

به تخت سلطنت هم شوکت جم
بود در خلوت ابراهیم ادهم

دلش را نور عرفان شمع محفل
می جامش شکست شیشۂ دل

بود روشن ز رویش در عبادت
شکست رنگ چون صبح سعادت

در کوچۂ حقیقت از راه مجاز

اگر داری سری از خود بریدن
به کوی قبلۂ جان آرمیدن

دلی پیدا کن از دانش رمیده
به صحرای جنون عمری دویده

دلی سر تا قدم ماوای اندوه
ز چشم زخم خود دریای اندوه

دلی پیدا کن آتش پارۂ عشق
ز چشم داغ در نظارۂ عشق

مبادا هیچ دل بی عشقبازی
اگر باشد حقیقی یا مجازی

مجاز آیینه دار روی معنی ست
سر این جاده هم در کوی معنی ست

دل مجنون ز آهو در تسلی ست
به لیلی هرچه ماند عین لیلی ست

جلوه کردن شاهد رعنا از خطه دل نشین پنجاب

ندیدم کشوری غارت گر تاب
به خوبیهای حسن آباد پنجاب

چه پنجاب انتخاب هفت کشور
قسم خورده به خاکش آب کوثر

غبارش آب و رنگ چیرهٔ گل
گیاهش دلربای زلف سنبل

به هر جا سبزه از خاکش دمیده
رخ خوبان به پیشش خط کشیده

زلالش باده ساز مستی عشق
نسیمش روح بخش هستی عشق

ز شوق آنکه تا آید به پنجاب
دل کشمیر صد ره می شود آب

خنك آن کس که در هنگام سرما
درین گلشن بود گرم تماشا

مگر باهم هوایش دلنشین است
هوای سر زمین عشق این است

بتانش چون ز روی مهر جوشند
شکر گویند و گوهر می فروشند

به هر شهرش بتان گرم بازار
پی سودا دل عاشق خریدار

درین کشور که پنجابش بود نام
فقیری بود بس نیکو سر انجام

به داسان قناعت پا کشیده
زیارت گاه دلهای رمیده

زنی در عقد او مستوره راز
صفای وقت او را یار دمساز

سحاب او به بارش آشنا شد
صدف بر کام دل گوهر ربا شد

پس از چندی که گوهر جلوه انگیخت
فلك گرد یتیمی برسرش ریخت

بهار جلوه اش را عام کردند
رخش دیدند و شاهد نام کردند

ز بس تنگی رزقش رو نموده
لب نانش هلال عید بوده

چو سال ده ز عمر او بر آمد
مهش هم رنگ مهر انور آمد

خبرها رفت از حسنش به هر شهر
خرابی تاختن آورد در دهر

نقاب از چهره او باز کردند
جگرها سوختن آغاز کردند

نگاهش جام دل ها کرد سرشار
تماشا گشت هر سو مست دیدار

به شهرت شد چو حسنش جلوه پرداز
فلك نیرنگ سازی کرد آغاز

مقلد پیشه چندین رسیدند
به دست تنگدستی هاش دیدند

زر آوردند، در راهش فشاندند | ز را هش برده سوی خویش خواندند
ز فن خویش تعلیمش نمودند | به اندك فرصتش از جا ربودند

رسیدن خبر شاهد به گوش عزیز پسرحاکم شهر

به شهر امشب رسیده طرفه جمعی | شده پروانه ها بر گرد شمعی
مقلد پیشه ای با طرز و انداز | مشعبد سیرتان با نغمه و ساز
به علم رقص و تقلید اوستادان | مراد خاطر عشرت نژادان
همه خوش لهجگان نغمه پرداز | به حرف اصطلاح ما بهگت باز
به فن خویشتن استاد هریك | گهی مرد و گهی زن گاه مردك
ز هر قومی که خواهی جلوه سازند | به هر رنگی که گویی عشوه بازند
مرا از ذکر این ها مطلب آن است | که اینجا یوسفی در کاروان است
پری زادی ست با این قوم همراه | نموده جلوهٔ او رخصت آه
ز انگیز بدن برگشته یکسر | ز هر عضوش عیان رخسار دیگر
دهن رمز حدیث لن ترانی | زبان حرفی ز اسرار نهانی
لبش جان داروی لعل بدخشان | زمین بوسش کنان یاقوت در کان
قدش را گفته ام تیغ کشیده | بغل را دیده ام چون گل دریده
چو تا این جا سخن شد زینت لب | به دل شد با خموشی عرض مطلب
حدیثش برد هوش از اهل محفل | شنیدن کار دیدن کرد در دل
خصوصاً آن عزیز عشقبازان | کرم پروردهٔ عاشق نوازان
چنان بیخود که گویی می کشیده | غلط کردم پری در خواب دیده
ندیده جلوهٔ دیدار قاتل | شنیده نام تیغ و گشته بسمل
ز مستی بیخود افتاده به رنگی | که می زد مدعی هم سر به سنگی
بیا ساقی که من از خویش رفتم | ز خود چندین بیابان پیش رفتم
شنیدم وصف رویت رفتم از کار | چه خواهی کرد با من وقت دیدار

تعزیر شاهد

شنیدم عام شد غوغای شاهد / رسید آخر به گوش شیخ و زاهد
که قومی از بهگت بازان رسیدند / هزاران فتنه در شهر آفریدند
بود همراه ایشان دلربایی / خلاف شرع را فرمانروایی
نموده از نگاه بی ترحم / هزاران رخنه در ایمان مردم
روان شد محتسب از بهر تنبیه / به جنگ شعله بازان دبه پیه
گروهی اهل تقوی در رکابش / همه فرمانبران احتسابش
به حالش سخت می لرزد دل من / که خون خویش می گیرد به گردن
ازان چشمی که با صد فتنه جفت است / سر خود گر سلامت برد مفت است
بهگت بازان گروهی فتنه اندیش / نشسته هریکی فارغ ز تشویش
چو روی محتسب از دور دیدند / همه لاحول گو از جا رمیدند
زبیمش جمله رم خوردند ناکام / بماند آن نازنین درخواب آرام
ازان شور و شغب بیتاب برخاست / چوچشم خویش سست از خواب برخاست
چودیدش محتسب تاب و توان باخت / به رنگ موم آتش دیده بگداخت
به یك نظارهٔ شوخ ستمگار / چو عضوی رفته از جا ماند بیکار
جگر در سوختن دل در تپشها / رگ جان دست فرسود کششها
ادا فهم آن نگار فتنه تمثال / چوخواند از صفحه رخسارش این حال
گرفتش دست و گفتا: "خیر مقدم / بود تنها کرم یا مطلبی هم"
بگفتا: "من به مطلب وارسیدم / ترا دیدم، ز مطلبها بریدم"
شد آخر قاضی از حالش خبریاب / که آن ظرف نمك شد پرمی ناب
مرنج از من که از من عقل و دین رفت / قضای آسمانی این چنین رفت
چو قاضی دید کان دل داده از دست / گرفتار خرد غارت گری هست
رساند این را به گوش حاکم شهر / که شد در شهر پیدا فتنه دهر
ز شهر آشوبی شاهد عیان کرد / حدیث محتسب یك یك بیان کرد

به پهلوی امیر معدلت کیش نشسته نونهال گلشن خویش
اگرچه شوق می زد در دلش جوش حیا در گوش می گفتش که: خاموش!
شنید این گفتگوها را و خون شد ز راه چاك دل از خود برون شد
چو قاضی شکوه اش از حد برون کرد شنیدن را غضب طوفان خون کرد
اجازت شد چنان با شحنۂ دهر که حاضر گردد آن شور افگن شهر
روان شد فوج سرهنگان خود کام همه از خون ناحق باده آشام
دوان بر مسکن شاهد رسیدند درش را مطلع الانوار دیدند
گرفت آخر یکی از روی کینش به چندین اشتلم از آستینش
به دیوان کرد رو از حکم داور به آب دیده چون گوهر شناور
به قاضی گفت میر پاك بازان که: "اینك سر گروه فتنه سازان"
بگفتا: "باید از شهرش به در کرد بلایی است از بلا باید حذر کرد"
چو سرهنگان به حکم حاکم دهر برون کردندش از دروازۂ شهر
عزیز آن تاب و طاقت داده برباد لب زخم دلش سر گرم فریاد
نهانی راز داری را روان کرد پیام عشق تحویل زبان کرد
مرا شرم پدر بند زبان شد سر حرفم به جیب لب نهان شد
کنون برگرد و شهر آرای دل شو چو جان زینت ده این آب و گل شو
به تخت کامرانی باش فیروز که شهر و شهریان از تست امروز
نه قاضی پیش ازین حرف تو گوید نه ملا بعد ازین راز تو جوید
چو پیغام عزیزش گوش زد شد کف پایش به رفتن دست رد شد
چو برگردید وسوی شهر رو کرد تماشا برسر راهش غلو کرد
شده خرد و بزرگ شهر آگاه که مهمان عزیزی هست آن ماه
مختم شد زبان عیب جویا مقفل شد دهان گفتگوها

شعله خرامی شاهد

شب دیگر که در هر دشت و برزن — چراغ ماه را کردند روشن
عزیز آن سینه غارت کردهٔ عشق — شکاری در کمند آوردهٔ عشق
به امید وصال آراست محفل — طلبگار علاج سوزش دل
رسانیدند پیغام رسیدن — بهار گفتن و عید شنیدن
صدای آمد آمد دلربا شد — به بشکن بشکن دل همنوا شد
که آمد از در آن سر جملهٔ حور — نگاهش نور چشم شعلهٔ طور
بتی آشوب شیخ و مرگ زاهد — بتی مانند نام خویش شاهد
عزیز آن دل فدای راه جانان — شده در خیر مقدم گوهر افشان
پی تعظیم او برخاست ناگاه — زسر هوشش ز رخ رنگش ز دل آه
نشست و بزم را رشك چمن کرد — چمن را اخگری در پیرهن کرد
چو رنگین جلوهٔ او مجلس آراست — ز دلها بی خود این آهنگ برخاست
چه می باید نشست ای شعلهٔ پرجوش — به رنگ آتش یاقوت خاموش
شنید این نغمه چون آن شوخ پرست — به سان شعله تند و تیز برجست
چو رقص از شعلهٔ انگیز سر شد — ز باد دامن خود تند تر شد
به رقصش گرم شوخی ها برو دوش — تمام اعضا چو موج باده در جوش
عزیز از جان اسیر ناز او شد — خراب شیوهٔ انداز او شد
برآمد از دلش بی خویش فریاد — که ای چون چشم خود بافتنه همزاد
تو در رقصی و انداز بلندی — من و بیتابی و حال سپندی
تو در انگیزهای خونی دل — من و اندازهای مرغ بسمل
بیا بنشین که عشقت کارگر شد — متاع صبر تاراج نظر شد
بیا بنشین که حسنت فتنه انگیخت — هزاران شور محشر در جگر ریخت
نمودم جای غمهایت به سینه — نیاز سنگ کردم آبگینه
به این قومت نیارم دید همراه — تو یوسف چند خواهی ماند در چاه
به نامت باشد اموالی که دارم — غلامت گردد اقبالی که دارم

خواندن عزیز شاهد را به مکتب نشینی و ترغیب به کسب کمال و عشق ورزیدن او به تحصیل علوم و بهره یابی از حسن معنوی به قرار حال

به مکتب می رود طفل پری زاد		مبارك باد سرگ نو به استاد
اگر باشد معلم خود فلاطون		به اندك روز خواهد گشت مجنون
اگر این است طفل مکتب او		رسد هر شب به گردون یا رب او
عزیز آن دفتر عشق بلا زاد		به فن عاشقی استاد فرهاد
به شاهد گفت کای سرمایهٔ جان		من و استاد من پیش تو حیران
اگر خواهد دلت مکتب نشین باش		به همزادان خود الفت گزین باش
پری بزمی که مکتب بود نامش		ز روی حسن صد کنعان غلامش
به یك خاور دو صد خورشید پیدا		به یك زندان دو صد یوسف هویدا
نشسته هر طرف طفل پریزاد		به فن دلربایی هر یك استاد
سبق خوانان حرف بی وفایی		دمادم شسته لوح آشنایی
نظر کردند چون بر روی شاهد		شدند آشفته تر از موی شاهد
ز طفلان هر طرف برخاست فریاد		که یاران آتشی در مکتب افتاد
بگفت استادش ای مجموعهٔ ناز		که بسم الله ز بسم الله کن آغاز
بت نادیده مکتب آفت هوش		به رنگ غنچهٔ گل مانده خاموش
چو از روی حجابش لب به لب ماند		شنیدم من که استادش همی خواند
"الهی غنچهٔ امید بکشا		گلی از روضه جاوید نما
اثر جوشید یعنی غنچه واشد		دهان بسته اش حرف آشنا شد
شد اول از سر بیتابی دل		به یك بسم الله اش استاد بسمل

بیان حالت مکتب در دوری شاهد

ز مکتب چون شدی آن سرو آزاد　　به روی خویش می زد سیلی استاد
همی شستند طفلان تختهٔ خویش　　به آب چشم داغ سینهٔ ریش
جدا از قامت او شد الف آب　　به پشت با نه طاقت ماند و نی تاب
سر جیم آرزومند بریدن　　به شوقش نقطه چون دل در تپیدن
ز بار درد پشت دال خم شد　　سرش چون غنچه در جیب عدم شد
جدا از طرهٔ او خاطر لام　　گرفتار هزاران درد و آلام
مپرس احوال میم از من که چون است؟　　دهانش از فغان لبریز خون است
چه گویم حال نون بی او که چون شد؟　　به چشمم ماهی دریای خون شد
غرض کان شاهد جانهای دلریش　　عزیز خاطر بیگانه و خویش
شد از آمد، شد مکتب به یکبار　　ز حسن معنوی هم بهره بردار
گهی در مکتب و گاهی به خانه　　همی گشتی غزل خوان عاشقانه
سخن کوتاه آن غارت گر جان　　چو چشم خویشتن آمد سخندان
به اندک فرصتی چالاک گردید　　سراپا شعلهٔ ادراک گردید
شد از مکتب نشینی نکته دانی　　اگر باور نداری امتحانی
بیا در مکتب شاهد در آییم　　به تقریبی گره از دل گشاییم

رفتن مولانا غنیمت برای سیر مکتب خانهٔ شاهد

شنیدم دوش از طرز آشنایی　　که از مکتب نکوتر نیست جایی
خصوصاً مکتب عشق آفرینی　　مقام همچو شاهد نازنینی
مرا روزی به دل شوق آشنا شد　　کتاب صبر را شیرازه وا شد
به امید تماشای نگاری　　نمودم جانب مکتب گذاری
بر آمد بر در مکتب خروشم　　که من سیپارهٔ دل می فروشم
به گوش شاهد آمد نالهٔ من　　بغل پروردهٔ تبخالهٔ من
مرا از مهربانیها درون خواند　　خرد از همرهی بیرون در ماند

ز سر پا کرده رفتم یك قدم پیش | بلا گردان لطف طالع خویش
بگفتا: "پیشتر آی"، پیش رفتم | تکلف بر طرف از خویش رفتم
ز دست من به صد اعزاز برداشت | غلط گفتم به چندین ناز برداشت
به مهر اول غبارش را بر افشاند | پس آنگه سورهٔ اخلاص بر خواند
پسندش کرد و گفتا: من خریدار | بگفتم: ار شود طالع مددگار
بگفتا: "قیمتش" گفتم: "نگاهی" | بگفتا: "کمترك"، گفتم که: "گاهی"

رخصت درخواستن شاهد از عزیز به هواداری سیر وطن و از خود رفتن عاشق دنبال آن سفر گزین به رهنمایی شوق شیشه شکن

که روزی گفت با آن رنج پرورد | عزیز خاطر غم شاهد درد
مرا شوق وطن بردست از جا | هوای خانه در دل کرد ماوا
که دارم مادر هجران کشیده | بجز من روی روز خوش ندیده
ز مهرم در دلش داغ جگر سوز | چو صبحش چاکها در سینه هر روز
دهی رخصت گزینم اضطرابی | شوم صبح وطن را آفتابی
به گوش عاشق آمد چون خطابش | ز مژگان تر زبان شد در جوابش
که تاب درد هجران نیست کارم | ندارم طاقت مردن ندارم
نه تنها دوری دلدار مشکل | خلاف رای آن بسیار مشکل
اگر گویم "برو"، بر من محال است | وگر گویم: "مرو"، بیم ملال است
که پاس خاطر جانان ضرور است | خلاف رای او از عشق دور است
به عهد وعدهٔ زود آمدنها | میسر گشت کام شوخ رعنا
که می گوید که: "بر عزم سفر بست | به قتل عاشق مسکین کمر بست"
عزیز آمد به هنگام سواری | عنان دل به دست بی قراری
چو شاهد اسپ خود را کرد مهمیز | روان شد اشك عاشق هم جلو ریز
نظر دنباله تاز توسن یار | جگر قاصد تر از نالهٔ زار
به بذل حیله و عرض بهانه | کشیدندش رفیقان تا به خانه
ز جام یاد شاهد گشت سر مست | در خلوت به روی غیر بربست

رفتن عزیز به لباس قاصد

عزیزی دوش با من نقل می کرد
که هجران گرد از عاشق بر آورد
نماندش تاب دوری های دلدار
به خود پیچید چون مکتوب یکبار
برای عرض حال خاطر ریش
شوم خود قاصد و خود نامهٔ خویش
چنین گفت و به دل شوقش غلو کرد
به ملك فتنه خیز یار رو کرد
به شهر یار چون نزدیك تر شد
لباس قاصدی عرض خبر شد
که می آیم ز شهر عشقبازان
خبر دارم ز حال جان گدازان
فرستاده عزیزم سوی شاهد
خبر جوی مقام و کوی شاهد
به دستش کاغذی پیچیده ای بود
که نامش نامهٔ غم دیده ای بود
چو شب شد آمده در کوی دلبر
لباس قاصدانه کرده در بر
رسانیدند در گوش پری زاد
که آورده پیام آتشی باد
پر پروانه ای در دست دارد
که می خواهد به شمعش واسپارد
به عاشق نامه زد آتش به یکبار
که برخوان حال آن دل رفته از کار
شکر لب بعد آن مکتوب خوانی
خبر پرسید از قاصد زبانی
که واگو حال آن مشتاق چون است
بگفتا: مست صهبای جنون است
بگفتا: "صحتی دارد در احوال"
بگفتا: "از چشم خود دریاب این حال"
بگفتا: "کیست شمع محفل او؟"
بگفتش: "شعله پرورد دل او"
بگفتا: "دلنشین یاوش کدام است؟"
بگفتش: "آنکه درد هجر نام است"
بگفتا: "با کتابی هست همدم؟"
بگفتش: "خود شده مجموعهٔ غم"
چو شاهد گوش کرد این گفتگو ها
ز دل برخاست میل جستجو ها
دلش چون خواست کشف این سخن را
به خلوت برد حرف انجمن را
بگفت آن قاصد پیغام خود را
که بر گو راز خویش و نام خود را
عزیزش دید چون پی بردهٔ کار
ز حال خویشتن کردش خبردار
که ای شاهد عزیزم، من عزیزم
که از دست تو چندین بی تمیزم
کشیدش در بر آن آرام دلها
می مقصود اندر جام دلها

رسیدن عزیز از دیار شکیبا نگار و روانه گشتن شاهد از وطن

شبی از درد عاشق گشته آگاه | مهیا کرد ساز رفتن راه
بساط بی نیازی در نوردید | جواب نامهٔ مشتاق گردید
روان شد با هزاران مهربانی | نسیم گلشن عهد جوانی
به هر جا توسنش طی کرد راهی | به جای گرد بر می خاست آهی
چو آخر شد سفر پر شور پنجاب | نمك سوی جراحت شد عناتاب
روان شد جانب کاشانهٔ دوست | که این عاشق نوازی طالع اوست
عزیز از مقدم او گشت آگاه | چو برق از خانه بیرون جست ناگاه
مقام دلنشینش ساز کردند | گلیم بخت پا انداز کردند
چو شد آماده فرش مسند ناز | در آوردند شاهد را به اعزاز
عزیزان پیش رویش نقش بستند | به رنگ صورت قالین نشستند
عزیز آمد به گرد افشانی او | مهیای جگر مهمانی او
به صد الفت برافشاند آن جگر ریش | ز دامانش غبار خاطر خویش
گلاب آورد و گرد راه او شست | به آب گل رخ چون ماه او شست

شکار گردیدن شاهد در صید گاه به عشق دهقان دختری و شب در دهش گزراندن و شب خون زدن افاغنه بر آن ده و او را در زمره اسیر گردانیدن

غزالی از رمیدن آفریده | چو رنگ از چهرهٔ صحرا پریده
غزال افگن سوار شوخ طناز | به دنبالش به صد شوخی سبکتاز
به تنها در پی او آن قدر تاخت | که تاب همرهانش رنگ در باخت
ز همراهان جدا گردیده در راه | گذارش بر دهی افتاد ناگاه
نمی گویم دهی یك شهر جان بود | خراجش بر سر کنعانیان بود
در آن ده بود چاهی کوثر آبی | به آبش تشنه هر دم آفتابی
مپرس از من دگر بیتاب گشتم | گرفتم نام چاه و آب گشتم

ستـاده بـر لـب آن چـاه دلبنـد به خـون بـی گـنـاهـان تشنهٔ چند
هـمـه از یك دگـرهـا دلـربـا تـر سبـوهـا بهـر آب آورده بـر سـر
بـه شـاهـد تشنـگـی زد جوش ناگاه چـو یوسف جلوه گر شد برلب چاه
فـرود آمـد چـو از تـوسن بـر آن چاه شکـار چـون خـودی گردید ناگاه
نـگـاریـن دختـری بـردش ز سر هوش چـه دختـر بـا قیامت دوش بر دوش
نهـان در گیسـوی او لیـلة القـدر عیـان از جبهـهٔ او مـطـلع الـفجر
دهـن گفتـم رسید از غنـچه بویـی نـدیـدم مـن، شنیدم گفتگویی
ز دندانـش چـو سفتم در سخن در دهـان از گـوهـر یکدانـه شد پر
صـراحـی تـا نـظر کـردش به گردن سـرش فـرسـود از بـس سجده کردن
بـرش چـون داد نـور خویـش را عرض نـمـاز صبـح بـر عشاق شد فرض
بـه روی سیـنـه اش سیـب دو پاره عـلاج قـوت ضـعـف نـظـاره
قـد او از قیـامـت یك قـدم پیـش خـرامـش خضـر راه رفتن از خویش
نـه تـنـهـا شاهد من خویش وا باخت که آن معشوقه را هم محو خود ساخت
دل او هـم فـدای روی شـاهـد خـراب غـمـزهٔ جـادوی شـاهـد
سوالش آن که در دل عشق زد جوش جـوابـش آن کـه فهمیدیم خاموش
شـب آمـد پیـش آن خورشید رو را خیـال طـرهٔ خـود کـرد او را
نـمـانـد از روز بـاقـی چون علامت ضـرورت کـرد تـکـلیف اقـامـت
شـب آنـجـا بـود تـنـهـا در تب و تاب بـه زخـم دل نـمـك افشـاند مهتاب
نـه هـمـدردی کـه بـا او گوید این راز نـه دلسوزی کـه سوزد بهر این ساز
رئیـس ده کـه دختـر را پـدر بـود ز خـدمتـگـاری شـاهـد نیـاسـود
و لیـکـن بـی خبر بود از درونـش ز طـوفـان جـوشـی امـواج خونـش
وزین هم بی خبر کان شمع سرکش زده در خـانـهٔ او نیـز آتـش
ز شـب نیـمـی چوشد تاراج دوران بـر آن ده تـاخـتـن آورد افـغـان
نـه شاهـد مـانـد و نی آن شاهد آزار بـه دسـت قـوم افـغـان شد گـرفتار

رفتن عزیز به تجسس ده و خبر یافتن گرفتاری او به دست افغانان و تاختن عزیز برده افغانان و خلاص دادن شاهد از دست آنان

عزیز آن صید ناوك خوردهٔ عشق		به زلفی در کمند آوردهٔ عشق
چو خالی دید بزم از جلوهٔ یار		چنین برداشت آهنگ شرر بار
که یا رب آن شکار افگن کجا رفت؟		که جان کشتگانش در قفا رفت
نمی دانم چه شد آرام این دل؟		که بر من بیقراری کرد منزل
به یاران گفت با صد ناتوانی		مبارکباد عید جانفشانی
علاجی نیست غیر از تاختنها		سری در راه شاهد باختنها
همین گفت و به توسن کرد مهمیز		سوی شهر غنیم آمد جلوریز
دوان همراه او یاران دلبند		به مرگ خویش راضی گشتهٔ چند
یکایك همچو برق از جا دویدند		اجل مانند بر دشمن رسیدند
در افتادند باهم جنگجویان		زدند آتش به جانها شعله خویان
هزیمت از صف دشمن عیان شد		جهان پر شور بانگ الامان شد
صف افغان شکست کار دیده		نهان گردید چون رنگ پریده
عزیز آن فتح چون آمد نصیبش		فرامش گشت دنبال رقیبش
به شهر آمد خبر پرسان شاهد		نمودندش ره زندان شاهد
در آمد سوی زندان با دل ریش		اسیر یوسف زندانی خویش
چه زندانی به تنگی چون دل مور		ز گردش ساکن او زنده در گور
دران محنت سرا جای نفس گیر		چو شاهد نازنینی پا به زنجیر
شکر دختی که شاهد شد اسیرش		به زندان گشته همپا ناگزیرش
شده هر دو به زنجیری گرفتار		نگهبان دو گنج حسن یك مار
یکی از دیگری احوال پرسان		بهم قسمت کنان مرگ عزیزان
ز شوق خویش باهم عرض دادند		اساس عشق محکم تر نهادند
قسمها بر زبان از بهر تسکین		بنای عهد و پیمان کرده سنگین
که گر یابیم ازین زندان رهایی		کنیم انگیز ربط آشنایی

به سرعتها گشوده قفل و زنجیر / گره وا کردش از زلف گره گیر
هم از پای نگارین دخت رعنا / که در زندان به او بودست همپا
برون آمد ز زندان ماه کنعان / گریبان از گل چاکش گلستان
عزیز از شهر دشمن شد عنان تاب / زده بر آتش جان سوز خود آب

رفتن زالی به فرمودهٔ شاهد به خانهٔ وفا نام دختری به انگیز بهانه و بر آوردن آن وفادار را به اظهار پیغام عاشق نو گرفتار از خانه

نوا سنجی که هم بزم است با من / چنین کرد است شمع قصه روشن
که شاهد آن نگار غیرت ماه / دوای صد هزاران درد جانکاه
ز روی مصلحت می بود یك چند / به بزم عاشق خود شاد و خرسند
ولی دل در خیال یار خود داشت / تلاش انصرام کار خود داشت
رخش آرایش ماوای دیگر / دلش سوزان ولیکن جای دیگر
دوچارش شد کهن زالی ستمگار / ز خردیها پدر کش مادر آزار
فراخی بخش عیش تنگ دستان / تسلی دل شهوت پرستان
نه تجویز پدر، نی حکم مادر / رسانیدی پسرها را به دختر
چو شاهد یافتش زین گونه دلخواه / ز راز سینه مسکن کردش آگاه
که باشد در فلان ده نازنینی / قیامت دختری، شاهد قرینی
سر و سر کردهٔ خوبان وفا نام / گریزان از همه لیکن به من رام
نهان از دیده ها در پردهٔ شرم / دلش رام است با من صحبت گرم
ز حال شورش دل هست آگاه / به من دارد هزاران وعده دلخواه
تو هم ای مرهم زخم جدایی / شکست عهد ها را مومیایی
اگر در عهدها بینی قرارش / شبانگاهش برآور از دیارش
مکانش ساز پنهان خانه ای را / ز گنج آباد کن ویرانه ای را
به سوی من خبر بفرست زان پس / همین است آرزوی شاهد و بس
نموده با زر بیش از شمارش / نگار سیمتن امیدوارش
بت نو در کمند عاشقی بند / پی اخفای رازش داد سوگند

که ای مادر به حق چاره سازی / که پنهان نیست پیشش هیچ رازی
چنان در حفظ این راز نهان کوش / که پنداری خودش خواب فراموش
عجوز آن کهنه لوح مشق صد نیش / گرفت این کار را بر عهدۀ خویش
روان شد حیله زای مکر اولاد / فساد کشور جمعیت آباد
در آمد پرس پرسان تا به آن ده / نمی گویم ده از یك شهر جان به
در آمد از در سردار آن ده / امیر انتظام کار آن ده
شده واقف ز نام خویش و پیوند / تراشیده پیام دلنشین چند
ز خویش و اقربا گفتش سلامی / وزان پس کرد ابلاغ پیامی
که دارد آن فلان خویش تو دختر / نه دختر روشن اختر بلکه بهتر
به فرزند تو خواهد عقد او را / به دستش می سپارد نقد او را
فرستاده مرا بهر همین کار / تو هم این کار را فرخنده پندار
اگرچه از پسر تکرار می کرد / و لیکن بهر دختر کار می کرد
پدر خوش دل که کار این پسر شد / نمی داند که دختر هم به در شد
مبارك باد از هر فم برآمد / لباس عیش در بر غم برآمد
رئیس ده ز اصغای پیامش / چنان ممنون که پنداری غلامش
شنیده آن دروغ راست مانند / شده خوشدل به شادی های فرزند
به تعظیم و ادب بوسید پایش / درون خانۀ خود کرد جایش
درون خانه بود آن شمع روشن / که گر طالع شود پروانه اش من
بدید آن قبلۀ امید خود را / بهار گلشن جاوید خود را
به صد الفت به صد شیرین بیانی / به او انگیخت ربط همزبانی
به تقریبی در اثنای بیانش / برآمد نام شاهد از زبانش
چو نام نامی اش شد زینت گوش / وفای خویش آمد بر سر جوش
که ای مادر به این نامی که بردی / مرا کشتی رگ جان را فشردی
بگو باری که اسم کیست این نام؟ / که می سوزد مرا شیرینیش کام
بگفت: "این نام نام محو رویت / خراب آرزوی گفتگویت

منش قاصد پیامش بر لب من
"بود موقوف رخصتهای گفتن"
چوشب شد گفت دختر را که: برخیز
سمند سعی را کن گرم مهمیز
بود چاهی ازینجا نیم فرسنگ
چو بخت مدعی بس تیره و تنگ
فقیری را سر چاه است مسکن
به مکر و فن برادر خواندهٔ من
گرت پرسد مکان و جای احوال
بگو از دختران این کهن سال
نخواهد شد ازو افشای این راز
که از عمری است با من یار دمساز
روان شو کین زمان مردم بکارند
ز مهمانداریم فرصت ندارند
تو راهی شو که من خواهم رسیدن
چو صبر از خاطر قوست رمیدن
روان گردید داغ افروز طاؤس
نه فکر نام و نی پروای ناموس
چو اهل خانه از کار آرسیدند
درون خانه دختر را ندیدند
یکی از دیگری پرسان کجا رفت؟
چه گویم بر سر هر یك چه ها رفت؟
پدر در آرزوی زهر خوردن
برادر دشنه در کف بهر مردن
به جست و جوی او هر جا دویدند
چو هوش رفته اش جای ندیدند
کدامین کار گیتی دلنشین است
کهن زال جهان کارش همین است

خبر دادن زال به شاهد که وفا را از خانه برآوردم و روپوش شدن آن بیوفا از عاشق زار خود با وفا

چو شد آن قوم را صبح دل افروز
نمك پاش جراحتهای جان سوز
به زعم خود پیٔ اخفای این راز
چنین کردند باهم مصلحت ساز
مباد آگاه گردد زال ازین کار
دهد شهرت میان یار و اغیار
رسید اول به دختر شاد و خندان
چه خنده بی نصیب از نام دندان
و زانجا نیز دختر را به در برد
ازان پس جانب شاهد خبر برد
که آوردم برون از خانمانش
به خلوت خانه ای کردم نهانش
رسید این نغمه چون در گوش شاهد
چمن شد غنچهٔ خاموش شاهد
وفا کرد آنچه با او وعده بودش
نه تنها وعده، بل چیزی فزودش
وزان پس جانب عاشق روان شد
فریبی طرح کرد و کامران شد

که آمد از دیار من فقیری   فقیری، دلپذیری، بی نظیری
تمنای زیارت سخت پیچید   اگر باشد اجازت می توان دید
دو فرسنگ است ازینجا تا به او راه   به پای شوق گامی بلکه کوتاه
ازین خدمت طلبگاران دلخواه   دو کس را می برم با خویش همراه
عزیزی غافل از بازی ایام   رضا جوی دل معشوق خود کام
اجازت داد آن سیمین بدن را   وداعی کرد صبر خویشتن را
ز راه دانش و تدبیر و حکمت   دو همره را به کاری کرد رخصت
رسید آنجا که آرام دلش بود   رسید آنجا که برق حاصلش بود
رسید آنجا که بوده آن جمیله   به غارت داده ناموس قبیله
دل آرامی، جفا کامی، وفا نام   چمن روی، سمن بوی، گل اندام
چو شاهد در رخ آن نازنین دید   گل باغ شگفتنهای خود چید
به گوشش کرد عرض هم سواری   نمودش یاریی در دست یاری
به حکم عاشق آن معشوق مفتون   ردیفش بیت زین را کرد موزون
صبا را بوی گل گردید دمساز   چو شوق بلبلان شد گرم پرواز
عنان توسن خوش گام برداشت   ز دلهای جهان آرام برداشت
چه می پرسی که آن رعنا کجا رفت؟   جهان بیوفایی با وفا رفت
نه تنها رفت، برد آرام جانها   بمانده شکوه کاید بر زبانها

آشکار گردیدن این خبر هوش ربا به گوش عزیز که معشوق از نظر پنهان شده است و توجه آن دل بر گرفته از شاهد به معشوق حقیقی که عافیت آن درد را این درمان است

مگویید این خبر با عاشق زار   که رفت آن بیوفایی عاشق آزار
گذشت از حد چو درد انتظارش   به غارت رفت سامان قرارش
ز بار غم دل او کوه اندوه   فغانش نالهٔ فرهاد در کوه
صدای پای هر کس چون شنیدی   ز بیتابی ز خود بیرون دویدی
رسیدند آن دو خدمتگار مهجور   به زیر گرد خجلت زنده در گور

که ما چندان که هر جانب دویدیم
چو رنگ رفته اش جایی ندیدیم

چو گفتندش حدیث آن رمیدن
نه گفتن ریزش خون شنیدن

فزون شد گرمی هنگامهٔ آه
روان شد سوی گردون نامهٔ آه

خبر جویان ز هر جانب دویدند
ز هر سو بی خبر تازان رسیدند

گمان هر جا که تعیین مکان کرد
تجسس رفت و نومیدی بیان کرد

ز جست وجوی او چون گشته نومید
به یادش این چنین می گفت جاوید

"که کار خوبرویان بی وفایی ست
طریق دلبران نا آشنایی ست"

چوشد از بادهٔ غم بیخود و مست
گرفتش لطف معشوق ازل دست

چو شد زان طوطیا چشمش منور
عیان شد در نگاهش نور دیگر

نماندش بعد ازان پروای شاهد
که شد سر تا قدم ماوای شاهد

جمال لا یزالش چهره بنمود
شکست آن بت که نامش غیر او بود

نشست و روی دل از شکوه پیچید
خموشی ترجمان شکر گردید

چو احوال عزیز نیک فرجام
بدین صورت که گفتم یافت انجام

مرا آمد ز روی حسن ارشاد
دو مصرع از کلام مولوی یاد

"متاب از عشق رو گرچه مجازی ست
که آن بهر حقیقت کارسازی ست"

خاتمهٔ کتاب

چومن این گوهر سیراب سفتم
شنیدن را مبارک باد گفتم

نه شعر این انتخاب عشقبازی ست
تراوشهای زخم جانگدازی ست

نه شعر این شورش امواج خون است
حدیثی از لب زخم درون است

نه شعر این نالهٔ خونی نوایی ست
شکست شیشهٔ دل را صدایی ست

حدیث عشق بود از گفتنم دور
ولی بودم به حکم امر معذور

نیاز و ناز حرف گفتنی نیست
گهر از بس نزاکت سفتنی نیست

سخن گفتم به امید تمیزی
گهر سفتم به تکلیف عزیزی

به ترتیب معانی دل نهادم
رگ ابر گهر باری کشادم

به شوق معنی از دل خاست جوشم شراب گوهر دل برده هوشم
ز خوبیهای شاهد بسکه گفتم غبار از خاطر اندیشه، رفتم
قلم ننوشت جز بیتابی دل دواتم بود حلق مرغ بسمل
نمودم چون حدیث عاشقی سر پر پروانه شد اوراق دفتر
به حرف دلگدازی لب کشودم دهن را دیدهٔ گریان نمودم
ز چشم بلبلان کردم دواتی نوشتم همچو گل رنگین براتی



انتخاب از مثنوی گلزار محبت

تانکنی عشق مجاز اختیار
حسن حقیقت نشود آشکار

شرف دارد به هفت اقلیم پنجاب
چو در هفت اختران مهر جهانتاب
هوای اوست روح اعتدالی
مخالف چون توان کردن خیالی
کمال عالمی از خاکش آباد
نگاه او بهار چشم ایجاد
به آبش چشمهٔ آینه بیتاب
زمین فیض کوثر کرده سیراب
فزون تر از نجوم اهل هدایت
یکایك شمس تبریز ولایت
یکی سیر از برای امتحان کن
به بال شوق یك پرواز جان کن

یافته از فیض سحر بی سخن
نطق براتِ سخن سحر فن

چنین گ بندگان فرخنده طالع
ز به روزیش فرمان بنده طالع
چو از عقد پسر شد خاطرش شاد
نسیم خرمی دل غنچه بگشاد
به صبح روز معهود نکو فال
صدای کوس شد عشرت پر [و] بال
نی از اوج طرب آهنگ پرواز
همی گفتی نَیم جز خرمی ساز
نوا کردی نفیر از خوش دمیها
که مَدَّالعَیشَ نَفخُ الرُّوحِ فِیهَا
ز بس رنگین صدا شد دف تو گویی
ز حُسن صوت بودش سرخرویی
سد از جوش طرب بس سازها سُست
نوا از تارها بی زخمه می جست
مهیا گشت صد گون جشن شادی
به خویشان شد صلایی بر ایادی
به رنگ و بو بهشت آرزوها
زلذت چاشنیها را نمك سا
چو بزم خوانِ یغما را بیاراست
تن گل را چوشبنم شست[و] شو خواست
به تردستی سبو پر کرد اقبال
به آب روی خود گردید غسال
نمی گویم که اندام پسر شست
غبار خاطر جان پدر شست

زتنبول وی از بس تنکهٔ زز | طبق شد چون فلک طشت پُر اختر
شهانه خلعتی در بر بپوشید | لباس جلوه بر مه تنگ گردید
به رنگین سپهره روی منور | چو در تار شعاعی مهر انور
سواری شد به رهواری سبک خیز | که بودش شوخی خود مقرعه ریز
ز خیل مادیانِ برگزیده | در اَخُر جا گَهِ سنبل چریده
نسیم گلشن سرعت گرایی | ز رنگ برگ گل گشته حنایی
به جلوه خانهٔ زین کرد یعنی | جوابِ روشنِ بیت تجلی
رفیقان جمله مستِ می خوری ها | ز خون شوخی چشم پری ها
لباس زعفرانی رنگ سرشار | تماشا را ز خنده کرده گلزار
یکایك کرده از چابك سواری | به پشت باد پایان شعله کاری
به گرمی توسنانِ صر صر انگیز | به خرمن سوزی برق آتشِ تیز
ز ناخن دیده کم بر تیز پایی | قضا را عرصه بر عالم گشایی
به بالِ آتشین گرم تازی | پریده در هوای اوج بازی
ز نقش پا نموده آشکارا | خجالت نامهٔ بال پریها
چو کردندی به صحراها تگ و پو | شکار دام حیرت می شد آهو
ز سر تا پا شده سرعت مجسم | به دور سُم نموده نقطه عالم
اگر از خوش عنانی می گذشتند | به گامی راه محشر می نوشتند
به ثبت وصف این خوش باد پایان | ورق ابر و قلم شد برق جولان
تماشایی سپرشد جمله آن راه | به هر گامی دُر افشان گشته دلخواه
شبانگه شد ز مشعلهای تابان | چراغ طالع انجم فروزان
به هر سو شمع در فانوس افروخت | ز داغ پرتو او تاب مه سوخت
شده سوزان به هر جانب شب افروز | فروغ پرتو او کرده شب روز
هوایی جوش زد چون آتشین آه | شنیدم سوخت نیمه دامن ماه
زچپه [تپه؟] تا فلك شوری بر انگیخت | قیامت شد کواکب بر زمین ریخت
ز بیم دیو آتش برق لرزان | ز سر افکنده چادر، شد گریزان

ز چرخی دیده تب فیل سیه مست سراپا سوخت دودش بر هوا جَست
ز فانوس مقدم دیده بس تاب به غوطه رفت اندر دلو مهتاب
شکفت از آتشین باغ دل افروز بهار گلشن داغ چمن سوز
چو طفل شوخ ناری برق خنده ز شوخی در هوا آتش فکنده
ز آتش بازی لنگورو چادر هوا آیینهٔ بخت سمندر
به وصف جمله گر طبعم فروزد سراپا دودمان نطق سوزد
به رقص آمد طوایف در طوایف ظریف اقوال یعنی پر لطایف
به حسن چهرهٔ لطف اداها دوبالا کرد بیداد جفاها
ز کف های نگارینِ حنا بست به خون دعوی خورشید تردست
ندانم تاچه سحر آورد عادت کز آهنگ نوازش کرده غارت
پی غارت به ساز زنگ بازی به روم و مصر کرده ترکتازی
بیا زنگولهٔ بیداد آهنگ شکست ورع را کرده دلی سنگ
به گاه رقص کرده فتنه برپا به انگیزِ قیامت جسته از جا
به پاکوبی به خون توبه جسته غرور زهد را سنگی شکسته
چو صر صر وقت چرخ از باد دامن فرو گشته چراغ عقل روشن
ادای دست افشانی دلاویز نیاز دست بردش نقد پرهیز
ستادن شمع راه خانه سوزی نشستن چیده بزم دلفروزی
به رفتن رهبر دل رفتن از جا نموده هر قدم صد فتنه برپا
به انداز بلند دل ربایی به یك حرکت بسی شیرین ادایی
به ضرب زنگ بر غارت دویده به شام زلف مه را تب کشیده
کشیده قامتی مانند شمشیر ز صاحب دولتی گشته درم گیر
چو کوکب هر کرا زر دید در مشت هلال آسا به پیشش کرده خم پشت
ز همّت دشمنان نفرت گزیده به عشرت دوستان الفت گزیده
به عالم هر کجا شادی پرستی شده جویای ایشان زر به دستی
به ساز شادی از عود و دف و نَی مغنی کرده راه خرمی طی

به شهر و کو اساس خرمی شد
دگر گونه بنای بی غمی شد

ز شادی خانه همچو چشم دیدن
رسید آرام در پای رسیدن

هلال نعل و ماه سم اسپان
شد از سیارگی ثابت نمایان

به استقبال آمد صد مدارا
تملق کرد هر یك را دلاسا

ز مَرکب شهسوار کامرانی
فرود آمد به صد ناز جوانی

سراسر آن برات فرخی میل
جماعت در جماعت، خیل در خیل

نزول آورده در گلشن سرایی
فرو گسترده فرش دلگشایی

به جای خویشتن هر یك چو بنشست
خوش آمد بهر دلداری کمر بست

میسر گشت هر گونه تمنا
به دل ها کرد جا آسودگیها

به نزل شادیانه رفت ایما
نشاط آرزو عید تمنا

به آب گرم مهری دستشو شد
ز رخت لطف طرح سفره نوشد

فرود آمد ز شیرینی بسی خوان
نمك ریزی حلاوت کاری جان

چو قرص خور بسی نانها ز میده
به دندان کواکب نارسیده

فراوان کاسه های قلیه لبریز
به گوش قاشق از چربی سخن ریز

پلاها چرب و نرم و رنگ در رنگ
وفورش کرده راه شکوه بس تنگ

ز شیرین اطعمه و از چاشنی دار
دوبالا رفت لذت رونق کار

ز شیره روغن آمد گرچه سیلاب
ولی شد هر طرف بر خشکه نایاب

به قلیه خواست طبع آمیزش ماست
ولیکن صحبتش شد با پلا راست

به هر جانب کباب ماهی و قاز
به بال موج روغن کرده پرواز

تذرو کشته بریانی شوق
چو قمری با نمك خواند آیت ذوق

گلاب آمیز شربتهای بسیار
ظروف تر دماغی کرده سرساز

زما کولات سیری دست پیچید
فراغت آمد و سفره نور دید

نمك آورد شورِ معذرت پیش
زبان در شکر منعم رفت بی خویش

چو گونه گونه نعمتهای بسیار
حدیث دست شستن یافت تکرار

به رخ رنگ نشاط آورد ماکول
دهن گل غنچه شد از برگ تنبول

چو شد مخمور چشم از خواب سنگین　　کُله برسر چو نرگس شد کج آیین
به رخت خواب خوشدل شد که و مه　　زبان افکنده بستر از پی ره
و زین سو شست مشاط سبکتر　　تن آن نوعروس از آب گوهر
به حسن آرایش آن صنع تردست　　ز رنگ دلفریبی نقشها بست
تو پنداری به مشکین موی از فرق　　شد از ابر سیه رخشان رگ برق
به دست سحر کرد از رنگ افزون　　به موی عنبرین صد نقش موزون
به دست و پای او رنگ حنا بست　　سمن برگی شده با لاله همدست
ز وسمه کرده ابروی معتبر　　زبان طعنه بر قوس قزح تر
ز سرمه شوخی آن چشم جادو　　ضمان فتنه شد بر خون آهو
ز تشبیهش شده از بس که دلتنگ　　سر بادام را شد سرمه اش سنگ
به حلقه بینی اش دُرهای تابان　　چو بر دور قمر انجم فروزان
غلط کز آبداری بود پیدا　　به گلزار رخش شبنم هویدا
سیه مار دو زلف آن سَمن بر　　به شبنم لیسی آورده فروسر
به رخسارش نه مشکین خال پرداخت　　ز دور حسن او هرگز عیان ساخت
فزود از گوشوارش بس کمالی　　ز گوشش داد گل را گوشمالی
به گاه صنعت آن گوشواره　　زر خود کرد زرگر پاره پاره
لباسی نو عروسی زیب و زبر　　کشیده رَختِ تابِ مهرِ انور
نه بر دندان ز مسّی گونه پرداخت　　به سودای جگر خواری سیه ساخت
به بر آویختش زرین حمایل　　فدای هیکل او قالب او دل
جگربس خورد تا بر حسب دلخواه　　نگارین دست او را پاره شد ماه
به زور از پنجهٔ خورشید می تافت　　ز بازو بند دست دیگر یافت
چو در ابهام کرد آینهٔ زر　　ز انگشت هلالی شد فره تر
چو انگشتر به انگشتش در آورد　　خدنگ حسن از حلقه بر آورد
نمود از پای او خلخال زرین　　ز سیمین شمع ساقش شعله آیین
چو شد آرایش زیب عروسی　　به حسنش رنگ بست چاپلوسی

شنیدم کاردانی ترجمان شد زبانِ ابرویش ایما بیان شد
که بلبل جا به پیش گل گزیند مراد خاطر خود را ببیند
به اقبال سخن برخاست از جمع به بال شوق شد پروانه بر شمع
روان برخاست زان خرم گلستان چو طوطی شد به سوی شکرستان
رسید آنجا که بزم دلبری بود فدای ذرهٔ خاکش پری بود
شده از حسن خوبان بس صفایاب ز شرم خشتها آینه شد آب
به یك بتخانه صد بت جلوه آرا به یك شیشه دو صد خیل پریها
چو در آینه روی ماه خور دید به صد حیرت پری دیوانه گردید
چگویم با تو زان حسن جمالی نیاید از نزاکت در خیالی
گشاده مشت آن خورشید سیما به دستش داد نقد عمر خود را
به آداب و رسوم شادیانه گذشت آن شب به عیش بیکرانه
رسوم نو عروسی تا بجا شد عنانِ شب ز دست مه رها شد
بیا ساقی تویی چون یار با ما وفای طالع آمد جلوه فرما
بده جامی که از عشرت زنم جوش عروس مدعا یابم در آغوش

مرگ پی وصل چو درمان بود
مرگ مگو، زندگی جان بود

حریفی کین می از میخانه [ای] ریخت ز دُرد ته نشین پیمانه [ای] ریخت
که هفتم روز بر رسم قبیله تنی چند از تبار آن جمیله
به انواع نفایس وا رسیدند به طرز تحفه پیشش وا کشیدند
ز حد افزون قماش و سلك دُرها به زیب نو عروسان خوش تمنا
ز مهر مادری صد حقه نوش علاجِ درد از خود رفتن هوش
ز سنگین مُهرهای دلربایی به ضرب غم دلش را مومیایی
ز همزادان الفت پیروانش دعای حرز بازوی روانش
چو تمهید ظرایف شد دل آویز زبان شد در ظرافتها گهر ریز
دهان شکر شیرین شد ز نعمت شکر افشاند لب در عرض رخصت

که دیگر آن چراغ دلربایی	به طاق خانه بخشد روشنایی
نوید رخصت ماوای دلکش	شده یاقوتی ضعف شکیبش
عنانِ دل کشیدش شوق موطن	پرِ مشتاق جانش کرد رفتن
به خسر و شوهر و خوشدامن خویش	دلش گفت الوداع ای قوم دلریش
به محمل آمد آن دلرفته از جا	چه محمل دلکشی لیلی سلمیٰ
سرا از حسب حالش کرد ایما	ادای ابروی بیت سویدا
که گویا می رود بی داغ افسوس	سوی جنت ارم گم کرده طاووس
به شوق موطن از محمل نشین شد	قضا جای دگر منزل گزین شد
روان کردند محمل را به سرعت	قیامت کرد بر مه گرد خجلت
نگویم راه صحرا می نوشتند	به روی بحر پر خون می گذشتند
چو پیرامونِ شهر خود رسیدند	سوادش را خط آرام دیدند
فقیری را سر ره تکیه گه بود	سوی آرام خاطرهاش ره بود
نشانده محملش در گوشه آنجا	نشستند از پی آسودگیها
و لیکن بیخبر از راز پنهان	که بود آن سرزمین آفت شان
به تقریب آن عروس مرگ دلبند	ز یك سو پردهٔ محمل بر افکند
ز گورستان نمودش تازه گوری	به جانش ماتم نو کرده شوری
به دایه گفت کین گورِ نوی کیست؟	که بر جانم لحد شد تنگی زیست
به گفتندش که گورِ آن فلانی	شنیدن گشت مرگ ناگهانی
چو دانست آن نشانِ مردهٔ خویش	به دست هجر خون افشردهٔ خویش
زدش در گردن جان جذب پنجه	ز دل تنگیش محمل شد شکنجه
ز محمل با دو صد شوروفغان جست	شکافی شد به تربت، درمیان جست
درون رفت و شکافی باز پیوست	صدف گوهر ربا گردید، لب بست
درون رفت و شکافی شد فراهم	چنان کز وصل یار آغوش باهم
درون رفت و شکافی گشت نایاب	ز چشم وهم همچون زخم گرداب
ز جان همرهان شوری بر آمد	که خورشیدی به مغرب اندر آمد

چه گویم تا چه شد احوال ایشان
ز کین اخترِ بد فال ایشان

رگ ابر سیه گردید مژگان
ز بارانِ سرشك آورد طوفان

خبر بر جان مادر شد اجل قهر
پدر را عمر فرسا شیون زهر

به خویشان شد گران پیوند آنها
نفس شد رشتهٔ تار کفن ها

ز خونین گریه سیلی تا فلك جست
تموجها حباب چرخ بشکست

تظلم ریخت بر دل درد جانکاه
قیامت شد گداز خجلت آه

هوا از دود دلها سوخت یکبار
به جای اشك شبنم شد شرر بار

به نیك و بد تعجب تاختن کرد
که و مه تاب [و] طاقت باختن کرد

هجوم شهری ارکان دولت
به تربت کرد غوغای قیامت

کلند آورد [ه] تربت کافتندش
به عاشق گشته یك تن یافتندش

نمایان نیمهٔ تن نقش تذکیر
ز رنگ حیرت تعیین تدبیر

به تأنیثش علم آن نیمه دیگر
ز تشخیص خرد طرحش فزون تر

فنا نقشی بدین صورت بپرداخت
نبرد عشق او بیخود دلی باخت

به نقش مهر او بی تاب بنشست
چو نقاشی که ناصر قصه اش گفت

ز نقش هر دو تمثالی دگر شد
تو گویی شکر و گل، گلشکر شد

رسیده روغن صاف از دو بادام
فزون از پختن سودای هر خام

تحیر آن قدر شد جلوه آرا
که از هر عضو شد آینه پیدا

به شهر و خانه حیرت ریخت این رنگ
که دانش زاب گشت و عقل شد سنگ

عناصر از طبایع شد پریشان
سراپا ز امتزاج خویش حیران

غبار کوچهٔ حیرت شده آب
چو خون مرده آتش رفت از تاب

خراب سیل حیرت خاك دلریش
شتاب باد سنگ دامن خویش

به ختم کار آن نیکو سر انجام
مناسب خواند بیتی عارف جام

((نپنداری که جان را رایگان داد
فروغ روز جانان دید جان داد))

توای ناخورده می زین جام صد حیف
چه می دانی رموز عشق بی کیف

کرامت های عشق و معجزاتش
خلیل آسا کند گلزار آتش

شود تسکین او چون صحه پیرا
کند در ابر برقی نبض خارا

کمال او چو گردد کیمیا ریز
شود اکسیر جذب آب از ریز

به بویش چاره ساز درد محبوب
شمیم پیرهن بر چشم یعقوب

ز خود بینی به خود مغرور گشتی
از آن سر معانی دور گشتی

به حاجت شد غریبی سوی دریا
برهنه تن بدید آنجا سه کس را

به دریا غسل می کردند با هم
نه شرمی از خدا، نی از کسی غم

همه از شهرِ رسوایی رسیده
لباس شرم از بر واکشیده

به شست و شوی جسم از پای تا سر
ز عریانی شده در لوث دیگر

تعجب کرد کاینجا را چه حالیست
مگر خود محتسب یا قاضی ای نیست؟

نهاده دست بر عورت پس و پیش
به نزدش شد، یکی، گفت: ای نکوکیش

که اینك قاضیم، گو مقصدت چیست؟
خصومت با که داری، دعویت چیست؟

بگفتا: دیدنت مقصودِ من بود
ترا دیدم ز مطلب بند بگشود

بیا ساقی بیا کز عشق نیرنگ
به خلوت برده دلبر گشت یکرنگ

بده جامی که باشم مست آرام
بهم آغوشیش نیکو سرانجام

حصہ چہارم

کتابیات

- کتابشناسی غنیمت کنجاہی
- اقتباسات از تذکرہ ھا

شبانه شریف ملک

کتاب شناسی غنیمت کنجاهی ☆

بخش اول:

فهرست نسخه های چاپی وخطی آثار غنیمت کنجاهی

۱ـ چاپ های دیوان

۲ـ نسخه های خطی دیوان

۳ـ چاپ های مثنوی نیرنگ عشق

۴ـ نسخه های خطی مثنوی نیرنگ عشق

۵ـ مثنوی گلزار محبت

۶ـ رقعات

۷ـ مناظرهٔ گل و نرگس

۸ـ ساقی نامه

بخش دوم:

۱ـ مقالات دربارهٔ غنیمت و آثار اُو

۲ـ بخشی از کتاب دربارهٔ غنیمت و آثار اُو

بخش سوم:

۱ـ شروح و تراجم آثار غنیمت کنجاهی

۲ـ شروح و تراجم دیوان غنیمت کنجاهی به زبان اردو

۳ـ شروح و واژه نامه و تراجم مثنوی نیرنگ عشق به زبان فارسی، اردو، پنجابی، پشتو

بخش چهارم:

استقبال مثنوی نیرنگ عشق

بخش اول:

فهرست نسخه های چاپی و خطی آثار غنیمت

۱ـ چاپ های دیوان غنیمت:

☆ این کتابشناسی جهت اخذ درجهٔ کارشناسی ارشد، به راهنمایی دکتر نجم الرشید به گروه زبان و ادب فارسی دانشکدهٔ خاور شناسی، دانشگاه پنجاب، لاهور، سال تحصیلی ۲۰۰۰ـــ ۲۰۰۲م ارائه گردید

دیوان غنیمت کنجاهی:

به کوشش محمد مصطفی علی و محمد تیغ بهادر، چاپ سنگی، چاپخانه تیغ، لکهنؤ، بی تا۔

به کوشش غلام ربانی عزیز، انتشارات اکادمی ادبی پنجابی، لاهور، ۱۹۵۸م۔

گلزار غنیمت (یعنی انتخاب دیوان غنیمت):

قریشی بك هاؤس، بدون ذکر مطبع، لاهور، ۱۹۶۰م۔ (عارف نوشاهی، فهرست کتابهای فارسی چاپ سنگی و کمیاب کتابخانهٔ گنج بخش، ص ۸۰۲)

دیوان غنیمت (غزلیات ردیف ا،ت،د):

انتشارات حاجی فرمان علی سنز، رشید آرت پریس، لاهور، بی تا۔

سلك نذیر احمد، نویس پریس، لاهور، ۱۹۶۰م، به خط مولوی محمد ظهور، ۱۰۴ ص۔ (عارف نوشاهی، فهرست کتابهای فارسی چاپ سنگی و کمیاب کتابخانهٔ گنج بخش، صص ۸۰۲، ۱۲۹۳)

نسخه های خطی دیوان غنیمت کنجاهی (به ترتیب تاریخ کتابت)

صفر ۱۱۱۳ه‍۔ق:

لاهور، دانشگاه پنجاب SPI/۷۱-۹۷A ۴۲۹۴ : نستعلیق، غلام محیی الدین ولد ابو اسلم، ۵۳ گ (عبدالله ۲ : ۵۴۷ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۷/۸)۔

۱۱۲۴ه‍۔ق:

بهاولپور، سنترال لائبریری ۱۶۶: زیبا، فضل الله ۴۳۴ قطعه و رباعی، ۲۰۴ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۷/۸)۔

۷ ذیقعده ۱۱۴۲ه‍۔ق:

لاهور، دانشگاه پنجاب ۹۷ ۷۱/ SPI ۳۰۹۸ : نستعلیق، شیرانی بوده۔ (بشیر حسین ۱: ۱۲۳؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۷/۸)۔

سده ۱۲ه‍۔ق:

(۱) لاهور، دانشگاه، شیرانی ۳۷۶۱/۲/۷۲۸: (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۷/۸)۔

(۲) نسخه ای از دیوان غنیمت که مشتمل بر ۱۹۲ برگ است، به خط نستعلیق به شماره

Add-۷۷۷۹، درموزهٔ بریتانیا، نگهداری می شود۔ (ریو، فهرست نسخه های خطی فارسی موزه بریتانیا، 700-701/II)

- ۲۱ذیقعد، ۱۲۹۴ هـ ق/۱۸۷٤م: لاهور، دانشگاه، شیرانی ۲/۱۲۷٤/٤۳۲۷: نوشته شمیشری سهایی (بشیر حسین ۱:۱۲۳؛ منزوی احمد، فهرست مشترک،۸/۱۰۱۷)۔
- ٦ ژوئن ۱۹۳٦م: گجرات، احمد حسین قلعه داری: نستعلیق، علامه محمد عبدالکریم قلعه داری، کلیات اوست: دیوان، نیرنگ عشق و خرابات جنون گرامی، ۲٤۷ص (منزوی احمد، فهرست مشترک، ۸/۱۰۱۷)۔
- ۲٦ اوت ۱۹۵۰م: گجرات، احمد حسین احمد قلعه داری ٦۳۰: نستعلیق خوش، ۱۸۰ص (پرفسور احمد حسین احمد قلعه داری؛ منزوی احمد، فهرست مشترک، ۸/۱۰۱۷)۔
- ۱۹۵۵م: لاهور، کتابخانه دکتر وحید قریشی: نستعلیق، احمد حسین احمد، با ۲۲ صفحه دیباچه در سرگذشت او به زبان اردو، به ترتیب قافیه، ۹۲گ ۱۵س (پایان نامه دکتر خالده صدیق: ۱۹۹ منزوی احمد، فهرست مشترک، ۸/۱۰۱۷)۔
- نسخهٔ تاشکند: نسخه ای از دیوان وی در پژوهشگاه خاور شناسی تاشکند نگهداری می شود (نوشاهی، سید عارف، "غنیمت کنجاهی" دانشنامهٔ شبه قاره، ۱۹۰۲)۔
- نسخهٔ سن پترز بورگ: نسخه ای از دیوان غزلیات وی به شماره C۱۱٦۰ (B۵۸-A۱۵٤) در سن پترز بورگ نگهداری می شود (نوشاهی، سید عارف "غنیمت کنجاهی" دانشنامهٔ شبه قاره، ۱۹۰۲)۔
- نسخهٔ ایشیاتک سوسایتی بنگال: نسخه ای از نیرنگ عشق به شماره Na ۱۱۹ در کتابخانهٔ ایشیا تک سوسایتی، بنگال نیز نگهداری می شود۔ (ایوانف، فهرست نسخه های خطی فارسی ایشیا تک سوسایتی بنگال، ص ۳۲۱)

۳- چاپ های مثنوی نیرنگ عشق:

- مطبع لکهنو، لکهنو، محرم ۱۲٦۲ هجری قمری ـ
- فخر المطابع نیاز احمد؛ یحجه ۱۲٦۸ هجری قمری ـ
- مطبع منشی نولکشور، کانپور، فوریه ۱۸۸۵م ـ
- مطبع منشی نولکشور، کانپور، مه ۱۸۹۷م ـ
- مطبع منشی نولکشور، لکهنو، دسامبر ۱۹۲۵م ـ

- به تصحیح غلام ربانی عزیز، پنجابی ادبی اکادمی، لاهور، ۱۹۶۲م۔
- بـه فـرمـایـش شیـخ الهـی بـخش و محمد جلال الدین، کریمی پریس و مطبع گلزار هند، لاهور، بی تا۔
- مطبع مرتضوی ، بی تا۔
- کوهِ نور پریس ، ناقص الآخر، بی تا۔

٤۔ نسخه های خطی مثنوی نیرنگ عشق (به ترتیب سال کتابت)

- سدهٔ ۱۱ هـ ـق: اسـلام آبـاد، گنج بخش ۸۷۲: نستعلیق خوش ۱۳۲ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۸/۸)۔
- ۱۱۱۳هـ ـق : لاهـور، دانشگاه، شیرانی ، شماره داده نشده : نستعلیق خوش، غلام محیی الـدیـن سـنـگـهـانـوی، (شـریف التـواریـخ (۲) ۲۸۹/۳؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۸/۸)۔
- ۱۱۲۱هـ ـق: بیـجـاپـور، هـنـد: کـتـابخانه درگاه خواجه امین رحمته الله علیه، نستعلیق ، مذهب و مطلا، کتابت از محمد یار ناپدیزی۔ (شریف التواریخ: (۲)۳/۲۹۰)
- ۱۱۳۱هـ ـق : پشـاور، دانشـگـاه کـالـج اسلامیه ۱۸۷٤/۱ : نستعلیق ۱۱۹ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۸/۸)۔
- ۱۱۳۵هـ ـق :

(۱) سیـالـکوت، وداله سندهوان، کتابخانهٔ مولانا منظور حسین، نستعلیق خوش لاهور، ذخیـره ربـانـی ٤٤٠/٤٣١ : شـکستـه، مهتـاب رای، ٦١ك (بشیر حسین: ٤١١؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۸/۸)۔

(۲) پشـاور، ریـکـارد افـس ۱۰٤: نستـعـلـیـق (ك ۳۱۵-٤۸۲) (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۹/۸)۔

- ذیـحـجه ۱۱۳۸ هـ ـق: لاهـور، دانشـگـاه پنجاب PPi/71 ٦٧ ١٦٨٤ : نسـتـعلیق، ۵۳ك (عبدالله ۲ : ۳٦٤؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۹/۸)۔
- ۱۲ شوال ۳۰ جلوس ۱۱٦۲هـ ـق : کتابخانه الریاض، جی معین الدین: نستعلیق خوش، حافظ عبدالرسول، محمد شاهی، ۵۳ك (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۹/۸)۔
- ۱۷ شوال ۱۱۹۰هـ ـق : N.M.۱۹٦۱-۱۳٤٦ : نستعلیق شکسته چلیپا، (هدایت الله، در لاهـور، تـازه نـویـس)، عـنـوانهـا نـانویس، ٤٦ ص (نوشاهی، عارف، فهرست موزهٔ ملی،

۶۶۰).

- ۱۷شوال ۱۱۹۵هـ ـق : کراچی، موزه ملی ۱۳۴۶-N.M.۱۹۶۱ : نستعلیق، شکسته چلیپا، (هدایت الله، در لاهور)، ۴۶ص (نوشاهی: ۶۵۹؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۹/۸).

- ۲۸ رمضان ۱۱۹۶هـ ـق : لاهور، نزدیك مزار داتا گنج بخش، نوری کتبخانه، سید محمد حسن شاه گیلانی: نستعلیق خوش، حسن محمد (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۹/۸).

- سدهٔ ۱۲هـ ـق :

(۱) لاهور، بازار حکیمان، فقیرخانه، فقیر سید مغیث الدین: نستعلیق، ۱۲۰ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۹/۸).

(۲) اسلام آباد، گنج بخش ۶۷: نستعلیق خوش، قاضی پیرشاه، ۱۰۵ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۹/۸).

(۳) اسلام آباد، گنج بخش ۷۵۸۰ : نستعلیق شکسته، (ص ۱-۹۸)، آغاز و انجام افتاده، (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۹/۸).

(۴) اسلام آباد، گنج بخش ۱۰۱۹۹ : نستعلیق تحریر آمیز، اشرف علی، (ص۱۳-۱۰۶)؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۹/۸).

(۵) پشاور، پشتو اکادمی ۵۱ : نستعلیق خوش شکسته آمیز، ۹۶ص (منزوی احمد، فهرست مشترك ، ۱۰۱۹/۸).

(۶) شیخوپوره، مرید کی، محمد اسماعیل نوشاهی اعظمی: نستعلیق، شکسته آمیز، قطب شاه (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۹/۸).

(۷) کراچی، موزهٔ ملی N.M.۵۲۸/۸۷ : نستعلیق، آغاز و انجام افتاده، (نوشاهی: ۶۶؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۹/۸).

(۸) لاهور، بازار حکیمان، فقیرخانه، فقیر سید مغیث الدین: نستعلیق، فقیر عمر بخش، ۱۴۸ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۱۹/۸).

(۹) N.M. ۵۲۸/۸۷ : نستعلیق، ناقص الطرفین، ۴ص، (نوشاهی، عارف، فهرست موزهٔ ملی، ۶۶۰).

(۱۰) ۲۳ ربیع الاول ۱۲۰۸هـ ـق : ۱۴۱-N.M.۱۹۲۸ : نستعلیق، گلاب خان، ۱۲۰

ص (نوشاهی، عارف، فهرست موزهٔ ملی، ٦٦٠) ۔

- ۱۲۰۱ هـ.ق: گجرات، کنجاه، گولیکی، پیرزاده خلیل احمد ناصر: نستعلیق، ۹٦ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۱) ۔
- ۱۲۱۰ هـ ـ ق : سرگودها، هری رود، عبدالقیوم : نستعلیق شکسته آمیز، رؤف احمد، ۱۵٦ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۱۹) ۔
- ۲۷ ذیحجه ۱۲۱۱ هـ.ق : لاهور، شاهی مسجد، علما اکیدمی ۲۷۳۱ : نستعلیق شکسته، سید قاسم، ۱۱۸ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۰) ۔
- ۱۲۱۸ هـ.ق : اسلام آباد، گنج بخش ۱۱۹۱۹ : نستعلیق، لطف الدین، ۱۰٦ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۰) ۔
- ۱۲۲۳ هـ ـ ق : گجرات، پرفسور احمد حسین احمد قلعه داری: نستعلیق، میان الله جوایا شوق، شریف التواریخ (۲) ۳/۲۹۱ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۰) ۔
- ٦ شوال ۱۲۲٦ هـ ـ ق : کراچی، موزهٔ ملی ۲۱۱-۱۹٦۹ .N.M : نستعلیق خوش، ۱٦٦ص (نوشاهی، ٦٦٠ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۰) ۔
- ۱٦ شوال ۱۲۲٦ هـ.ق : ۲۱۱ـ N.M.۱۹٦۹ : نستعلیق خوش، ۱٦٦ص (نوشاهی، عارف، فهرست موزهٔ ملی، ٦٦٠) ۔
- ۱۲۳۰ هـ.ق : اسلام آباد، گنج بخش ۳۷۹۱ : نستعلیق خوش، محمد قاسم، ۱۲۰ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۰) ۔

۱۲۳۲ هـ ـ ق : لاهور، دکتر محمد باقر : نستعلیق، ۵٤گ، ۱٤س (پایان نامه دکتر خالده صدیق، ۷۲٦؛ منزوی احمد، فهرست مشترك ، ۸/۱۰۲۰) ۔

۱۲۳۳ هـ.ق: لاهور، دانشگاه پنجاب ۱٦۱ - ۱۰۹۸ Pi/۷۱ : نستعلیق خام، ۵۱گ (عبدالله ۲/۳۷۵ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۰) ۔

۱۲۳۹ هـ ـ ق : کراچی، موزهٔ ملی ۲۸-۱۹۷۸ .N.M : نستعلیق خوش، نتهو مل بالهك، ۱۰۸ص (نوشاهی، ٦٦٠ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۰) ۔

۲۵ ربیع الثانی ۱۲۳۹ هـ.ق : ۲۸-N.M.۱۹۷۸ : نستعلیق خوش، نتهو مل بالهك، ۱۰۸ص (نوشاهی، عارف، فهرست موزهٔ ملی، ٦٦٠) ۔

۲۵ رجب ۱۲٤۰ هـ/۱۸۸۲م : لاهور، پنجاب پبلك لائبریری ۹۹، ۸۷۱ غنیمت (۲) : نستعلیق، شیخ هدایت الله ولد شیخ عمر، ۵۲گ، ۱۸س (عباسی ۱/۵۰٤ ؛ منزوی احمد،

فهرست مشترک، ۸/۱۰۲۰) -

- ۱۲۴۳ھـق : گوجرانواله، حافظ آباد، عبدالرشید فاروق : نستعلیق، ۱۳۹ ص، (منزوی احمد، فهرست مشترک، ۸/۱۰۲۰) -
- ۱۲۴۹ھـق: سرگودها، بهلوال، بهکر، کتابخانه عبدالرسول صاحب: نستعلیق شکسته خوش، کامل، ۱۴۸ص (منزوی احمد، فهرست مشترک ۸/۱۰۲۰) -
- ۱۲۵۱ھ ـق : لاهور ، دیال سنك ترست ۵۱ : نستعلیق، غلام محیی الدین، ساکن جلال آباد، ۱۴۶ص (هاشمی، صدیقی، ۱/۱۷۵ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترک، ۸/۱۰۲۰)
- ۳ شعبان ۱۲۵۲ھ ـ ق: لاهور، پنجاب پبلك لائبریری : ۹۹، ۸۷۱ غنیمت(۳): شکسته آمیز، محسن شاه قادری، ۹۳ك، ۱۵س (عباسی ۱/۵۰۵ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۱) -

چهار شنبه ٤ رمضان ۱۲۵۳ھ ـ ق : اسلام آباد، گنج بخش، ۷۰ : نستعلیق شکسته آمیز پخته، عطا محمد سیالکوتی، علی یاران، عنوانها نانویس، ۱۲۰ص (منزوی احمد، فهرست مشترک، ۸/۱۰۲۱) -

۵ذیحجه ۱۲۵۵ھ ـ ق :

(۱) کراچی، کتابخانهٔ همدرد، شماره ۳۷-۵۶، نستعلیق، ۱۴۰ ص، ۱۱س -

(۲) ۵ ذیحجه ۱۲۵۵ھ ـ ق : کراچی، ناظم آباد، کتابخانهٔ همدرد، حکیم محمد سعید دهلوی، R.Nox : نستعلیق خوش، ۱۴۰ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۱) -

۱۲۵۶ھ ـ ق : سیالکوت، مولانا منظور حسین : نستعلیق، حکیم غلام حسین (شریف التواریخ) (۲) ۳/۲۹۱ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۱) -

پنجشنبه ۹ شعبان ۱۲۵۸ھ ـ ق : اسلام آباد، گنج بخش ۳۲۴ : نستعلیق ۱۲۰ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۱) -

۱۲۵۸ھ ـ ق : کراچی ، موزهٔ ملی ۱۴۱-۱۹۶۸ .N.M : نستعلیق، گلاب خان، آغاز افتاده، ۱۲۰ص (نوشاهی، ۶۶۰ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۱) -

۱۲۶۰ھ ـ ق : اسلام آباد، گنج بخش ۱۱۹۶۷ : نستعلیق پخته ، انجام کمی افتاده، ۹۳ (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۱) -

- ۱۰ رمضان ۱۲۶۰ھ ـ ق : اتك، تله گنك، خیرپور، اسد الله خان : نستعلیق خوش، ۲۱۰ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۱) -

- ۱۲۶۰ هـ ـ ق : بنون ، نسیم گل، حبیب الله خان : نستعلیق خوش، ذوالفقار حیدر، ۸۰ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۱) ـ

- ۱۲۶۲ هـ ـق : کراچی، انجمن ترقی ۲ ق ف ۲٦ : نستعلیق، حاجی میرزا محمد باقر، (نوشاهی، ۱۷۰ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۱) ـ

- ۱٦ رجب ۱۲٦۳ هـ ـ ق : N.M. ۱۹۷٦-٥٤/۲ : نستعلیق، ۱۲۰ ص (نوشاهی، عارف، فهرست موزهٔ ملی، ٦٦۰) ـ

۹ ذیقعده ۱۲٦۳ هـ ـق : لاهور، دانشگاه پنجاب Pi/۷۱ ۱٦۱ ۱۰۹٦ : نستعلیق ، سید احمد بخش ساکن سندیله، ٥٤ گ (عبدالله ۲/۳۷٥ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۱) ـ

۱٦ رجب ۱۲٦۳ هـ ـ ق : کراچی، موزهٔ ملی ۲/٥۳-۱۹۷٦ N.M. : نستعلیق، ۱۲۰ ص (نوشاهی، ٦٥۹ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۱) ـ

۲۹ ذیحجه ۱۲٦٤ هـ ـق : کراچی، انجمن ترقی ۳ ق ف ۲۸۷ : نستعلیق، از روی چاپ ۱۲٦۱ ه، ۱۰٤ ص (سرفراز، ٦٦۸ ؛ نوشاهی، ۱۷۰ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۲) ـ

۱۲٦٦ هـ ـ ق : کراچی، ناظم آباد، کتابخانهٔ همدرد، حکیم محمد سعید دهلوی، د-س R.Nox : نستعلیق زیبا، میان نظام الدین، ۹۲ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۲) ـ

۱٤ جمادی الاول ۱۲٦٦ هـ ـ ق : کراچی، کتابخانهٔ همدرد، شماره ۳۷-٥٥، نستعلیق، ۹۲ ص ۱۷ س ـ

۱۲۷۰ هـ ـ ق : شیخوپوره، نارنگ منڈی، چودهری ذکاء الله : نستعلیق پخته، غوث محمد بن شمس الدین، ۹٤ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۲) ـ

۱۲۷٤ هـ ـ ق :

(۱) سیالکوت، ظفر وال، ایم-ای-کاظمی : نستعلیق نمونه، قطع بزرگ، ۳۲ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۲) ـ

(۲) لاهور، دیال سینگ ترست ۱۰۹ : نستعلیق، میان بخش بن حضرت میان علی محمد، ۱۰٤ ص (هاشمی، صدیقی ۱/۱۷۷ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۲) ـ

(۳) خوشاب، اکبر پوره، گلزار احمد: نستعلیق خوش، ۱۳۲ ص، (منزوی احمد،

فهرست مشترك، ۱۰۲۲/۸).

- ۱۲۷۸ هـ ق : لاهور، فقیرخانه، سید مغیث الدین: نستعلیق، محمد یاسین، ۲۳۰ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۲/۸).
- ۱۲۸۳ هـ ق : میانوالی، کندیان، کتابخانه سعدیه، مولانا ابو الخلیل خان محمد صاحب، خانقاه سراجیه : نستعلیق شکسته، ۱۳٤ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۲/۸).
- ۱۲۸۸ هـ ق : شیخوپوره، گوجرانواله، نوشهره، کتابخانه هاشمی : نستعلیق پخته، ملا حسین عالم بن علیم نقشبندی، ۱۰۸ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۲/۸).
- ۱۲۸۹ هـ ق : سرگودها، جهاوریان، کتابخانه، عطا الرحمن کهوکهر : نستعلیق شکسته خوش، فقیر محمد بهاولپوری، ۱۱۰ ص، ۱۲ س (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۲/۸).
- ۱۲۹۳ هـ ق : لاهور، چوك وزیر خان، عالمگیر شجاع : نستعلیق، احمد الدین، ۱۰٤ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۲/۸).
- سده ۱۳ هـ ق :

(۱) اسلام آباد، گنج بخش ۸۷۳۵ : نستعلیق پخته، در لاهور، ۱۰۹ ص ؛ (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۰/۸).

(۲) N.M. ۱۹٦۱-۱۳۳۵: نستعلیق، ۱۰٤ ص (نوشاهی، عارف، فهرست موزهٔ ملی، ٦٦۰).

(۳) N.M. ۱۹٦۱-۱۳۳۸: نستعلیق شکسته آمیز، ۱٤۰ ص (نوشاهی، عارف، فهرست موزهٔ ملی، ٦٦۰).

(٤) اسلام آباد، گنج بخش ۸۰۰٦ : نستعلیق شکسته آمیز، ۱۰۱ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۲/۸).

(٥) اسلام آباد، گنج بخش ٤۳۱٤ : نستعلیق شکسته آمیز، نور طالب علم، ساکن دهره بانك، ۹۱ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك ۱۰۲۲/۸).

(٦) پشاور، دانشگاهِ پشاور، ۳۳۷ : نستعلیق خوش، ۹٦ ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۲/۸).

(۷) سرگودها، بهلوال، کوت مومن، غلام سرور : نستعلیق، ابوالحسن ابراهیم بن سردار

میران بخش راجر، ۱۳۲ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۳/۸) ۔

(۸) جهلم، پند دادنخان، جهانزیب : نستعلیق، قاضی عبدالصبور بن قاضی عبدالغفور، روهری کلان، ۱٤۰ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۳/۸) ۔

(۹) سرگودها، هری پور، عبدالقیوم : نستعلیق خوش ، مجتبی احمد ولد مولوی گل محمد، ۱۲۰ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۳/۸) ۔

(۱۰) سرگودها، بهلوال، مولانا قدرت الله : نستعلیق، ابو سعید اختر بن واجد علی نور پور، ۸٤ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۳/۸) ۔

(۱۱) سرگودها، بهلوال،نونانواله، محمود بیك : نستعلیق خوش، غضنفر بیك ولد اسدالله بیك، ۸۲ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۳/۸) ۔

(۱۲) لاهور، پنجاب پبلك لائبریری، ۹۹، ۸۷۱ غنیمت ۸۷۱،۷۹ هلا، نستعلیق، ۵۰ك (عباسی ٤۷۲/۱ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۳/۸) ۔

(۱۳) کراچی، موزهٔ ملی ۱۳۳۵-۱۹٦۱ .N.M: نستعلیق، ۱۰٤ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۳/۸) ۔

(۱٤) کراچی، موزهٔ ملی ۱۳۳۸-۱۹٦۱ .N.M : نستعلیق شکسته آمیز، ۱٤۰ص (نوشاهی، ٦٦۰، منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۳/۸) ۔

۱۳۰۳هـ ـ ق : سرگودها، بهلوال، چك میان موسی، مهر صالح، نستعلیق شکسته، ۱۳۲ص (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۳/۸) ۔

۲۷ شعبان ۱۳۲۰هـ ـ ق : اسلام آباد، گنج بخش ۱۱۵۵: نستعلیق پخته، فیروزه، ۱٤۷ (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۳/۸) ۔

سده ۱٤هـ ـ ق : اسلام آباد، گنج بخش ٤۰۲۷ : نستعلیق، صص ۱۵۹-۱٦٤، (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۳/۸) ۔

بدون تاریخ:

(۱) لاهور، کتابخانه دانشکده مسیحی فورمین : نستعلیق، تاریخ یاد نشده، ۵٤ك، ۱٤ص (پایان نامه دکتر خالده صدیق، ٤۳۵ ؛ منزوی احمد، فهرست مشترك، ۱۰۲۳/۸) ۔

(۲) پشاور، پرفسور محمد شمیم، استاد گورنمنت کالج پشاور ۱۰٦۲ : نستعلیق، عطا محمد بن الله بخش، پنجشنبه وقت زوال، آغاز برابر نمونه، ۱۰٤ص (منزوی احمد،

فهرست مشترك، ۸/۱۰۲۳)۔

- پشاور، پشتو اکادمی ٦٩١ ھ ـ ق ، شکسته، شیخ کرم علی، ٤٨ص، (منزوی احمد، فهرست مشترك، ۸/۱۰۲٤)۔

(۵) گلزار محبت:

- نسخهٔ خطی: مثنوی بزمی است و در ۱۱۲۵ق در ۵۹۱ بیت سروده شده و نسخه خطی آن در کتابخانه شیخ کرامت الله در گجرات موجود بوده است (نوشاهی، سید عارف، "غنیمت" دانشنامهٔ شبه قاره، ص ۱۹۰۱)۔
- چاپ: مرتبه عارف نوشاهی، المیر ترست لائبریری، مرکز تحقیق و تالیف، گجرات، ۲۰۰۸میلادی، ص ۱۲۸

(٦) رقعات غنیمت کنجاهی:

- نسخهٔ خطی آن، به شماره ۳۹۸۲/۹۳۰، در مجموعهٔ شیرانی، کتابخانهٔ مرکزی دانشگاهِ پنجاب، لاهور نگهداری می شود۔ (احمد منزوی، فهرست مشترك نسخه های خطی فارسی پاکستان، ۵:۲۷۹-۲۸۰)
- چاپ: (۱۳ نامهٔ غنیمت)، به کوشش سید شریف احمد شرافت نوشاهی، در مجله صحیفه، لاهور، شماره ٦۲، جنوری ۱۹۷۳م، صص ۱ - ۱۳۔

(۷) مناظرهٔ گل و نرگس:

رساله ای منثور در مناظره، به عنوان مناظرهٔ گل و نرگس

- ۱۲۸۲ه / ۱۸٦۵م، مطبع مفتاح الاسرار، بهیره، ص۸۔
- تجدید چاپ: به کوشش نجم الرشید، مجله سفینه، نشریهٔ گروه فارسی دانشکدهٔ خاورشناسی دانشگاه پنجاب، لاهور، جلد ۲، شماره ۱، ۱۸۸۳ه-ش (۲۰۰٤م) ص ۵۸-٦۳۔

(۸) ساقی نامه:

نسخهٔ خطی: شماره ۱٦۵۲، کتابخانهٔ اندیا آفس، لندن- (ایته هرمن، فهرست مخطوطات فارسی کتابخانهٔ اندیا آفس، I/899-900)۔

<u>بخش دوم:</u>

(۱)　فهرست مقالات دربارهٔ غنیمت و آثار او

(۲)　بخشی از کتاب دربارهٔ غنیمت و آثار او

(۱) مقالات دربارۂ غنیمت و آثار او (به ترتیب نام مقاله نویسان)

- چغتائی، محمد عبدالله: "مثنوی نیرنگ عشق کا ایك مخطوطه" (نسخه ای خطی از مثنوی نیرنگ عشق)، مجله اورینتل کالج میگزین، لاهور، ج ۱۹، عدد ۲، عدد مسلسل ۸۲، فوریه ۱۹۴۳م، صص ٥٤-٥٢.
- دلاوری، صادق علی:
(۱) "غنیمت کا وطن" (وطن غنیمت) اورینتل کالج میگزین، لاهور، ج ۲۰، عدد ۱، عدد مسلسل ۷۵، نوامبر ۱۹۴۳م، صص ٤٦-۳۲.
(۲) "غنیمت کنجاهی" اورینتل کالج میگزین، لاهور، سه ۱۹٤۲م، صص ١٤-٣٧.
-- ظفر خان، محمد:
(۱) "غنیمت کنجاهی" مجلۂ هلال، کراچی، ش ٤،٣، جلد٨، کراچی، مارس ۱۹٦۱م، صص ٦٤-٧١.
(۲) "پژوهشی دربارۂ دیوانِ غنیمت کنجاهی"، مجلۂ هلال، کراچی، ج ۲۰، ش ۳/۲، خرداد وتیر ۱۳۵۱هـ-ش، ص ٦٠-٦٥.
(۳) "نظری به مثنوی شاهد و عزیز"، قسط اول، مجلۂ هلال، کراچی، مه ۱۹۷۱م، صص ۳۲-۳۵.
(۴) "نظری به مثنوی شاهد و عزیز"، قسط دوم، مجلۂ هلال، کراچی، ژوئن ۱۹۷۱م، صص ۲۸-۳۵.
(۵) "مثنوی نیرنگ عشق" مجله هلال، کراچی، اوت ۱۹٥٦م، صص ۲۲-۲۹.
(٦) رقعات غنیمت، مجله پاکستان مصور، اسلام آباد، سپتامبر ۱۹۸٥م.
- قادری، سید نور محمد:
(۱) "دیوان غنیمت کے ایك مخطوطے کا تعارف"، مجلۂ فنون، لاهور، مارس ۱۹۷٥م، صص ٤٨-٥١.
(۲) "دیوان غنیمت کا ایك نادر مخطوطه"، ماه نامه نقوش، لاهور، سالنامه ژوئن ۱۹۸٥ء، صص
- کنجاهی، شریف:

(۱) رقعات غنیمت کنجاهی پر ایك نظر (نگاهی بر رقعاتِ غنیمت کنجاهی)، مجلهٔ فنون، ج ۱۸، شماره ۵،۶، آوریل-مه ۱۹۷٤م، لاهور، صص ۳۳-٤۲۔

(۲) "غنیمت کنجاهی کی مثنوی" (مثنوی غنیمت کنجاهی)، روزنامه "امروز"، لاهور، ۹، فوریه ۱۹۵۸م۔

(۳) "مثنوی "گلزار محبت" اور غنیمت"، مجلهٔ فنون، ج ۱۷، شماره ٤-۵، لاهور، سپتامبر-اکتوبر ۱۹۷۳م۔

نجم الرشید: مناظرهٔ گل و نرگس، سفینه، جلد ۲، شماره ۱، گروه زبان و ادب فارسی، دانشکدهٔ خاور شناسی، دانشگاه پنجاب، لاهور، ۱۳۸۳ش (۲۰۰٤م)، ص ۵۸-۶۳۔

نوشاهی، شرافت:

(۱) رقعات غنیمت کنجاهی (متن با مقدمه)، مجلهٔ صحیفه، ش ۶۲، لاهور، ژانویه ۱۹۷۳م، صص ۱-۱۳۔

(۲) نوشاهی، شرافت: غنیمت کنجاهی، العلم، کراچی، آوریل- ژوئن ۱۹۷۳م

(۳) محمد اکرم غنیمت کنجاهی، اورینتل کالج میگزین، لاهور، جلد ۵۸، شماره ٤، و جلد ۵۹ و شماره ۱، عدد مسلسل، ۲۳۱-۲۳۲، صص ۱٤۳-۱۸۹۔

نوشاهی، گوهر: "مولانا غنیمت کنجاهی"، اورینتل کالج میگزین، لاهور، ج۳۸، ش ۱، صص ۵۵-۷۹۔

(۲) بخشی از کتاب دربارهٔ غنیمت و آثار او (به ترتیب نام مؤلفان)

آرزو، سراج الدین علی خان: مجمع النفایس، تذکره شعرای فارسی سده دوازدهم، به کوشش عابد رضا بیدار، انتشارات کتابخانهٔ عمومی خدا بخش، پتنا، ۱۹۹۲م، صص ٦۷-٦۸؛ به کوشش دکتر مهر نور محمد خان، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰٦، جلد دوم، ص ۱۱٤۲۔

آقا بزرگ تهرانی: الذریعه الی تصانیف الشیعه، القسم الثالث من الجزء

تاسع، تهران، ۱۳۳۳ش، ص ۷۹۳
- اخلاص، کشن چند: همیشه بهار (تذکرۂ شعرای فارسی)، به کوشش وحید قریشی، انتشارات انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۷۳م، ص۱۸۲۔
- اردو انسائیکلو پیدیا: "غنیمت کنجاهی" اردو انسائیکلوپیدیا(دانشنامه اردو)، انتشارات فیروز سنز، لاهور، ۱۹٦۸م، ص ۱۰٦۹۔
- افشار، ایرج: فهرست مقالات فارسی، انتشارات شرکت سهامی کتابهای جیبی، تهران، ۱۳٤۸ش، ج۲، ص ۲۲۹؛ جلد چهارم، ج۲، ص ٤٤۱ ۔
- اکرام الحق، شیخ: شعر العجم فی الهند، لاهور، ۱۹٦۱م، صص۱۷۹-۲۰۰۔
- انصاری، نورالحسن: فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب، انتشارات اندو پرشین، دهلی، ۱۹٦۹م، صص ۵۳-٦۲۔
انور مسعود: غنیمت کنجاهی، اس کی غزل پر ایك نظر (نگاهی بر غزل او)، فارسی ادب کے چند گوشے، انتشارات عاقب، اسلام آباد، ۱۹۹۳م، صص۸۵-۹۷۔
ایمان، رحم علی خان: تذکرۂ منتخب اللغات، با مقدمه دکتر تارا چند و به کوشش سید محمد رضا جلال نایینی و دکتر سید امیر حسن عابدی، انتشارات تابان، تهران، ۱۳٤۹هجری شمسی، ص ۳۰٤ ۔
باقر، محمد:
(۱) پنجابی قصے فارسی زبان میں (داستانهای پنجابی به زبان فارسی)، لاهور، ۱۹۵٦-۵۷م، ۱/۲۳٤۔
(۲) باقر، محمد: "غنیمت کنجاهی" اردو دائرة المعارف اسلامیه، ج ۲/۱٤، انتشارات دانشگاه پنجاب، لاهور، ۱۹۸۲م، صص ۵۹٤-۵۹٦۔
- بدخشانی میرزا مقبول بیگ: "غنیمت کنجاهی"، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و هند، جلد ٤، انتشارات دانشگاه پنجاب، لاهور، صص ٤۲٦-٤۲۷۔
- بیخبر بلگرامی، میر عظمت الله: سفینهٔ بیخبر، نسخهٔ خطی کتابخانهٔ مرکزی دانشگاهِ پنجاب، لاهور، شماره آذر، H-۳۹/۷۷۷۹، ٦۹پ
- پیر معصوم شاه: انوار الصالحین، نسخهٔ خطی، چك ساده، گجرات، ص ۱۲۔

- توفیق ه.سبحانی: "غنیمت"، نگاهی به تاریخ ادب فارسی در هند، انتشارات دبیرخانهٔ شورای گسترش زبان و ادب فارسی، تهران، ۱۳۷۷ هـ.ش، صص ۸۴۵-۸۴۷.
- خلیل، علی ابراهیم خان: صحف ابراهیم، تذکرهٔ شعرای فارسی (سدهٔ دوازدهم) به کوشش عابد رضا بیدار، انتشارات کتابخانهٔ خدا بخش، پتنا، ۱۹۷۸م: صص ۱۱۳-۱۱۴.
- خوشگو، بندرا بن داس: سفینهٔ خوشگو، دفتر ثالث، به کوشش سید شاه محمد عطاء الرحمن کاکوی، انتشارات ادارهٔ تحقیقات، پتنا، ۱۹۵۹م، صص ۲۲-۲۵.
- خیام پور، عبدالرسول: فرهنگ سخنوران، انتشارات طلایه، (تهران)، ۱۳۶۸ش، صص ۲/۶۷۳-۶۷۴.
- دختر امیر بت: آثار پارسی، بی جا، بی تا، ص ۸۸.
- دهخدا، علی اکبر: لغت نامهٔ دهخدا، جلد ۳۶، غ، شماره مسلسل ۲۷، انتشارات دانشگاهِ تهران، تهران، ۱۳۳۵ش، ص ۲۷/۳۴۹.
- راشدی، حسام الدین: تذکرهٔ شعرای کشمیر، انتشارات اکادمی اقبال، کراچی، ۱۹۵۸م، ص ۱۰۱۱.
- سامی، شمس الدین: قاموس الاعلام، استانبول، ۱۸۹۶م، ص ۳۲۸۶.
- سبحانی، توفیق: نگاهی به تاریخ ادب فارسی در هند، انتشارات دبیرخانه شورای گسترش زبان و ادبیات فارسی، تهران، ۱۳۷۷ش، صص ۵۴۷-۵۴۸.
- سدا رنگانی، هرومل: پارسی گویان هندو سند، تهران، ۱۳۵۵ش، ص ۱۱۴-۱۱۷.
- سرخوش، محمد افضل: کلمات الشعرا، به تصحیح صادق علی دلاوری، انتشارات شیخ مبارک علی، لاهور، ۱۹۴۲م، ص ۸۲.
- سنبلی، میر حسین دوست: تذکرهٔ حسینی، انتشارات منشی نول کشور، بی جا، بی تا، صص ۲۳۰-۲۳۲.
- شاهنواز خان دهلوی، مرآة آفتاب، نسخهٔ خطی کتابخانهٔ مرکزی دانشگاهِ پنجاب، لاهور، شماره شیرانی، ۵۶۴۱/۲۳۱۸، ص ۲۵۷پ

- شبلی، صدیق، و محمد ریاض: فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ (تاریخ مختصر ادب فارسی)، انتشارات سنگ میل، لاهور، ۱۹۸۷م، ص ۲۰۶-
- شیرانی، حافظ محمود: پنجاب میں اردو، مرتب وحید قریشی، کتاب نما، لاهور، ۱۹۶۳م، ص ٤۱۷-
- شیمل، آنه ماری: ادبیات اسلامی هند، ترجمۀ یعقوب آژند، انتشارات امیر کبیر، ۱۳۷۳ش، ص ۵۹-
صالح کنجاهی، مولانا محمد: سلسلة الاولیاء (سال تالیف ۱۲٦۷ق/ ۱۸۵۱م)، نسخۀ خطی، ص ۳۳-۳٤-
صبا، محمد ظفر حسین: تذکرۀ روز روشن، به تصحیح و تحشیۀ محمد حسین رکن زادۀ آدمیت، انتشارات رازی، تهران، ۱۳٤۳ش، ص ۵۸۹-
صدیق حسن خان بهادر: شمع انجمن، هندوستان، ۱۲۹۳ق، صص۳۵٦-۳۵۷-
صفا، ذبیح الله: تاریخ ادبیات در ایران، ج ۵/۲، انتشارات فردوسی، تهران، ۱۳۷۲ش، صص ۱٤۱۱-۱٤۱٤-
طاهره صدیقی: داستان سرایی فارسی در شبه قاره در دورۀ تیموریان، انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۳۷۷ش، صص۲۳٦-۲۳۹-
ظهور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب (ادب فارسی در پاکستان) به زبان اردو، ج ۳، ادارۀ تحقیقات پاکستان دانشگاهِ پنجاب، لاهور، ۱۹۷۷م، صص ۱۰-۳۲-
عابدی، سید وزیر الحسن: کتاب فارسی کا نیا نصاب، برنامۀ تازه درسی فارسی، بخش دوم، برای کلاسهای دیپلم، انتشارات فروغ اردو، انار کلی، لاهور، ص ۹۳-
- عبدالرشید: تذکرۀ شعرای پنجاب، انتشارات اکادمی اقبال، کراچی، ۱۳٤٦ش، صص ۲٦٤-۲٦۷-
- عبدالغنی خان: تذکرة الشعرا، به اهتمام مقتدی خان شروانی، علی گر، ۱۹۱٦م، ص ۹٦-

عظیم آبادی، حسین علی خان: نشتر عشق، انتشارات دانش، دوشنبه، ۱۹۸۲م صص۔

قاضی محمد احسان الله بی - ای (مدیر هفت روز "پیغام"):
"ارتجال" هفت روزه پیغام، وزیر آباد، ضلع گوجرانواله، بابت دو شنبه، ۲ مئی ۱۹۳۲ء، ۲۵ ذی الحجه ۱۳۵۰ه-ق، شماره ٤، جلد ۱، صفحه۲۔

گوپاموی، قدرت الله: نتایج الافکار، به کوشش ارد شیر نبشاهی، بمبئی ۱۳۳٦ش، صص ٥١٦-٥١٨۔

لاهوری، مفتی غلام سرور: مخزن پنجاب (سال تالیف: ۱۳۸۵ق)، ص ۳۰٤۔

مبتلا، مردان علی خان: تذکرۂ منتخب الاشعار، به کوشش محمد اسلم خان، انتشارات اندو پرشین سوسائتی، دهلی، ۱۹۷۵م، ص ۸۳۔

مشار، خان بابا: مولفین کتب چاپی فارسی و عربی از آغاز چاپ تاکنون، تهران، ۱۳٤۰-۱۳٤٤ش، ص ٦٤٩/۱۔

میر عبدالرزاق نواب صمصام الدوله: بهارستان سخن، مدراس، ۱۹٥۷م، صص ٦١٦-٦١٨۔

نظامی بدایونی: قاموس المشاهیر، جلد دوم، خدابخش اورینتل پبلك لائبریری، پتنه، ۲۰۰٤م، ص ۱۰٤۔

نقشبندی مجددی سرهندی، خواجه ابو الفیض کمال الدین محمد احسان: روضة القیومیه، رکن دوم (سال تالیف: ۱۱٥٥ ه-ق/۱۷٤۲م)، مطبوعه سوك ستیم پریس، لاهور، ص ۱٦۰ و ۲٥۱۔

نوشاهی، سید ابوالکمال غلام رسول برق: نوشاهی شعرا، لاهور، ۱۹۷۹ء، ص ٥۹

نوشاهی، سید عارف:
(۱) "غنیمت": انسائیکلوپیدیا ایرانیکا (نیو یارك)۔
(۲) "غنیمت: از خاکیان هند غنیمت" مقدمه بر کتاب گلزار محبت، گلزار محبت، المیر ترست لایبریری، مرکز تحقیق و تالیف، گجرات، ۲۰۰۸م، صص ۱٥-٤٦۔
(۳) "غنیمت کنجاهی"، دانشنامۂ ادب فارسی درشبه قاره، به سرپرستی حسن انوشه، سازمان چاپ و انتشارات وزارت فرهنگ و ارشاد اسلامی،

تہران، ۱۳۸۰ش، صص ۱۹۰۱-۱۹۰۲۔

- نوشاهی، شرافت:

(۱) شریف التواریخ، ج ۳/۲، انتشارات ادارۂ معارف نوشاهیه، ساهن پال شریف (گجرات)، ۱۹۷۰م، صص ۵۹-۳۱۵۔

(۲) "تذکرۂ شعرائے نوشاهیه"، ترتیب و تدوین و تکمیل عارف نوشاهی، اورینٹل پبلی کیشنز پاکستان، لاهور، ۲۰۰۷ء، صص ۵۰۵-۵۵۷

وارسته، سیالکوتی مل: بیاض وارسته، مجموعۂ مخطوطات شیرانی، کتابخانۂ مرکزی دانشگاهِ پنجاب لاهور، نسخۂ خطی، شماره ۱۴۷۴/۴۵۲۴، ورق ۱۴۹ تا ۱۵۱۔

واله داغستانی: ریاض الشعراء، به تصحیح شریف حسین قاسمی، جلد اول، رام پور، هند، ۲۰۰۱م، ص ۴۶۷۔

- هاشمی سندیلوی: شیخ احمد علی خان، تذکرۂ مخزن الغرائب، تصحیح محمد باقر، جلد ۴، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۳م، صص ۲۲۷-۲۲۹ھ

- Marshal, D.N: Mughals in India, Marshal Publishing Limited, London and New Yark, 1985, P 151.

- Nabi Hadi: Dictionary of Indo-Persian Literature, Abhinar Publications, Delhi 1995:, P 190.

- Saeed Naficy: "Ghanimat", The Encyclopaedia of Islam, Leiden, 1991, Vol.II, pp 1006-1007

- Shackle, Christopher: "Persian Poetry and Qadiri Sufism in late Mughal India: Ghanimat Kunjahi and his mathnavi Nayrang-i-Ishq" In: The Heritage of sufism: III, Late classical persianate sufism (1501-1750). Oxford Publications, (1999), pp.435-463

بخش سوم:

شروح و تراجم آثار غنیمت کنجاهی:

(۱) شروح و تراجم دیوان غنیمت کنجاهی به زبان اردو
(۲) شروح و واژه نامه و تراجم مثنوی نیرنگ عشق به زبان فارسی، اردو، پنجابی، پشتو

(۱) شروح و تراجم دیوان غنیمت کنجاهی به زبان اردو:

- ممتاز حسین ناظر القاسمی: ترجمه و تشریح دیوان غنیمت کنجاهی (ردیف الف تا دال)، انتشارات حاجی فرمان علی و پسران، لاهور، ۱۳۸۰ق۔
- خلیل الرحمن نگینوی و محمد سعید شیدا: فیضان غنیمت (شرح دیوان غنیمت)، فقط ترجمهٔ غزلهایی است که با حروف تا و دال و میم ختم می شود، انتشارات تاج بك دپو، لاهور، بی تا۔

(۲) شروح و واژه نامه و تراجم مثنوی نیرنگ عشق به زبان فارسی، اردو، پنجابی، پشتو

الف- چاپی
ب- نسخه های خطی

الف- چاپی:

- پرشاد، منشی کامتا: بهارستان (منظوم)، ترجمه به زبان اردو، چاپ منشی نولکشور، لکهنو، ۱۲۹۶ش۔
- راحت کاکوروی، بهگونت رای: نگارستان راحت، ترجمه منظوم به اردو، مطبع گلزاراود،لکهنو، ۱۳۱۷ش۔
- مهمند، عبدالحمید: دحمید نیرنگ عشق، ترجمه منظوم نیرنگ عشق به پشتو (سروده در سال ۱۰۹۶ق) انتشارات پشتو تولنه، کابل، ۱۳۴۹ش۔
- میان محمد بخش: ترجمه منظوم نیرنگ عشق، به زبان پنجابی، به اهتمام ملك عظیم محمد و پسران، بی تا، جهلم،۱۳۸۳ش۔

ب- نسخه های خطی:

- شرح نیرنگ عشق از شیخ یحیای کنجاهی: اسلام آباد، گنج بخش ۹۵۴:

نستعلیق خوش، سدهٔ ۱۲ هـ - ق ۳۵۸ ص (منزوی احمد، فهرست مشترک ۱۰۲۴/۸)-

- شرح نیرنگ عشق از ناشناس: میانوالی، کندیان، کتابخانه سعدیه، مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحب، خانقاه سراجیه: نستعلیق خوش سده ۱۲-۱۳ق ۱۱۸ ص (محمد نذیر رانجها، منزوی احمد، فهرست مشترک، ۱۰۲۵/۸)-

- شرح نیرنگ عشق از مقبول احمد گوپاموی: لاهور، دانشگاه، شیرانی ۴۱۳۷/۱۰۸۵: از روی نسخهٔ چاپی در فهرست به نام "شرح غنیمت" آمده ۱۲۵۹هـ-ق (بشیر حسین ۴۵۲:۳؛ منزوی احمد، فهرست مشترک، ۱۰۲۵/۸)-

شرح نیرنگ عشق از محمد اشرف انصاری:

- لاهور، دانشگاه پنجاب ۱۶۱A ۷۱/Pi ۱۳۰۶: نیم شکسته، بی تا، ۳۱۶ گ (منزوی احمد، فهرست مشترک، ۱۰۲۴/۸)-
- لاهور، همانجا B ۱۶۱ ۷۱/Pi ۲۵۵۲: نستعلیق، ۷۹ گ- (عبدالله، ۲/۳۶۵-۳۶۶؛ منزوی احمد، فهرست مشترک، ۱۰۲۴/۸)-

شرح مثنوی نیرنگ عشق از دوست محمد: نسخهٔ خطی از آن، به شمارهٔ Pivi/۱۶۱B، در کتابخانهٔ مرکزی دانشگاهِ پنجاب، لاهور نگهداری می شود-

شرح مثنوی نیرنگ عشق از غیاث الدین رام پوری: به گفتهٔ شرافت نوشاهی، غیاث الدین رام پوری شرحی بر مثنوی نیرنگ عشق تالیف کرده است- (شریف التواریخ، ج ۳/۲، ص ۲۹۸)-

بخش چهارم:
استقبال مثنوی نیرنگ عشق:

- اشک، مولوی ظفر حسین: مثنوی آهنگ عشق، صحن خلد (کلام فارسی اشک)، به کوشش بیگم سعیده ضیاء، انتشارات مجلس معین ادب، فیصل آباد، بی تا، صص ۸۲-۱۵۸۔
- تحسین، میر محمد عطا حسین خان: مثنوی شمع محافل فارسی (داستان مرزا و صاحبه)، نسخهٔ خطی از آن در کتابخانهٔ احمد حسین قریشی قلعه داری، قلعه دار (گجرات) نگهداری می شود۔ (نوشاهی، شرافت، شریف التواریخ) جلد ۲/۳، ص ۳۰۱۔
- چشتی نظامی، حکیم عبدالحق: مثنوی تفنگ عشق فارسی (داستان مرزا و صاحبه)، نسخهٔ خطی از آن در کتابخانهٔ شرافت نوشاهی، ساهن پال موجود است۔ (نوشاهی، شرافت، شریف التواریخ، جلد ۲/۳، ص ۳۰۲)۔
- زیرک، شیخ عطا محمد: مثنوی ارژنگ عشق فارسی (داستان سوهنی و مهنیوال)، نسخهٔ خطی از آن در کتابخانهٔ احمد حسین قریشی قلعه داری، قلعه دار (گجرات)نگهداری می شود (نوشاهی، شرافت، شریف التواریخ، جلد ۲/۳، ص ۳۰۱)۔
- ضیاء، ضیاء محمد: مثنوی آهنگ عشق فارسی، نسخهٔ خطی از آن در کتابخانهٔ احمد حسین قلعه داری، قلعه دار (گجرات) نگهداری می شود۔ (نوشاهی، شرافت، شریف التواریخ، جلد ۲/۳، ص ۳۰۲)۔
- قلعه داری، احمد حسین قریشی: مثنوی فرهنگِ عشق فارسی (داستان بلال حبشیؓ)، (نوشاهی، شرافت، شریف التواریخ، جلد ۲/۳، ص ۳۰۳)۔
- گرامی غلام قادر: مثنوی خرابات جنون فارسی: این مثنوی در مجلهٔ مخزن (ویژه نامهٔ گرامی)، جلد ۱، شماره۶، در سال ۱۳۴۶ق/۱۹۶۷م به چاپ رسیده است۔
- لایق، میر محمد مراد: مثنوی دستور همت فارسی (قصه کامروپ و کام لتا) نسخهٔ خطی از آن در کتابخانهٔ احمد حسین قریشی قلعه داری، قلعه دار

(گجرات) نگهداری می شود (نوشاهی، شرافت، شریف التواریخ، جلد ۳/۲، ص ۳۰۰)۔

- مسکین، مولوی محمد حسین: مثنوی فارسی (داستان بائی و امیر خان)، نسخهٔ خطی از آن در کتابخانهٔ احمد حسین قریشی قلعه داری، قلعه دار (گجرات) نگهداری می شود۔ (نوشاهی، شرافت، شریف التواریخ، جلد ۳/۲، ص ۳۰۱)۔
- نجم الدین چریا کوتی، مولانا (۱۳۰۷ق/۱۸۸۹م)، مثنوی فیض الٰہی، آغاز: خداوندا به جولان معانی / کمیت خانه ام زاده روانی (ضیاء الدین اصلاحی، ''چریا کوٹ *اور اس کے علماء*'' خدا بخش لائبریری، جرنل، پتنه، شماره ۱۲۲، دسامبر ۲۰۰۰م، ص ۲۲-۲۴)۔

اقتباسات از تذکره ها

O کلمات الشعرا (عرصۂ تصنیف: ۱۰۹۳-۱۱۰۸ھ-ق)، تالیف محمد افضل سرخوش، به تصحیح صادق علی دلاوری، انتشارات شیخ مبارک علی، لاهور، ۱۹۴۲م، ص ۸۲:

"غنیمت: از خاکیان هند غنیمت بوده۔ طبعی درست داشت و دیوانی مختصر دارد۔ مثنوی نیز فکر کرده است۔"

O همیشه بهار (سال تالیف: ۱۱۳٦ھ-ق)، تالیف کشن چند اخلاص، مرتبه دکتر وحید قریشی، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۷۳م، ص ۱۸۲-۱۸۳:

"شیخ محمد اکرم غنیمت: شیخ محمد اکرم، غنیمت تخلص، متوطن قصبۂ کنجاه مضاف صوبه پنجاب۔ از ارادتمندان حضرت غوث الاعظم بود، و مشق اشعار خود را پیش میر محمد زمان راسخ می گذرانید و استفادۂ فن شعر می نمود۔ و اکثر خیالهای رنگین در الفاظ شوخ و عبارت متین بسته در هندیان غنیمت بوده۔ دیوان مختصر ازو یادگار است۔ من اشعاره:

کرده ام از مهر لب نقد بیانها در گره
بسته ام چون غنچۂ سوسن زبانها در گره

به یاد داغهای کهنه دل دارد تماشایی
بود طاؤس را سیر چمن بر گشته دیدنها

مثنوی نیز فکر کرده مشتمل برداستان عشق عزیز و شاهد مسمیٰ به نیرنگ عشق (ص ۱۸۲)۔

O سفینه خوشگو (دفتر ثالث) (سال تالیف: ۱۱۳۷-۱۱٤۷ھ-ق)، تالیف بندرا بن داس خوشگو، مرتبه سید شاه محمد عطاء الرحمن عطا کاکوی، پتنه، ۱۹۵۹ء، ص۲۲-۲٤:

"محمد اکرام، غنیمت تخلص از شیخ زاده های قصبه کنجاه مضاف صوبه پنجاب است۔ شاعر خوش لفظ، معنی یاب،عالی

طبیعت، خیال بند بود۔ در خدمت میر محمد زمان راسخ مشق سی گذرانید و درجناب غوث الاعظم شیخ عبدالقادر گیلانی ارادت صادق داشت۔ چندی همراه مرزا ارتق بیگ فوجدار قصبۂ سیالکوت بود۔ در آن ایام مرزا عبدالعزیز، خلف ارشد مرزا مذکور، بر شاهد نام امرد پسری که سرخیل ارباب رقص و غنا بود، تعشق بهم (ص ۲۲) رسانیده به غنیمت که از یاران و همدردان اُو بود، فرمود که قصه عشق او حسن شاهد نظم نماید۔ وی مثنوی مسمیٰ به نیرنگ عشق هم دراین باب به هزار و پا نصدبیت موافق اعداد لفظ غنیمت فکر کرده، در هزار و نود وشش به اتمام رسانیده، چنانچه در بیان تاریخ انجام آن این بیت سرائیده:

نمایاں گشت تاریخ نو آیین   ز گلزار بهار فکر رنگین

وآن اگرچه اوایل مشق اوست لیکن در مجلس نوجوانان مذکور و مشهور است و این لطیفه مشهور تر:

مرا روزی به دل شوق آشنا شد   کتاب صبر را شیرازه وا شد
به امید تماشای نگاری   نمودم جانب مکتب گذاری
بر آمد بر درِ مکتب خروشم   که من سی پارۂ دل می فروشم
به گوش شاهد آمد نالۂ من   بغل پروردۂ تبخالۂ من
مرا از مهر بانیها درون خواند   خرد از همرهی بیرون در ماند
ز سرپا کرده رفتم یکقدم پیش   بلا گردان لطف طالع خویش
بگفتا: "پیشتر آ" پیش رفتم   تکلف بر طرف از خویش رفتم
زدست من به صد اعزاز برداشت   غلط گفتم به چندین ناز برداشت
به دست مهربانی گردش افشاند   پسِ آنگه سورۂ اخلاص برخواند
پسندش کرد و گفتا من خریدار   بگفتم: گربود طالع مدد گار
بگفتا: "قیمتش"، گفتم "نگاهی"   بگفتا "کمترك"، گفتم "که گاهی" (ص ۲۳)
بگفتا: یافتم زین بیش مخروش   مبادا بشنود استاد خاموش

در جایی که عزیز معزی الیه شاهد را به مکتب فرستاد و اواز غایت حیا،

لب نمی کشود، بیت یوسف زلیخا تضمین نموده:

چو از روی حجابش لب فروماند شنیدم من که استادش همی خواند
الهی غنچهٔ اُمید بکشا گلی از روضهٔ جاوید بنما
اثر جوشید یعنی غنچه واشد لب رنگین او حرف آشنا شد

در مقام شکار گفته:

تفنگش را گره از سینه وا شد ستم شد، مرگ شد، برق بلا شد
نشستی آهو از بس تیر باران به رنگی چشم در آغوش مژگان

دیوان مختصری رنگین گذاشته، بسیار خوش فکر است (ص ٢٤)

O سفینهٔ بیخبر، (سال تالیف: ١١٤١ق) ، تالیف: میر عظمت الله بیخبر بلگرامی، نسخهٔ خط کتابخانهٔ مرکزی دانشگاهِ پنجاب، لاهور، شماره آذر ٧٧٧٩/٣٩-H، ٦٩ب:

"غنیمت - نامش محمد اکرم ظاهراً از توابع / نواح پنجاب است- دیوانی جمع کرده و مثنوی نیز دارد- افکارش خالی از لطف نیست"-

O ریاض الشعراء، (جلد اول) (سال تالیف: ١١٦١ه-ق) تالیف: علی قلی خان واله داغستانی، مقدمه، تصحیح و ترتیب پروفسور شریف حسین قاسمی، رامپور، ٢٠٠١م، ص ٤٦٧:

"غنیمت از مردم لاهور بوده، مثنوی قصهٔ عزیز و شاهد را به مزه گفته- درهند خصوصاً در پنجاب شهرت دارد"-

O تذکرهٔ حسینی، (سال تالیف: ١١٦٣ه-ق) تالیف: حسین دوست سنبهلی، منشی نولکشور، ص ٢٣٠-٢٣٢:

"شاعر مکرم محمد اکرم، متخلص به غنیمت، از مفتی زاده های قصبهٔ کنجاه بوده، من مضافات گجرات شاه دولا و در عهد عالمگیر بادشاه، به خدمت نواب مکرم خان بسر می برده، و مثنوی متضمن عشق عزیز، پسر نواب مذکور، و حسن پسری رقاص شاهد نام بسیار به مزه گفته" (ص ٢٣٠):

O مجمع النفایس، (سال تالیف: ١١٦٤ه-ق) تالیف: سراج الدین علی خان آرزو، به تصحیح مهر نور محمد خان، اسلام آباد، ٢٠٠٦م، جلد دوم، ص ١١٧٢-١١٧٣:

"محمد اکرم غنیمت: از قصبه کنجاه است که قصبه ای است از مضافات لاهور- بسیار خوش زبان و معنی تلاش است- از بعضی مسموع است که شاگرد میر محمد زمان راسخ بود- در اواسط عهد عالمگیری در ملك پنجاب طنطنهٔ شاعری او کوس لمن الملکی می زد- علی الخصوص از جهت مثنوی او که قصه "شاهد و عزیز" را موزون کرده و بسیار به مزه گفته خصوصاً داستان مکتب که از غایت خوبی شهرت تمام دارد- درینولا انتخاب دیوان او نوشته می شود" (ص ۱۱۷۲)-

O　گل رعنا (سال تالیف: ۱۱۸۱-۱۱۸۲ھ-ق) تالیف: لچهمی نارائن شفیق، نسخهٔ خطی انجمن ترقی اردو، کراچی، نمبر۳ قف ۱۷۰، ص ۸۶۷-۸۶۸:

غنیمت، محمد اکرم، کنجاه قصبه ای است از توابع گجرات شاه دولا مضاف صوبه لاهور- غنیمت از مغتنمات روزگار بود و مشق به خدمت میر محمد زمان راسخ می گذرانید- اوایل حال به همراهی میرزا ارتق بیگ فوجدار قصبهٔ سیالکوت به سر می برد- در آن ایام میرزا عبدالعزیز خلف میرزایی مذکور برشاهد نامی امرد پسری که از رقاصان بود، تعشق بهم رساند و کارش به رسوایی کشید- غنیمت که از همصحبتان و غمخواران آن عزیز (ص ۸۶۷) مصر عشق بود، به موجب فرمایش میرزا ارتق بیگ این قصه را که هزار و پانصد بیت موافق اعداد غنیمت باشد با مسمی به نیرنگ عشق هم موزون کرد که غازهٔ حسن قبول بر جبین دارد- در این مثنوی حرف بسیار به مزه میزنده مطلعش این بیت:

بنام شاهد نازك خیالان　　عزیز خاطر آشفته حالان

در تاریخ اهتمام این مثنوی که سنه ست و تسعین والف است می گوید:

نمایان گشت تاریخ نو آیین　　ز گلزار بهار فکر رنگین" (ص ۸۶۸)

O　تذکره منتخب اللطایف، (سال تالیف: ۱۱۹۰ ھ-ق) تالیف: رحم علی خان ایمان، به اهتمام سید محمد رضا جلالی نائینی و سید امیر حسن عابدی، تهران، ۱۳۴۹ هجری شمسی، ص ۳۰۴-۳۰۵:

"محمد اکرم غنیمت تخلص متوطن قصبه کنجاوه مضاف صوبه لاهور است- در اواسط عهد عالمگیری در ملك پنجاب کوس

لمن الملکی درمیدان شاعری می زد، علی الخصوص از جهته مثنوی قصه شاهد و عزیز که آوازه اشعارشوق انگیزش در گنبد گردون پیچیده و به اکناف عالم رسیده۔ القصه او شاگرد میر محمد زمان راسخ تخلص و صاحب دیوان است واین اشعار از جمله آن" (ص ٣٠٤)۔

O صحف ابراهیم، (سال تالیف: ١٢٠٥هـ-ق) تالیف: علی ابراهیم خان خلیل، به اهتمام عابد رضا بیدار، پتنه ١٩٧٨ء، ص ١١٣-١١٤:

"غنیمت محمد اکرم از تربیت یافتگان میر محمد زمان راسخ و شیخ زادگان قصبهٔ کنجاه مضاف صوبه پنجاب است۔ درآن احیان که با میرزا ارتق بیگ حاکم سیالکوت به سر می برد، میرزا عبدالعزیز خلف ارشد (ص ١١٣) میرزا مذکور بر شاهد نام پسری در زمرهٔ ارباب رقص و غنا مستثنیٰ و به زیور شهرت متجلی بود، عاشق گردیده درین باب غنیمت به پاس اخلاص و محبت متضمن حکایات آن مثنوی مسمی به نیرنگ عشق به هزار و پانصد بیت موافق عدد لفظ غنیمت منظوم نموده، در هزار و نود و شش به اتمام رسانیده۔اگرچه نو مشقی وسادگی از کلامش پیدا، اما از مشاهیر شعرای عالمگیری است" (ص ١١٤)۔

O تذکره مخزن الغرائب، (سال تالیف: ١٢١٨هـ-ق) تالیف: شیخ احمد علی خان هاشمی سندیلوی، به اهتمام محمد باقر، اسلام آباد، ١٩٩٣ء، ص ٢٢٧-٢٢٩:

"طبعی روان داشته۔ اشعارش نازك و هموار است۔ مثنوی قصه عزیز و شاهد که افتتاح آن این است:

به نام شاهد نازك خیالان　　عزیز خاطر آشفته حالان

در هند نهایت (شهرت) دارد۔ لیکن آن مثنوی از فصاحت و بلاغت افتاده، فاما از مزه خالی نیست۔ این چند اشعار از روانی طبع اوست" (ص ٢٢٧)

O مرآة آفتاب نما (سال های تالیف: ١٢١٦-١٢١٨هـ-ق) تالیف: شاهنواز خان دهلوی، نسخهٔ خطی کتابخانهٔ مرکزی دانشگاهِ پنجاب، لاهور، شماره شیرانی ٥٦٤١/٢٣١٨، ص ٢٥٧پ:

"غنیمت نامش محمد اکرم۔ اصلش از لاهور، شاگرد محمد زمان راسخ در عهد اورنگ زیب شهرت یافته۔ خوش فکری است، مثنوی شاهد و عزیز یادگار اوست"۔

O نشتر عشق، (سال تالیف: ۱۲۳۳ھ-ق) تالیف: حسین قلی خان عظیم آبادی، دو شنبه، ۱۹۸۳ء، جلد سوم، ص ۱۱۱٤-۱۱۱۵:

"غنیمت مسمیٰ به محمد اکرم۔ مولد از قصبهٔ کنجاه من توابع گجرات شاه دولا مضاف صوبهٔ لاهور است۔ از بس خوش خُلق و رنگین مزاجی داشت و مشق سخن به خدمت میر محمد زمان، راسخ تخلص کرده۔ و خدمت افتایی قصبه به پدر او متعلق بود به سخن فرازی در شعرای آن عصر غنیمت بود و گوی خوش کلامی از معاصران خود می ربود۔ میرزا عبدالعزیز خلف والی سیالکوت به محبت امرد پسری رقاص دل از دست داده به مرتبهٔ فریفتهٔ جمال او گردیده که انگشت نمای خاص و عام شد۔ غنیمت که به خدمت وی حاضر بود، مثنوی نیرنگ عشق به احوالِ آن عاشق موزون ساخت۔ تاسنه یك هزارو نودوشش [۱۰۹٦ھ] به عصر عالمگیری به قید حیات بود۔ از او است" (ص ۱۱۱٤)۔



O تذکره نتائج الافکار، (سال تالیف: ۱۲۵۸ھ-ق) تالیف: محمد قدرت الله گوپاموی، بمبئی، ۱۳۳٦ هجری شمسی، ص ۵۱٦-۵۱۸:

"مغتنم عصر در نکته یابی محمد اکرم غنیمت پنجابی که به طبع نقاد دادخوش مقالی داده و به ذهن وقاد بنای نازك خیالی نهاده کلامش عنوان صحیفه فصاحت است و اشعارش دیباچه کتاب بلاغت۔ لاسیما مثنوی او نیرنگ عشق که سر تاسر داستانی است رنگین ویك قلم بیانی است نزاکت آگین شهرت تمام دارد و دیوانی مختصر هم از تالیفات اوست۔ آخر کار اواخر مایهٔ حادی عشر نقد حیاتش به غنیمت دست اجل درآمد از طبع لطیف اوست" (ص ۵۱٦)۔

○ شمع انجمن، (سال تالیف: ۱۲۹۲ھ-ق) تالیف: صدیق حسن خان، بهوپال، ۱۲۹۳ هجری، ص ۳۵۶-۳۵۷:

" غنیمت محمد اکرم پنجابی مفتی زاده قصبۂ کنجاه از متعلقات گجرات شاه دولا بود- در عهد عالمگیر بادشاه به خدمت نواب مکرم خان به سرمی برد- صیاد آهوان مبانی تازه است و دام گستر معانی بی اندازه- نیرنگ عشق مثنوی او شهرت و قبول تام دارد و درچستی عبارت و نزاکت اشارت فایق بر مثنویات شعرای نامدار است ترکیب دلنشینش معجون مفرح خاطر نازك خیالان است وتضمین رنگینش عزیز دلهای آشفته حالان- سرخوش در تذکره خود چه حرف خوش گفته که "غنیمت از خاکیان هند غنیمت است" در اواخر مایة حادی عشر نقد حیاتش غنیمت دست اجل گردید دیوانی هم سوای انشا و مثنوی دارد این چند بیت از آنجاست" (ص۳۵٦)-

○ تذکره روز روشن، (سال تالیف: ۱۲۲۱ھ-ق) تالیف: مولوی محمد مظفر حسین صبا، به تصحیح محمد حسین رکن زاده آدمیت، تهران، ۱۳۴۳ هجری شمسی، ص ۵۸۹:

"غنیمت کشمیری، متصف به شیرین گفتاری و خوش تقریری است"-

مرتبین

ڈاکٹر نجم الرشید

بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ فارسی، اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور سے وابستہ ہیں۔ ''بارھویں صدی ہجری/اٹھارہویں صدی عیسوی میں برصغیر میں فارسی شاعری کی تنقید'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر تہران یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ مکمل کی۔ ایران، پاکستان اور ہندوستان سے شایع ہونے والے جرائد، اورینٹل کالج میگزین، سفینہ، خدابخش لائبریری جرنل، نامۂ پارسی میں ان کے تحقیقی اور ترجمہ شدہ مضامین شایع ہو چکے ہیں۔ ایرانی انسائیکلوپیڈیاوں دانشنامۂ زبان و ادب فارسی در شبہ قارہ، دانشنامۂ ادب فارسی: ادب فارسی در شبہ قارہ، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی میں ان کے لکھے ہوئے مقالات شامل ہیں۔ اس وقت سفینہ کے مدیر بھی ہیں۔

پاکستان میں ان کی کتب مصدرنامہ ولغت نامۂ فارسی، فارسی گفتاری، ایران میں برصغیر کے فارسی مطالعات [۱۹۷۸ء کے بعد] (بہ اشتراک) طبع ہو چکی ہیں۔ زیر اشاعت کتب میں دیوان احمد یار خان یکتا قابل ذکر ہے۔

ڈاکٹر محمد صابر

بطور اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ فارسی، اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور سے وابستہ ہیں۔ ''سبک ہندی کے چار شعراء کی شاعرانہ خصوصیات'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر تہران یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ مکمل کی۔ پاکستان اور ایران سے شایع ہونے والے مجلات سفینہ، نامۂ فارسی میں ان کے مضامین شایع ہوتے رہے ہیں۔ ایرانی انسائیکلوپیڈیاوں دانشنامۂ زبان و ادب فارسی در شبہ قارہ، دانشنامۂ ادب فارسی: ادب فارسی در شبہ قارہ میں ان کے لکھے ہوئے مقالات شامل ہیں۔

ان کی مرتبہ کتب سے اشرف نامہ، مصدرنامہ ولغت نامۂ فارسی (بہ اشتراک) فارسی گفتاری (بہ اشتراک)، کارنامۂ عشق تصنیف آنندرام مخلص (بہ اشتراک) طبع ہو چکی ہیں۔ دیوان احمد یار خان یکتا کی تدوین (بہ اشتراک) زیر طبع ہے۔